ناتسکاپ قاحلا روا لارتچ

چترال اور الحاق پاکستان

انجمن ترقی کھوار چترال کے زیر انتظام 1997 میں
ہونے والے سیمینار کی رودار

چترال
اور
الحاق پاکستان

انجمن ترقی کھوار چترال

اظہار تشکر

چترال اور الحاق پاکستان پر سیمینار قیام پاکستان کی گولڈن جوبلی تقریبات کے دوران جون 1997ء میں انجمن ترقی کھوار چترال کے اہتمام سے منعقد ہوا تھا۔ مقالات اور تقاریر کا یہ نادر اور تاریخی مجموعہ جون 1998ء میں مرتب ہوا۔ اس کی کتابت اور پروف ریڈنگ کا کام مارچ 1999ء میں مکمل ہوا۔ لیکن انجمن ترقی کھوار کے پاس مالی وسائل نہ ہونے کی وجہ سے اس کی طباعت اور اشاعت کا کام رکا ہوا تھا۔

کتاب کی ضخامت کی وجہ سے اس کی چھپائی کا کام اس قدر مشکل ثابت ہوا کہ ہر کوئی اسے بھاری پتھر سمجھ کر وہیں رکھ دیتا تھا۔ گویا اس پر فارسی کا یہ شعر صادق آنے لگا۔

زمین و آسمان بارِ امانت نتوانست کشید
قرعہ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند

سال 2000ء کے لیے انجمن ترقی کھوار کے اجلاس میں سب سے اہم مسئلہ اس کتاب کی اشاعت کا تھا۔ جب انجمن ترقی کھوارِ کی خدمت کا بار گراں میرے ناتواں کندھوں پر رکھ دیا گیا تو میں نے مختلف ذرائع سے فنڈ اکھٹا کرنے کے لیے پروگرام وضع کیا اور اراکین انجمن کو ساتھ لیکر مختلف جگہوں پر رابطہ کیا۔ جن ذرائع سے اس کتاب کی اشاعت کے لیے وسائل فراہم ہوئے ان کی مختصر فہرست یہ ہے۔

- ☆ آغا خان رورل سپورٹ پروگرام چترال (AKRSP)
- ☆ جناب رؤف امان صاحب کھوژ مستوج
- ☆ جناب محمد وزیر خان صاحب کشم
- ☆ جناب مغفرت شاہ صاحب جغور
- ☆ جناب سلطان الدین صاحب کھوت
- ☆ جناب سرفراز علی خان صاحب بونی

☆ جناب سرفراز خان صاحب وریجون

☆ جناب محمد ظفر خان صاحب سنوغر

☆ جناب معراج خان صاحب موردیر

☆ جناب انجینئر سردار ایوب خان صاحب کوغوزی

☆ جناب خلیل الدین صاحب بونی

☆ جناب اسماالدین صاحب چرن اویر

☆ جناب محمد حسین صاحب اویر

چترال اور الحاق پاکستان صرف ایک سیمینار کے مقالات کا مجموعہ نہیں بلکہ یہ ایک تاریخی علمی اور تحقیقی دستاویز ہے۔ اس علاقے کی تاریخ پر کام کرنے والا کوئی مورخ اور محقق اس دستاویز سے صرفِ نظر نہیں کر سکے گا۔ اور آئندہ برسوں میں چترال پر جتنی کتابیں لکھی جائینگی سب کے لیے "چترال اور الحاق پاکستان" کو حوالے کی کتاب کے طور پر ہاتھوں ہاتھ لیا جائیگا۔

مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ انجمن ترقی کھوار پہلے اس اہم موضوع پر سیمینار منعقد کرانے میں کامیاب ہوئی۔ پھر دوست احباب اور اے۔ کے۔ آر۔ ایس۔ پی کے تعاون سے اس کتاب کو منظر عام پر لانے میں کامیاب ہوئی ہمیں امید ہے کہ انجمن ترقی کھوار اپنے سرپرستوں کے تعاون سے آئندہ بھی اس قسم کے اہم کام انجام دے سکے گی۔

مورخہ ۱۳، نومبر ۲۰۰۰ء

عبدالولی خان عابدؔ

ایڈووکیٹ

صدر انجمن ترقی کھوار

چترال

فہرست مقالات

نمبر شمار	مضامین	نام	صفحہ
۱	**پہلی نشست**		
۱	خطبۂ استقبالیہ	امیر خان میر	۱
۲	خطاب مہمان خصوصی	سابق صوبائی وزیر قادر نواز خان	۷
۳	صدارتی خطبہ	ایم این اے شہزادہ محی الدین	۸
۲	**دوسری نشست** (مقالات)		
۴	چترال میں جدوجہد آزادی کی تاریخ	محمد عرفان عرفان	۱۹
۵	آزادی اور ادب و ثقافت کی ترقی	ڈاکٹر عنایت اللہ فیضی	۳۹
۶	خطاب مہمان خصوصی	قاضی صاحب نظام	۵۶
۷	صدارتی خطبہ	ڈاکٹر فضل قیوم	۶۱
	تیسری نشست (مقالات)		
۸	تحریک آزادی میں چترال مسلم لیگ کا کردار	گل نواز خاکی	۶۵

پاکستان کے ساتھ ریاست چترال کی الحاق کا پس منظر	پروفیسر رحمت کریم بیگ	۱۱۱
تحریک آزادی میں چترال کے علماء کا کردار	محمد سرفراز علی خان سرفراز	۱۲۳
خطاب مہمان خصوصی	سالار رحمت الدین	۱۵۴
خطبۂ صدارت	ایم پی اے سید احمد خان	۱۵۸

چوتھی نشست

تحریک آزادی چترال میں مستوج سب ڈویژن کا کردار	جاوید حیات	۱۶۱
تحریک آزادی میں سب ڈویژن چترال کا کردار	مولانگاہ نگاہ	۱۸۰
پیغام	مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب تورکھو	۲۰۸
تحریک آزادی میں خواتین کا کردار	محکم الدین محکم	۲۱۴
خطاب مہمان خصوصی	سابق ایم پی اے زین العابدین	۲۲۱
خطبۂ صدارت	میجر (ر) احمد سعید	۲۲۸

پانچویں نشست

کھوار ادب میں آزادی کا ذکر	محمد چنگیز خان طریقی	۲۳۵

الحاق پاکستان میں والئ چترال کا کردار	رحمت اکبر خان رحمت	۲۶۰
خطاب مہمان خصوصی	صاحب نادر خان ایڈوکیٹ	۲۷۰
خطبۂ صدارت	بریگیڈیر ظہیر اللہ	۲۷۶

چھٹی نشست

آزادی کے بعد چترال کی ترقی کا جائزہ	شیر ولی خان اسیر	۲۸۰
تحریک آزادی کے لئے باہمی اتحاد و اتفاق کی ضرورت	مولانا محمد نقیب اللہ رازی	۳۱۰
خطاب مہمان خصوصی	ریٹائرڈ ونگ کمانڈر فرداد علی شاہ	۳۲۰
خطبۂ صدارت	میجر ریٹائرڈ، شہزادہ خوش احمد الملک	۳۲۴
قراردادیں	امیر خان میر (صدر انجمن ترقی کھوار چترال)	۳۴۰

ساتویں نشست		
تحریک آزادی و قیام پاکستان کے مناسبت سے انجمن ترقی کھوار کے زیر اہتمام ضلعی سطح پر مشاعرہ جسمیں ۸۷ شعراء کرام نے کلام سنائے		
خطاب مہمان خصوصی (محفل مشاعرہ)	ولی الرحمن ایڈوکیٹ	۳۴۴
خطبۂ صدارت	عبدالولی ایڈوکیٹ	۳۴۵
آٹھویں نشست		
تحریک آزادی کا سپاہی	عبیرولی شاہ المعروف ہندوستانی میکی	۳۴۶
تحریک آزادی سے متعلق قدیم شعرائے چترال کے کلام کی چند جھلکیاں	گل نواز خاکی	۳۴۹
خطاب مہمان خصوصی (ثقافتی پروگرام)	صوبیدار محبوب عالم خان	۳۵۵
ملی نغموں پر مبنی ثقافتی پروگرام		
محفل مشاعرہ پہلا اور دوسرا مرحلہ		۳۵۷

تقریبات کی مختلف کمیٹیاں

استقبالیہ کمیٹی

۱۔ امیر خان میر چمرکھون
۲۔ ڈاکٹر عنایت اللہ فیضی ژاپسور
۳۔ گل نواز خاکی سینگور
۴۔ حاکم رحمت اکبر خان رحمت چیاڑی
۵۔ مولا نگاہ نگاہ ترچ
۶۔ شہزادہ تنویر الملک تنویر دینین
۷۔ مبارک خان مبارک مغلاندہ
۸۔ محمد یوسف شہزاد ژاپسلور
۹۔ سعادت حسین مخفی موڑکھوڈ
۱۰۔ فضل الرحمٰن شاھد

رجسٹریشن کمیٹی

۱۔ محمد زاہدین زاہد شہ ڈوک
۲۔ فداء الرحمٰن فدا دردس
۳۔ عبدالرزاق ژوغور چترال

انتظامی کمیٹی

۱۔ امیر خان میر
۲۔ سرفراز علی خان سرفراز بونی
۳۔ محمد عرفان عرفان گولدور
۴۔ تاج محمد فگار
۵۔ محکم الدین محکم اویون
۶۔ عنایت اللہ اسیر اویون
۷۔ محمد زاہدین زاہد
۸۔ شیر اکبر صبا
۹۔ فضل الرحمٰن شاہد

۱۰۔ افضل اللہ افضل

۱۲۔ ذاکر محمد زخمی

۱۲۔ اقبال حیات ہون

۱۳۔ بابا فتح الدین

۱۴۔ سعادت حسین مخفی

کمیٹی برائے طعام

۱۔ عبدالکریم ژانگبازار

۲۔ خلیل الرحمٰن خلیل ژُغور

۳۔ صلاح الدین صالح

۴۔ محمد حاصل رضوی

۵۔ فیض اللہ خان

بک اسٹال کمیٹی

۱۔ عبدالولی خان خاموش کونشٹ

۲۔ صالح ولی آزاد کوغذی

۳۔ فیض الباری بیگال دروش

۴۔ امین الرحمٰن ضیاء کوغذی

۵۔ فیض اللہ خان

۶۔ امیر بیگ پلج

قرارداد کمیٹی

۱۔ شہزادہ عزیز الرحمٰن بیغش

۲۔ پروفیسر رحمت کریم بیگ

۳۔ ڈاکٹر عنایت اللہ فیضی

۴۔ مولانگاہ نگاہ

۵۔ محمد یوسف شہزاد

۶۔ محکم الدین محکم

۷۔

کمیٹی برائے نشر و اشاعت

۱۔ شہریار بیگ

۲۔ محکم الدین

۳۔ میاں محبوب علی شاہ کاکاخیل

۴۔ ظہیر الدین

۵۔ نور افضل

مالیاتی کمیٹی

۱۔ ڈاکٹر عنایت اللہ فیضی
۲۔ پروفیسر رحمت کریم بیگ
۳۔ امیر خان میر
۴۔ گل نواز خاکی
۵۔ محمد زاہدین زاہد
۶۔ تاج محمد فگار
۷۔ محمد عرفان عرفان
۸۔ محکم الدین محکم
۹۔ شیر نواز نسیم
۱۰۔ خلیل الرحمٰن خلیل
۱۱۔ فضل الرحمٰن شاہد

ثقافتی کمیٹی

۱۔ گل نواز خاکی
۲۔ مبارک خان مبارک
۳۔ چیئرمین شوکت علی
۴۔ بابا فتح الدین
۵۔ محمد ولی ہون
۶۔ عبدالجبار ہون
۷۔ شجاع الحق
۸۔ اقبال الدین سحر
۹۔ حاکم رحمت اکبر خان رحمت
۱۰۔ منور شاہ
۱۱۔ محکم الدین محکم

خطبہ استقبالیہ

امیر خان میر

جناب صدر، محترم مہمان خصوصی، مہمانان گرامی!

پاکستان کی گولڈن جوبلی کے حوالے سے انجمن ترقی کھوار چترال کے زیر اہتمام یہاں منعقد ہونے والے اس دو روزہ سمینار کی افتتاحی نشست میں آپ کو خوش آمدید کہنا میرا خوش گوار فریضہ ہے۔ بقول مختار مسعود یہ خوش بختی کا وہ جزیرہ ہے جہاں فرض منصبی اور خواہش قلبی کے دو بحیرے ملتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

آج سے پچاس سال پہلے ۳ جون ۱۹۴۷ء کو برصغیر میں ایک آزاد اور خود مختار مملکت کی حیثیت سے پاکستان کے قیام کا اعلان جہاں جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی آرزؤں کا مظہر تھا وہاں یہ خوش آئند اعلان وسطی ایشیا سے ملحق چترال کے مسلمانوں کے خوابوں کی تعبیر سے بھی تعلق رکھتا تھا۔ چترال بلاشبہ ڈھاکہ، بمبئی اور کراچی کی نسبت کاشغر، بخارا، سمرقند اور کابل کے زیادہ قریب تھا۔ مگر چترال کے مسلمانوں کی آواز بھی کوسوں دور ڈھاکہ، بمبئی اور کراچی کے لوگوں کی آواز میں شامل تھی۔ جنوبی ایشیا میں آزاد وطن کی حیثیت سے پاکستان کا قیام اہل چترال کا دیرینہ

خواب تھا۔ اس خواب کی تعبیر کے لئے انھوں نے اپنی آزاد خود مختار اور اسلامی ریاست کی قربانی دے کر پاکستان کے نام سے نئی صبح روشن کی تمنا کی، اور یہ تمنا پوری ہوئی تو چترال میں بھی چاٹگام حیدرآباد اور لاہور کی طرح جشن منایا گیا۔

حضرات! جون کا پہلا ہفتہ ایک سنگ میل ہے تحریک آزادی کی راہ میں۔ یہ سنگ میل اعلان آزادی اور منصوبہ تقسیم ہند کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس ہفتے تخت برطانیہ نے برصغیر پر دو سو سالہ اقتدار کے خاتمے اور اس ملک کی آزادی کے ساتھ اسے دو حصوں میں تقسیم کر کے پاکستان بنانے کا اعلان کیا۔ یہ دو قومی نظریئے کی پہلی فتح تھی اور یہ ہفتہ قیام پاکستان کی پہلی منزل کی حیثیت سے یادگار ہے۔

ہم نے اسی حوالے سے پاکستان کی گولڈن جوبلی تقریبات کے سلسلے میں اس سیمینار کے لئے جون کے پہلے ہفتے کا انتخاب کیا۔

حضرات! آزادی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ آزادی کے لئے برصغیر ہند و پاک کے مسلمانوں نے برطانیہ کی نو آبادیاتی دور میں بے پناہ قربانیاں دیں۔ یہ قربانیاں تاریخ کا حصہ ہیں۔ اس سیمینار میں تحریک پاکستان کی عمومی تاریخ کا پس منظر سامنے رکھتے ہوئے ہم نے کوشش کی ہے کہ چترال کی سابقہ ریاست کے اندر انگریزوں کی غلامی سے آزادی اور پاکستان کے ساتھ ریاست چترال کے الحاق کے لئے ہمارے نامور اسلاف اور اجداد نے جو

بیش بہا قربانیاں دیں ان کا اجمالی جائزہ پیش کرکے تحریک پاکستان کی تاریخ کے ایک باب کو منظرعام پر لایا جائے۔ یہ بے حد کٹھن اور صبرآزما کام تھا مگر اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ابھی تک چترال کی تحریک آزادی کے نامور کردار بقید حیات ہیں اور جو ہم سے جدا ہوئے ان کے اچھے اخلاف ہمارے درمیان موجود ہیں۔ ان کی مدد سے ہمارے محققین دانشوروں اور ادیبوں نے تحریک آزادی کی گم شدہ کڑیوں کو ملانے اور اَن کہی داستانوں کو زبان دینے کے لئے عرق ریزی سے کام لیا۔ ان کی تحقیقات مختلف مقالوں کی صورت میں سمینار کی مختلف نشستوں میں پیش کئے جائیں گے۔ ساتھ ساتھ تحریک پاکستان میں حصہ لینے والے بزرگ رہنماؤں کو مدعو کیا گیا ہے۔ وہ اپنے تأثرات میں اس تاریخی جدوجہد کا آنکھوں دیکھا حال سنائیں گے جو قیام پاکستان کے بعد دنیا کے سب سے بڑے اسلامی ملک کے ساتھ ریاست چترال کے الحاق کی صورت میں اپنی منزل سے ہمکنار ہوئی۔

اس سمینار میں پیش کئے گئے مقالات کا لُب لباب اور نچوڑ یہ ہے کہ پاکستان کی تاریخ میں چترال کو منفرد مقام حاصل ہے۔ یہ ہندوستان کی تمام ریاستوں میں پہلی ریاست تھی جس نے ۷، مئی ۱۹۴۷ء کو قیام پاکستان سے ۹ ہفتے پہلے

بیش بہا قربانیاں دیں ان کا اجمالی جائزہ پیش کرکے تحریک پاکستان کی تاریخ کے ایک باب کو منظرعام پر لایا جائے۔ یہ بے حد کٹھن اور صبرآزما کام تھا مگر اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ابھی تک چترال کی تحریک آزادی کے نامور کردار بقید حیات ہیں اور جو ہم سے جدا ہوئے ان کے اچھے اخلاف ہمارے درمیان موجود ہیں۔ ان کی مدد سے ہمارے محققین دانشوروں اور ادیبوں نے تحریک آزادی کی گم شدہ کڑیوں کو ملانے اور ان کہی داستانوں کو زبان دینے کے لئے عرق ریزی سے کام لیا۔ ان کی تحقیقات مختلف مقالوں کی صورت میں سیمینار کی مختلف نشستوں میں پیش کئے جائیں گے۔ ساتھ ساتھ تحریک پاکستان میں حصہ لینے والے بزرگ رہنماؤں کو مدعو کیا گیا ہے۔ وہ اپنے تاثرات میں اس تاریخی جدوجہد کا آنکھوں دیکھا حال سنائیں گے جو قیام پاکستان کے بعد دنیا کے سب سے بڑے اسلامی ملک کے ساتھ ریاست چترال کے الحاق کی صورت میں اپنی منزل سے ہمکنار ہوئی۔

اس سیمینار میں پیش کئے گئے مقالات کا لب لباب اور نچوڑ یہ ہے کہ پاکستان کی تاریخ میں چترال کو منفرد مقام حاصل ہے۔ یہ ہندوستان کی تمام ریاستوں میں پہلی ریاست تھی جس نے ۷ مئی ۱۹۴۷ء کو قیام پاکستان سے ۹ ہفتے پہلے

پاکستان کے ساتھ الحاق کا دو ٹوک اور غیر مشروط اعلان کیا۔ یہ واحد ریاست ہے جس کے حکمران اور عوام نے ملکر الحاق پاکستان کی راہ ہموار کی۔ یہ واحد ریاست ہے جس نے کسی سودے بازی اور کسی کشمکش کے بغیر الحاق پاکستان کا عندیہ دیا۔ ہمارے نامور اسلاف میں سب سے پہلے مہتر چترال، شاہی خاندان کے محب وطن زعماء عوامی سطح کے سرکردہ رہنما، علماء کرام، سیاسی اور سماجی کارکنوں سے لے کر جوشیلے نوجوانوں تک ہر فرد نے اپنی بساط سے بڑھ کر اپنا فرض ادا کیا۔ اور آج استحکام پاکستان کی جدوجہد میں بھی چترال کا ہر فرد وطن عزیز کے ہر شہری سے آگے ہے۔ حب الوطنی اور امن وسکون کی زندگی چترال کے ہر شہری کا طرۂ امتیاز ہے۔ اور ہم نے پاکستان کے ہر دور کے حکمران سے یہی تقاضا کیا ہے کہ ہمارے امن کی دولت ہمیں لوٹا دو۔

حضرات! آج کے اس سیمینار کی میزبان تنظیم انجمن ترقی کھوار علاقے کی ادیبوں، شاعروں، دانشوروں، فنکاروں صحافیوں اور قلمکاروں کی نمائندہ تنظیم ہے جو گذشتہ چالیس سالوں سے چترال کی زبان، تہذیب، ادب و ثقافت اور تاریخ کو تحفظ دینے اور اس کے مثبت پہلوؤں کو صحت مند سرگرمیوں کے ذریعے منظر عام پر لانے کے لئے کام کر رہی ہے۔ فروری ۱۹۵۶ء میں بانی صدر شہزادہ حسام الملک مرحوم کی صدارت

میں اس کا پہلا مشاعرہ اسی مقام پر منعقد ہوا جہاں چالیس سال بعد ہم پاکستان کی گولڈن جوبلی سیمینار کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ انجمن ترقی کھوار اپنے قیام سے اب تک ادبی و ثقافتی سرگرمیوں کے علاوہ چار علاقائی سیمینار اور دو بین الاقوامی کانفرنسیں منعقد کر چکی ہے۔ کھوار زبان و ادب اور چترال کی تہذیب و ثقافت پر انجمن کے زیر اہتمام اب تک اٹھارہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ہمارا سب سے بڑا کام اپنی مدد آپ کا جذبہ ہے جو سیمینار دوسرے شہر میں دس لاکھ روپے کے خرچ سے ہوتا ہے اس پر ہم چالیس ہزار روپے سے کم خرچ کرتے ہیں۔ جس کانفرنس کا بجٹ سرکاری حساب سے ایک کروڑ روپے ہوتا ہے اس پر ہم تین لاکھ سے بھی کم لگاتے۔ جو کتاب مارکیٹ میں ۱۰۰ روپے میں بکتی ہے ہم اسے بیس تیس روپے میں پیش کرتے ہیں۔ اس حوالے سے سادگی، کفایت شعاری اور غیر ترقیاتی اخراجات میں بچت کے موجودہ دور میں انجمن ترقی کھوار چترال کا کام سارے ملک کے سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے لئے ایک مثال ہے۔ پاکستان کی گولڈن جوبلی کے حوالے سے موجودہ سیمینار ہماری انہی کوششوں کا تسلسل ہے۔ جو ہم اپنے ماضی سے رشتہ جوڑتے ہوئے حال کو سنوار کر مستقبل کی طرف پیش رفت کرنے کے لئے کر رہے ہیں۔

انجمن ترقی کھوار جس صحت مند ادب کو فروغ دے رہی ہے اسلام اور پاکستان سے محبت اس ادب کے بنیادی ستون ہیں اور اپنی نئی نسل کو اپنے نامور اسلاف کے کارناموں سے آگاہ کرتے ہوئے اسلام کے ساتھ وابستگی، وطن کی محبت اور اپنے شاندار روایات کے ساتھ ذہنی لگاؤ کو فروغ دینا ہمارا مشن ہے۔

محترم صدر مجلس اور مہمان خصوصی خاص طور پر ہمارے شکریئے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات سے وقت نکال کر اس مجلس کو رونق بخشی۔

حضرات! ان الفاظ کے ساتھ میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

خطاب مہمان خصوصی

سابق صوبائی وزیر قادر نواز خان

محترم صدر اجلاس و معزز حاضرین! میں انجمن ترقی کھوار چترال کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ مجھے بطور مہمان خصوصی پاکستان گولڈن جوبلی سمینار میں مدعو کیا گیا۔

قائد اعظم محمد علی جناح کے زریں اصولوں میں سے ایک اصول وقت کی پابندی بھی ہے ہمارے ہاں وقت کی پابندی نہیں ہوتی ہے۔ قائد اعظم وائسرائے ہند یا کسی گورنر سے ملتے تو وقت مقررہ پر تشریف لے جاتے۔ قائد اعظم کو دیکھ کر لوگ اپنی گھڑیاں ملاتے تھے کہ میری گھڑی تو غلط نہیں۔

انیسویں صدی کے آخر میں کانگریس کا قیام ہوا اور بیسویں صدی کے آغاز میں مسلم لیگ بنا۔ ہندوؤں نے کانگریس پارٹی بنا کر انگریزوں کو یہ بتایا کہ یہاں دو قومیں ہیں انگریز اور ہندو حالانکہ تاریخ کے طالب علموں کو بخوبی معلوم ہے ہندوستان کی حکومت مسلمانوں سے چھینی گئی تھی ہندوؤں سے نہیں۔ کانگریس نے ہندوؤں کی آزادی کے لئے جدوجہد شروع کی۔ عام آدمی اس وقت محنت مزدوری میں

لگے ہوئے تھے اس بات کو نہیں سمجھتے تھے ۔ اس وقت جو بڑے بڑے دانشور تھے ان میں سے ہمارے مرحوم آغا خان سلطان محمد شاہ جیسے بیدار مغز شخصیت نے کہا ۔ ہم مسلمانوں کی جو طاقت تھی وہ ختم ہو گئی ہے ۔ یہاں جو آزادی ملے گی وہ ہندوں کو ملے گی اور ہم مسلمان غلام ہی رہیں گے ۔ لہٰذا انھوں نے جدو جہد شروع کی اس لئے انھوں نے ایک علیحدہ پارٹی بنانے پر زور دیا ۔ جب مسلم لیگ کا آغاز ہوا تو ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ میں آغا خان صاحب نے مسلم لیگ کی صدارت قبول کی ۔ ۱۹۱۲ء تک متواتر چھ سال مسلم لیگ کا صدر رہا ۔ پھر آہستہ آہستہ دوسرے دانشوروں کو بھی احساس ہونے لگا اور مسلم لیگ میں شامل ہونے لگے ۔ آغا خان صاحب سے مسلم لیگ پیدا ہوئی اور مسلم لیگ سے پاکستان پیدا ہوا ۔ قائد اعظم محمد علی جناح پہلے پہل ہندو مسلم اتحاد کے لئے کوشاں تھے ۔ بعد میں ان کو بھی جب احساس ہو گیا تو مسلم لیگ میں شامل ہوا ۔ قائد اعظم کے آباء و اجداد اصل میں پنجابی تھے ۔ کم و بیش تین سو سال پہلے پنجاب سے جا کے گجرات کھٹیاواڑ میں آباد ہوئے ۔ ان کا بود و باش، زبان سب کچھ بدل گیا ۔

تحریک آزادی میں چترال کا حصہ

ناصر الملک مرحوم :- یہاں چترال میں مسلم لیگ سے تعلق

رکھنے والی سب سے پہلی شخصیت محمد ناصرالملک والیٔ چترال تھے ۱۹۳۶ء
میں مہتر بنے ۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان پاس ہوگیا تو انھوں نے یہاں
قلعے کے صدر دروازے پر چاند تارے کا نشان بنوا کے لگوایا۔ اور
لوگوں کو بتایا تھا کہ اس چاند تارے کی حکومت آئے گی۔ وہ قائداعظم
کے ہمنشین اور ڈاکٹر اقبال کے ساتھی تھے۔ اپنی ولی عہدی کے دوران
ڈاکٹر اقبال سے بہت ملا کرتے تھے۔ مہتر چترال بننے کے بعد بھی
کئی دفعہ اقبال سے ملنے لاہور گئے۔

انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں ساری
دنیا میں آزادی کی لہر دوڑ رہی تھی۔ ہوچی منہ، ماؤزے تنگ سے لے
کر مصطفیٰ کمال، قائداعظم، گاندھی جی، جواہر لال نہرو یہ سب کے
سب اس دور میں پیدا ہوئے۔ مہتر ناصرالملک بھی اس دور کے
پیداوار تھے۔ وہ عالم اور فاضل تھے۔ میں ناصرالملک کو سب سے
پہلا انقلابی لیڈر مانتا ہوں

نورشاہدین مولانا

دوسرے نمبر پر یہاں کے مظالم کے
خلاف آواز اٹھانے والی شخصیت پہلی شخصیت مولانا صاحب
نورشاہدین تھے۔ مظالم کے خلاف ۱۹۱۷ء میں اس وادی میں آپ
کی آواز گونجی اس کے پاداش میں کئی دفعہ وہ قید ہوئے۔
ریاستی قید خانے سے فرار ہوکر دریائے چترال میں کود کر تیرتے

ہوئے کابل کے علاقے میں بحفاظت پہنچ گئے۔ پاکستان بننے
تک چترال میں مظالم کے خلاف کام کیا۔

محمد حسام الملک

شاہ ناصر الملک کا چھوٹا بھائی

محمد حسام الملک مرحوم کٹر کانگریسی تھے وہ لورالائی سے مجھے خط بھیجا
کرتے۔ ان کے خطوط اب بھی میرے پاس محفوظ ہیں۔ ہر ایک کا
اپنا نظریہ ہوتا ہے۔ بہر حال چترال میں تحریک آزادی میں ان کا
بہت حصہ ہے۔

بہر حال بڑی جدوجہد اور قربانیوں کے بعد ہم نے پاکستان حاصل
کیا۔ ہم یہاں مظالم کے خلاف کام کر رہے تھے اور آزادی کے جدو
جہد میں مصروف تھے۔ ہم نے ایک وفد لے کر چودھری خلیق الزمان
کے پاس گیا۔ انہیں بتایا کہ نہ ہم آپ سے چندہ مانگتے ہیں نہ
دولت مانگتے ہیں اور نہ فوج۔ صرف ہم پاکستان مسلم لیگ میں
شامل ہو کر جدوجہد کرنا چاہتے ہیں۔ وہ قائداعظم کا پرانا رفیق
آل پاکستان مسلم لیگ کا صدر اور بنیادی لیڈروں میں شامل تھے۔
سگریٹ کا کش لگا کر کہا' بھائیو! میں مجبور ہوں' میں آپ کو
پاکستان مسلم لیگ میں شامل نہیں کر سکتا۔ تو پھر ہم واپس آگئے۔ اس سے پہلے ہم خواجہ
شہاب الدین سے ملے تھے انہوں نے بھی انکار کیا تھا۔ ہم مجبوراً چترال مسلم لیگ کے نام سے مسلم لیگ بنایا
ہماری کوشش بار آور ہوئیں۔ آخر میں میں آپ سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

خطبہ صدارت

شہزادہ محی الدین، ایم این اے

جناب صدر انجمن ترقی کھوار امیر خان میر صاحب مہمان خصوصی قادر نواز صاحب و معزز سامعین! چونکہ انجمن ترقی کھوار چترال کے زیر اہتمام یہ تقریب منعقد ہوئی ہے۔ اس میں چند اشخاص کے علاوہ زیادہ تعداد چترالی بھائیوں کی ہے اس لئے میں اپنی تقریر کھوار زبان میں کرنا چاہتا ہوں۔

ترجمہ:۔ میں سب سے پہلے صدر انجمن ترقی کھوار اور انجمن کے عہدہ داروں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے پاکستان کے وجود میں آکر پچاس سال کے بعد گولڈن جوبلی کے نام سے سمینار منعقد کئے اور اس موقع پر اس محفل کے لئے بحیثیت صدر محفل میرا نام لے کر مجھے عزت بخشیں۔

جناب قادر نواز صاحب پاکستان کے وجود میں آنے اور اس کے لئے قربانیوں کا ذکر کیا اور ان قربانیوں کے نتیجے میں پاکستان کے حصول اور اس مناسبت سے مسلم لیگ کے قیام اور بعد میں مسلم لیگ کے لیڈروں کو دیکھ کر چترال کے لوگوں کو کس طرح آگاہی

حاصل ہوئی ان امور پر تفصیلی طور پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ان کو دھرانے کی ضرورت نہیں۔

جناب قائداعظم محمد علی جناح کے زیر قیادت مسلم لیگ نے انگریزوں کی غلامی سے ہمیں آزاد کرانے، ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ ملک اور حکومت کے قیام کے لئے جو قربانیاں دی تھی وہ اظہر من الشمس ہیں۔ مختلف مراحل پر مختلف طریقوں سے ہمارے بھائیوں بہنوں اور ماؤں کی قربانیوں کے نتیجے میں پاکستان وجود میں آگیا اس وقت کے چترال کے حکمران، علماء اور سفید پوش لوگ ریاستوں کو پاکستان میں ضم کرنے کے بارے میں پوری آگاہی رکھتے تھے اس لئے پاکستان وجود میں آنے کے بعد پاکستان کی مختلف ریاستیں شروع میں یا اس کے بعد پاکستان کے ساتھ الحاق کئے۔

جس طرح قادر نواز صاحب نے بتایا کہ اس وقت کے حکمران ناصرالملک مرحوم نے اپنے قلعے کے بیرونی دروازے پر پاکستان کے وجود میں آنے سے کئی سال پہلے چاند تارے کے آہنی نقوش نصب کئے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ناصرالملک ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ اور دور اندیش شخصیت تھے۔ انھوں نے پہلے سے یہ بھانپ لیا تھا کہ پاکستان کا جھنڈا چاند تارے کے نشان پر مبنی ہوگا۔ اس کے علاوہ ناصرالملک کا قائداعظم کے ساتھ رابطوں اور علامہ اقبال کے ساتھ نشستوں کا ذکر ہی انکی پہچان کے لئے

کافی ہے۔

ناصرالملک مرحوم پاکستان وجود میں آنے سے پہلے وفات پاچکے تھے مگراب جناب قادر نواز صاحب نے اس بات کی توثیق کی کہ چترال میں مسلم لیگ کی تحریک کی بنیاد سب سے پہلے جناب ناصرالملک نے رکھا تھا۔ جناب سالار صاحب اَیوں جو اس محفل میں موجود ہے' کے کہنے کے مطابق مسلم لیگ کا ٹکٹ سب سے پہلے چترال میں جناب مظفر الملک نے حاصل کیا تھا۔ چترال کے معززین کے مشورے پر جناب مظفرالملک والئ چترال کو تمام ریاستوں سے پہلے پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے کا شرف حاصل ہے کہ یہ فخر بھی اہل چترال کو حاصل ہے کہ جناب شہزادہ مطاع الملک' شہزادہ برہان الدین اور جناب سردار امان شاہ کے زیر قیادت اہالیان چترال نے تمام اہالیان ریاست سے پہلے جہاد کشمیر میں اہم کردار ادا کیے۔ اسکردو کو جو شمالی علاقہ جات میں اہمیت کا حامل ہے چترال کے جوانوں نے فتح کیا۔ ہم نے ان تمام قربانیوں کے نتیجے پر قائد اعظم کے زیر قیادت پاکستان حاصل کیا تھا۔ اب پاکستان کا گولڈن جوبلی کا دن ہے۔ پچاس سال گذر گئے۔ اس پچاس سالہ تاریخ پر اگر ایک نظر دوڑائی جائے تو ہمارے لیڈروں نے کوئی مثبت کردار ادا نہ کرسکے۔ ان پچاس سالوں کے دوران کوئی حکومت بھی جمہوری طور پر اپنا میعاد پورا نہ کرسکا ہے۔ حکومتیں آتی ہیں اور ٹوٹ جاتی ہیں ایک حکومت پالیسی

مرتب کرتی ہے اور اس پر کام شروع کرتی ہے۔ اس کی تکمیل سے پہلے ٹوٹ جاتی ہے تو دوسری حکومت آکر دوسری پالیسی مرتب کرتی ہے اس کو نامکمل چھوڑ کر چلی جاتی ہے۔ پھر مارشل لاؤں کا شکار ہوتا آیا ہے۔ ہمارے مقابلے میں ہندوستان میں کسی مخالف پارٹی کی سازش سے حکومتیں نہیں ٹوٹیں۔ ہندوستان ہمارے مقابلے میں غریب ملک ہونے کے باوجود اب زرعی اور اقتصادی لحاظ سے ہم سے آگے نکل چکا ہے۔ پاکستان میں حکومتیں بنیں، کوئی چھ مہینے کوئی دو سال اور کوئی تین سال تک بحال نہیں رہی۔ جب تک ہم عوام کے فیصلے کو قبول کر کے ایک حکومت کو اپنے دورانیے کو پورا کرنے کی مہلت نہیں دیں گے محض گولڈن جوبلی منانے سے ملک سنور نہیں سکتا۔ جب تک ہم ملک کے ساتھ محبت اور اس کی بقا کے لئے قربانی نہیں دیں گے ہمارے یہ زبانی تقریروں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔ یہ ملک قربانیوں کے نتیجے میں حاصل ہوا ہے مگر اب تک حکومتوں کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے ماؤں کے پیٹ میں پلنے والے بچے ۱۴۰۰۰ روپے کا قرضدار ہیں۔ بیرونی ممالک پاکستان کو قرضے دیکر ان پر پاکستان سے جو منافع حاصل کر رہے ہیں وہ پاکستان کے کل آمدن کے برابر ہیں۔ ہم یہاں مختلف پارٹیوں کی صورت میں ایک دوسرے سے مشت بہ گریبان ہیں اس کے بجائے اگر ہم پاکستان کی بقاء کے لئے کام کریں گے اور کرتے

تو آج پاکستان کی یہ حالت نہ ہوتی۔

یہاں جناب قادر نواز صاحب نے چترال میں آزادی کی تحریک اور سکول کے بارے میں جو کچھ کہا درست ہے کہ چترال میں ترقی کا سبب چترال کا ہائی سکول ہے جس کا سنگ بنیاد مہتر ناصرالملک نے رکھا اور سنگ بنیاد رکھتے ہوئے کہا کہ میں شاہی قلعے کے لیے ایٹم بم رکھا۔ یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ شاہی قلعہ کوئی گنہگار نہیں تھا اس قلعے میں ہونے والے مظالم جیسے تھنگی، اوتخ، بولی، اسیمنت وغیرہ کے نام سے رائج تھے۔ ان کے خاتمے کے لئے سکول بنا کر لوگوں میں شعور پیدا کرنا ہے۔ اس بات کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اس وقت ایک مہتر لوگوں پر ظلم ڈھا رہا تھا یا اکیلا ریاست کا نظم ونسق چلا رہا تھا۔ بلکہ اس وقت ایک نظام رائج تھا اس نظام میں منتظمین میزان شریعت، اتالیق، حاکم، براموش چارویلو اور چھاربو وغیرہ کے نام سے موسوم تھے۔ ان لوگوں نے اس علاقے کے لئے خدمات بھی انجام دیئے۔ سڑک بنائے، مسجد تعمیر کئے۔ جنگلات کا تحفظ کیا حتیٰ کہ چغانسرائے سے لے کر یارخون تک کے علاقے کی بونڈریوں کی حفاظت بھی کر رہے تھے۔ آمدن نہ ہونے کے برابر تھا۔ مذکورہ ناموں سے ٹیکس وصول کر کے نظام حکومت چلا رہے تھے ان کے بعد یہاں نئی تنظیم آئی۔ مہتر کے اختیارات پولیٹکل ایجنٹ کو تفویض ہوئے۔ ریاست ختم ہونے کے بعد پولیٹکل ایجنٹ

کے بجائے ڈپٹی کمشنر کا نام دیا گیا۔ اب نئی تنظیم میں مذکورہ عہدوں کے بجائے تحصیلدار، نائب تحصیلدار، ایس ڈی اے، اسسٹنٹ کمشنر ڈپٹی کمشنر، سول جج، سیشن جج، آگے جا کر ہائی کورٹ، سپریم کورٹ تک پہنچ گئے۔

اس وقت آزادی کے نام سے چترال کے گذشتہ حکمرانوں کے خلاف ایک آواز اٹھی اور اس وقت کے حکمرانوں کو ظالم ٹھہرایا گیا۔ یہ بات کوئی بھی وثوق سے نہیں کہہ سکتا ہے کہ یہ تمام مظالم اس وقت کے حکمران مہتر نے اکیلا کیا ہے۔ اگرچہ ان سے چند ایک ایسے واقعات ہوئے بھی ہوں گے مگر جس طرح اوپر ذکر کیا گیا کہ اس وقت ایک باضابطہ تنظیم تھی اگر کسی پر ظلم ہوا ہے تو اس تنظیم کے اہلکار اوپر سے نیچے تک سب اس میں شامل تھے۔ اکیلا مہتر چترال اس کا ذمہ دار نہیں تھا۔

چترال پر تقریباً تین سو سال کٹور خاندان کی حکمرانی رہی ہے اسی دوران کے مظالم کی توثیق کے لئے کل ہی دو نفر جوڈیشل کونسل میں جاکر فیصلہ جات کا بغور مطالعہ کر سکتے ہیں۔ یہاں وکلاء بھی موجود ہیں۔ کسی حکمران کا کوئی فیصلہ کونسل کے رپورٹ اور میزان شریعت کے رپورٹ کے بغیر اپنی خواہش کے مطابق نہیں ہوا ہے۔ اور جب آزادی کی لہر آئی تو جناب قادر نواز صاحب اور سالار صاحب اویون کے سوا ان مظالم کے خلاف آواز اٹھانے والے وہ لوگ تھے جو والیان چترال کے دور میں اہل کار تھے جو خود مظالم کے ذمہ دار

تھے۔ جب چترال میں انقلاب اٹھا تو جناب میر غیاث الدین صاحب انقلاب کا بانی تھا۔ جناب مفتاح الدین صاحب مسلم لیگ کے لیئے چندہ دہندہ تھے۔ دیوان بیگی زبردست خان صاحب، صاحب نگین چارویلو مستوج چندہ دہندوں میں شامل تھے۔ چارویلو مذکور اسی وقت مستوج میں چارویلی کے عہدے پر فائز تھے۔ شہزادہ صاحب مستوج کا رضاعی بھائی تھا اور مظالم کے خلاف الیکشن ہوا تو الیکشن میں حصہ لیکر کامیاب بھی وہی چارویلو صاحب ہوا۔ اسی طرح مسکور کے چھیر برار شجاع الملک کے رضاعی بھائی تھے وہ بھی گھڑ سوار ہوکر لیڈروں میں شامل ہوگیا اور لال صاحب حاکم مستوج تھے وہ بھی مظالم کے خلاف تحریک میں شامل ہوگیا۔ یعنی میرے کہنے کا مقصد یہ ہے جو لوگ والیان چترال کے ساتھ ملکر حکومت کررہے تھے یہی لوگ مظالم کے خلاف تحریک میں سرفہرست تھے۔ بہت کم لوگ خلوص کے ساتھ کام کیئے نہ صرف اس وقت کے حکومت میں شامل عام لوگ بلکہ شہزادہ حسام الملک نے مظالم چترال کے نام سے کتاب شائع کیا۔ شہزادہ صاحب اویون اور شہزادہ صاحب مستوج نے مہتران چترال کے خلاف تحریک چلائے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چترال کے لوگ ہوشیار اور محرک لوگ ہیں۔ اب ہمیں پاکستان کی خیرخواہی کے لیئے کوشاں رہنا چاہیے ایک دوسرے کو برداشت کرکے چترالی قوم کے لیئے خدمت کرنی چاہیے اور چترال کے مفادات کی خاطر تمام سیاسی پارٹیز سیاسی

اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر یکجہتی سے کام کرنا چاہیے تاکہ چترال ترقی کرسکے۔ سابقہ حکومتوں کے دوران میں نے چترال کے مفادات کی خاطر وزراء اعلیٰ سے بات چیت کرنے سے گریز نہیں کیا ہے۔ اب جو کہ ہماری حکومت ہے ہم سے جو بھی غلطی ہوجائے ہم سے بازپرس کریں، ہمیں بتائیں۔ مگر نکتہ چینی کرنے کے بجائے تنقید برائے تعمیر ہونا چاہیے۔

آخر میں، میں انجمن ترقی کھوار چترال کے صدر اور ممبران صاحبان کا شکریہ ادا کرتا ہوں انھوں نے اپنے محدود وسائل کے ساتھ اس سے پہلے دو دفعہ ہندوکُش کلچرل کانفرنس کے نام سے بین الاقوامی سیمینار منعقد کرلئے جو ایک مشکل نہیں بلکہ ناممکن کام تھا کیونکہ جرمن، فرانس اور یورپی ممالک سے ادیبوں کو دعوت دیکر ان کے لئے شیڈول کے مطابق پروگرام ترتیب دینا اور ان کی رہائش کا بندوبست کرکے سیمینار کو کامیاب بنانا ایک علاقائی ادبی انجمن کی بس کی بات نہ تھی۔ یہ انجمن چترالی قوم کی تہذیب تمدن، ثقافت ادب اور زبان کی ترقی کے لئے جو کام کر رہا ہے خدا ان کو مزید ترقی دے، ان کا حامی و ناصر ہو۔ ہمارے متعلق جو بھی خدمت ہو ہم تعاون کے لئے تیار ہیں۔

شکریہ

چترال میں جدوجہد آزادی کی تاریخ

محمد عرفان عرفان

برصغیر پاک وہند کی جدوجہد آزادی کی تاریخ ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک ۱۹۰ برسوں پر محیط ہے۔ اس جدوجہد میں چترال کے مسلمانوں نے بھی اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ چترال میں تحریک آزادی کا الگ پس منظر ہے۔ یہ قدرے طویل تر ہے۔ چونکہ چترال کے اکثر باشندے مختلف ادوار میں چترال کے شمالی اور مغربی دروں سے وسطی ایشیا کے مختلف علاقوں افغانستان، بدخشان اور واخان سے مظالم کے خلاف آواز بلند کرکے اس کے نتیجے میں ہجرت اور ترک وطن کرکے یہاں آکر آباد ہو گئے۔ اس وجہ سے اس علاقے کے لوگوں کی سرشت میں فکری آزادی کا عنصر فطری طور پر موجود اور مختلف ادوار میں کارفرما رہا ہے۔

چترال کی قدیم تاریخ پر اگر نظر دوڑائی جائے تو یہ علاقہ ساتویں صدی عیسوی کی ربع اول میں حکومت چین کا باجگذار تھا۔ یہاں کے لوگوں نے پہلی بار حکومت چین کے خلاف اس وقت آزادی کا نعرہ بلند کیا۔

چینی حکومت نے جدوجہد آزادی کے رہنماؤں کو پکڑ کر کاشغر کے ایک قلعے میں بند کر دیا۔ جب ان کی آزادی کا وقت آن پہنچا تو ان کو گائے کے کھال کے اوپر سے گذارا گیا۔ یہانتک کہ کھال پھٹ جانے تک لوگوں کو آزاد کر دیا گیا اور باقیماندہ لوگوں کو مزید قید مشقت کی سزائیں دی گئیں۔ اس کے بعد چترال سے خراج کے طور پر سالانہ جگنوؤں سے بھرا صندوق چین بھیجا جانے لگا۔

۶۴۳ء کو حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں اسلامی تحریک فاتح عربوں کے ساتھ شمالی آذر بائیجان میں داخل ہوئی تھی۔

۶۴۶ء تا ۶۵۷ء حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کے دوران مسلمان آگے بڑھے داغستان اور مغربی ترکستان میں داخل ہوئے۔ اس وقت مسلمانوں کا ایک دستہ چترال کے علاقہ تورکہو میں داخل ہوا۔ علاقے کے لوگ اسلام سے مشرف ہو گئے۔

۷۰۵ء سے ۷۱۵ء کے درمیان محمد بن قاسم، قتیبہ بن مسلم اور موسیٰ بن نصیر جیسے عظیم سپہ سالار گذرے ہیں جنھوں نے اسلامی حکومت کو چین سے یورپ تک وسیع کر دیا۔

۷۱۱ء ۷۱۵ء تک محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کر کے برصغیر کے لوگوں کو اسلام سے روشناس کرایا۔ اُسی دوران قتیبہ بن مسلم الباہلی کی کمان میں مسلم افواج دریائے آمو کو عبور کر کے اندرون ملک میں بڑھتی چلی گئیں، بیکند، بخارا، سمرقند، خوارزم فرغانہ

اور تاشقند فتح ہوگئے۔ خاقان چین اپنی سلطنت خطرے میں دیکھ کر صلح پر آمادہ ہوگئے۔ اس وقت چترال کا علاقہ بھی سلطنت چین میں شامل تھا۔

آٹھویں صدی کے نصف اول میں فاتحین اسلام نے ایران اور ترکستان پر مکمل قبضہ کرکے مشرق کی طرف آگے بڑھے۔ تو خاقان چین نے پہلے پہل والیان بلورستان، کوہستان، واخان اور شغنان کو بادشاہ کا لقب دیکر مسلمانوں کے خلاف صف آراء کیا۔ فاتحین اسلام چینی لشکر کو شکست دیکر آگے بڑھے۔ عرب فوج کا ایک دستہ بروغل کے راستے چترال میں داخل ہوگیا۔ دریائے یارخون کے ڈھلانے کھوتان لشٹ کے مقام پر بہمن کوہستانی کی فوج کیساتھ خونریز جنگ ہوئی۔ مسلمان یلغار کرتے ہوئے مڑ گول تک پہنچ گئے۔ بہمن کوہستانی مارا گیا۔ قلعہ مڑگول مسمار کردیا گیا۔ شمالی علاقے کے لوگوں نے فاتحین اسلام کے ہاتھوں اسلام قبول کرلیا۔ چونکہ اسلام ایک فطری دین ہے اور اسلام اپنی فطرت میں آزادی کا علمبردار ہے۔ اس لئے علاقے میں اسلام متعارف ہونے کی وجہ سے لوگوں میں سیاسی بیداری اور آزادی کا شعور پیدا ہوگیا۔

۱۰۰۰ء سے ۱۲۰۰ء تک چترال پر کالاشوں کی حکومت رہی چونکہ دیو مالائی مذہب کے پیروکار تھے۔ ان دو سو سالوں میں طاؤس ورباب کا دور دورہ رہا۔

۱۳۲۰ء اور ۱۵۹۵ء تک رئیسوں نے چترال پر حکومت کی جو کہ سچے مسلمان حکمران تھے۔ انھوں نے مختلف علاقوں میں قاضی مقرر کئے۔ مقدمات کے فیصلے قرآن و سنت کی روشنی میں کرائے۔ علماء کرام کی قدر دانی کی۔

۱۵۹۶ء سے ۱۷۶۱ء تک کٹور حکمرانوں نے اپنے پیشروؤں کی پیروی کیں۔ اسلامی اقدار کی فروغ کے لئے کام کئے۔ اس لئے یہ دور بھی امن و آشتی کا دور گردانا جاتا ہے۔

۱۷۶۱ء میں مہتر خیراللہ خوش وقتیئے مستوج، ورشگوم اور دریل تک کے علاقوں پر حکمرانی کر رہا تھا۔ اپنی حکومت کے دوران لوگوں پر قسم قسم کے مظالم ڈھلائے۔ شعائر اسلام کی کھلم کھلا بے حرمتی کرنے میں کوئی بھی کسر نہ اٹھا رکھی۔ نماز اور تلاوت کلام پاک کا مذاق اڑایا تو علاقہ موڑکہو اور تورکہو کے باشندوں نے ان کے خلاف آواز اٹھائی۔ یہ تحریک چترال کی جدوجہد آزادی کی ایک اہم کڑی ہے۔

جب خیراللہ مہتر کی حکومت مزید مضبوط ہو گئی تو ان لوگوں کے خلاف کاروائی شروع کی گئی۔ لوگوں پر ٹیکس اور جرمانے عائد کئے گئے اور لوگوں سے بلاعوض کام لینے لگا۔ جنکو، لولی، تھنگی، انگشیمت وغیرہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اگرچہ ۱۷۸۲ء کے بعد حکمرانوں نے بھی اس ظلم کو ان کیلئے

روا رکھا۔ پھر بھی امور حکمرانی جنگ اور دیگر علاقائی جھگڑوں اور مقدمات کے سلسلے میں شوراوی نظام رائج کیا گیا۔

ان حالات میں حکمران وقت مجلس شوریٰ سے رائے طلب کرتے حکمران وقت کی موقف کے حق میں رائے ہونے کی صورت میں رائے کے احترام میں خاموشی اختیار کی جاتی اور اس بات پر عمل ہوجاتا۔ اختلاف رائے کی صورت میں اہل شوریٰ اپنی تلواریں نیام سے باہر نکال لیتے تو حکمران وقت اپنی رائے کو واپس لے لیتے۔ یہ ایک جمہوری طرز عمل تھا۔ ان دنوں برصغیر کی تحریک آزادی کے پس منظر میں مسلمانوں کی تحریکیں اٹھ رہی تھیں۔ سید احمد شہید بریلوی نے پنجاب میں مسلمانوں کو سکھوں کی ظالمانہ حکومت سے آزاد کرانے کے لئے جہاد شروع کیا تھا۔ اس وقت چترال میں مہتر سلیمان شاہ حکمران تھے۔ سید احمد شہید بریلوی کی طرف سے ایک وفد اخوند محمد فیض غزنوی کی قیادت میں مہتر سلیمان شاہ کو ایک خط پہنچایا جس میں مہتر سلیمان شاہ کو کشمیر میں سکھوں کے خلاف جہاد کی دعوت دی گئی تھی۔ مہتر سلیمان شاہ اس دعوت کو قبول کرکے اس کے جواب میں سید احمد شہید کو لکھا "انشاء اللہ تعالیٰ ایں خادم سادات وعلماء وفقراء ہر وقتیکہ اعلام فرمایند در مقدمہ ملک مذکور (کشمیر) شریک میشوم کہ بہ مایان قریب است راہ اسپ بحدود کشمیر بہ مایان میسر است ہر خدمتے کہ برطرف کشمیر بودہ باشد

آمادہ ایم" اور انھیں مزید یقین دلایا کہ وہ یاسین کی جانب سے براستہ گلگت کشمیر پر یلغار کریگا۔ مزید ان کی خدمت میں نایاب تحفے بھی بھیجے

۱۸۲۷ء میں سلیمان شاہ کے بعد کٹور ثانی کی حکمرانی کے دوران سید احمد شہید کا ایک اور وفد جس کی قیادت میاں جی محیٔ الدین چشتی کر رہے تھے شاہ بخارا کے پاس جاتے ہوئے سید احمد شہید کا ایک مکتوب کٹور ثانی کو پہنچایا۔

اسی طرح سید احمد شہید کی تحریکی کوششوں کے نتیجے میں ۱۸۵۲ء کو مہتر گوہر امان خوشوقتے نے شاہ افضل ثانی سے کمک لیکر دو ہزار ڈوگرہ فوجیوں کو ان کے جنرل بھوپ سنگھ کے ساتھ تہہ تیغ کیا اور آئندہ کے لئے بھی علاقہ گلگت کو سکھوں کی ریشہ دوانیوں سے نجات دلایا۔

۱۸۸۵ء میں نائب السلطنت ہند کے وزارت خارجہ کے سکرٹری کرنل لاکہارٹ کے ساتھ کرنل ڈیورنڈ ڈاکٹر رابرٹسن اور کپتان ڈیوڈمن سفارت چترال پر آئے تو مہتر امان الملک کے ان کے ساتھ کافی گفت وشنید کے بعد حکومت سے وفاداری اور حکومت برطانیہ کی طرف سے چترال پر بیرونی حملوں کی صورت میں اپنی پوری طاقت کے ساتھ ان کی حفاظت کرنے کے معاہدے پر دونوں طرف سے دستخط ہوئے۔

اس معاہدے کی عبارت لارڈ کرزن نے اپنی خود نوشت میں ان

الفاظ میں لکھا ہے۔

I am eater of the salt of the english will serve them body and soul. should any enemy of their attempt to pass through this quarter I will hold the roads and passes with my lions girts until they sent me help.

اور مرزا محمد غفران اپنی فارسی تاریخ میں معاہدے کی عبارت ہو بہو درج کی ہے جو کہ یوں ہے۔

"بخدمت صاحبان والاشان سرکار انگریز بالمشافہ کرنل لاکہارٹ صاحب بہادر بدیں گونہ تحریری شود" کہ من خیر خواہ سرکار انگریز شدہ بدل وجان خدمات سرکار انگریز بجا آوردن میخواہیم روزیکہ از طرف کدام صوب خواہد نمود فوراً راہ ہائے کوتل ہا کہ مطلوب باشند درست خواہم داد وغیرہ وغیرہ"۔

پھر مرزا غفران لکھتے ہیں کہ مؤلف کتاب ہذا بوقت نوشتن عہدنامہ اگرچہ تقریر مہتر دکرنل بہادر طرز عمدہ و عبارات موزوں بود اما میجر حسن شاہ تحریر مطابق تقریر آوردن نتوانست و من موقع گفتگو نداشتم"

یعنی میجر حسن شاہ نے معاہدے کو توڑ مروڑ کر لکھا۔

اس معاہدے کا مثبت اثر یہ ہوا کہ ریاست چترال کا تعلق وسطی ایشیا کے علاقوں سے منقطع ہو کر برصغیر کے ساتھ استوار رہا۔ جو بعد میں ریاست چترال کو تحریک پاکستان میں براہ راست حصہ لینے میں

ممد ثابت ہوا۔

اس معاہدے کا منفی اثر یہ ہوا کہ انگریز اپنے معاہدوں کے پابند نہ رہے بلکہ آہستہ آہستہ ریاست چترال کے سیاہ و سفید کے مالک ہو گئے۔

اس منفی اثر کے نتیجے میں ایک خاموش تحریک ایک نادیدہ قوت کا روپ دھار کر تاریک رات کی خاموشی میں ساحل دریا کے ساتھ والی پگڈنڈیوں میں ایک مہیب آواز میں یہ کہتے ہوئے گذرنے لگی ؎

یہ دنیا جنزیر ہوئے ❖ شیطانٌ ملکہ حاضر ہوئے

اس کا مطلب کچھ یوں بنتا ہے۔ یہ وطن برباد ہو گیا۔ یہاں شیاطین وارد ہو گئے۔ یہ آواز سنکر سایہ وار درختوں کی چھاؤں میں سوئی ہوئی مائیں اپنے بچوں کو گود میں لے کر اپنے گھروں میں گھس جاتیں۔ لوگ کہتے یہ کوئی جن ہے یا اور کوئی مافوق الفطرت مخلوق کی آواز۔ بہرحال یہ اس وقت کے سادہ لوح لوگوں کا خیال تھا۔ ورنہ یہ نہ کوئی جن تھا نہ سایہ بلکہ مجاہدوں کی دل کی آواز تھی۔ آزادی کے علمبرداروں کی روح کی تڑپ تھی۔ اپنی ثقافت، تہذیب اور مذہب کے محافظوں کے جذبات کا عکاس تھا۔ کیونکہ اس وقت کے مقامی حکمران انگریزوں کے ہمنوا تھے۔ اس لئے انگریزوں کے خلاف کھل کر بات کرنا نہ صرف

ناممکن تھی بلکہ محال۔ اس لئے تحریک آزادی کے کارکنان رات کی تاریکی میں جنات کا روپ دھار کر لوگوں کے ذہنوں میں مکّار انگریزوں کے خلاف بات پہنچا رہے تھے۔

۲۔ جنوری ۱۸۹۵ء کے دن شہزادہ امیرالملک نے پہلی بار باقاعدہ طور پر انگریزوں کے خلاف آواز اٹھائی۔ صوبہ سرحد کی تاریخ میں شہزادہ امیرالملک کو حاجی صاحب ترنگ زئی کی تحریک کا ابتدائی نمائندہ تصور کیا جاتا ہے۔

ان دنوں افغان قوم نے انگریزوں کے خلاف آوازِ جہاد بلند کیا تھا۔ جب والئ جندول خان عمرا خان چترال پر حملہ کر کے قلعہ دروش پر قابض ہوگیا تو شہزادہ شیر افضل خان نے خان عمرا خان سے الحاق کیا۔

ان حالات میں کرنل رابرٹسن نے شیر افضل خان کو یہ لالچ دلانا چاہا کہ اہالیان چترال کی اکثریت کا میلان شیر افضل خان کی طرف ہونے کی صورت میں سرکار برطانیہ کے علم میں لا کر چترال کی حکومت ان کو حوالہ کیا جائے گا۔ مگر شیر افضل خان اس سے پہلے ۱۸۹۲ء کو بدخشان سے چترال پر جو حملہ کیا تھا، آج وہ شیر افضل خان نہیں تھا بلکہ انگریزوں کے خلاف جہاد پر کمر باندھ کر آیا ہوا تھا۔ کرنل رابرٹسن کو سخت الفاظ میں کہلا بھیجا " برطانوی افیسرز اور افواج چترال اور مستوج

کو خالی کر کے واپس چلے جائیں۔ دوسری صورت میں بزور شمشیر ان کو نکال دیا جائے گا۔" یہ چترال میں انگریزوں کے خلاف اٹھی ہوئی پہلی آواز تھی خواہ تاج و تخت کے لئے بھی کیوں نہ ہو۔

یہ جواب شہزادہ امیرالملک اور شیر افضل خان دونوں کی باہمی مشاورت سے دیا گیا تھا۔ اس وجہ سے رابرٹسن نے شہزادہ امیرالملک کو قلعے میں بلاکر گرفتار کر لیا۔ سرکاری تحویل میں نظر بند کر کے مدراس بھیجدیا۔ حکومت شجاع الملک کے حوالے کر دی گئی۔ اسی اثناء میں شیر افضل خان مجاہدین کی کمک کے ساتھ خورکشانڈہ میں مورچے سنبھال چکے تھے۔

۱۸۹۵ء کی تاریخی جنگ کا آغاز ہوا۔ اس جنگ کا نقشہ مرزا محمد غفران نے محاکات کھینچا ہے۔ بند ملاحظہ ہو۔

چو شعلہ ز بندوق جستی بیرون   تو گفتی جہاں سوخت یکسر کنون
چو لبس شعلہ جنگ بالا گرفت   فلک از تعجب تماشا گرفت
کشیدند شمشیر مردان نام   زمین گشت از خونہا لالہ فام

اس وقت سرکاری فوج کی قیادت پانچ برطانوی دوڈوگرہ اور پانچ چترالی آفیسرز کر رہے تھے۔ جبکہ شیر افضل خان کی لشکر اس دن لشکوہ کے منار سنگین علمائے کی قیادت میں لڑ رہی تھی۔ لشکر کے دو نامور پہلوان محمد عیسٰی خان اور دانیال بیگ میدان کار زار میں انگریزوں کے چھکے چھڑا رہے تھے۔ اس روز کی

جنگ میں ایک برطانوی افسر ایک ڈوگرہ جنرل باج سنگھ اور چالیس سپاہی کام آئے۔ آخر کار برطانوی فوج قلعہ چترال میں پناہ لینے پر مجبور ہوگئی۔ مجاہدین نے قلعے کا محاصرہ کیا۔ شیر افضل خان نے براوش میمون بیگ کے گھر میں اپنا پڑاؤ ڈالدیا جو اس وقت ڈپٹی کمشنر چترال کے دفتر کے احاطے میں شامل ہے۔

۱۸۹۵ء کی اس جنگ میں مذکورہ تاریخی محاصرے کے علاوہ ریشن میں سرکاری فوج کا محاصرہ ہوا اور دو برطانوی افسروں لفٹننٹ فولر اور لفٹننٹ ایڈوارڈز کو شیر افضل خان کے دستے کے مشہور جنرل محمد عیسیٰ خان نے پکڑ کر قیدی بنایا۔ قلعہ چترال میں آگ، سرنگ، جنگ کرڑک، جنگ کوراغ، جنگ چکول وخت اور جنگ نیسُر گول اس جنگ میں شامل ہیں جو کہ جدوجہد آزادی چترال کے اہم واقعات اور تاریخ چترال کے اہم ابواب ہیں۔

اس جنگ کا نقشہ شیر احمد کابلی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

سے چو صف زد دو لشکر بیک رزم گاہ — ہوا گشت در چشم مردم سیاہ
تفنگ از دو جانب بصد حرص از — بآتش فشانی دہان کردہ باز
زمانہ زلبس آتش افروز بود — تو گوئی قیامت ہمیں روز بود

اور اسی جنگ کا ایک حوالہ سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنی کتاب الجہاد فی الاسلام میں یوں بیان کیا ہے " ۱۸۹۹ء کی ہیگ کانفرنس میں برطانیہ نے سخت اصرار کیا کہ غیر مہذب اور وحشی قوموں

کے مقابلہ میں ڈم ڈم کی گولیاں استعمال کرنے کی اجازت ہونی چاہیے
لارڈ لینس ڈاؤن نے جو برطانیہ کی نمائندگی کر رہے تھے اپنی تقریر کے
دوران بڑے زور سے کہا تھا کہ ۱۸۹۵ء کی جنگ چترال میں معمولی
قسم کی گولیاں وحشی دشمن کے ہجوم کو روکنے میں ناکام ثابت ہوئی
ہیں اور ڈم ڈم کی گولیاں اُن لوگوں کو نقصان نہیں پہنچاتیں۔
برصغیر کی تحریک آزادی میں علی گڑھ کے بعد ندوۃ العلماء
دارالعلوم دیوبند، مدرسۃ الاسلام سندھ، اسلامیہ کالج پشاور
اور انجمن حمایت اسلام لاہور جیسے تعلیمی تحریکوں کا بڑا حصہ
رہا ہے۔ ان تحاریک کا پاکستان کے موجودہ صوبوں پر مختلف
قسم کے اثرات مرتب ہوئے ہیں جن کا ریاست چترال میں
جدوجہد آزادی کی تحریک پر بھی اثر رہا۔

علی گڑھ

سرسید احمد خان انگلستان سے واپس آکر
۱۸۷۵ء میں علی گڑھ کے مقام پر ایک سکول قائم کیا جو بعد میں
کالج بنا۔ جس کا اثر صوبہ سرحد پر یوں ہوا کہ اس تحریک کی وجہ
سے سرحد میں انجمن حمایت اسلام قائم ہوئی اور دارالعلوم اسلامیہ
پشاور کی بنیاد رکھی گئی جس نے سرحد کے مسلمانوں میں بیداری
اور شعور پیدا کیا۔ اس وقت صوبہ سرحد میں تعلیم کا فقدان تھا
جب علی گڑھ کالج بنا تو صوبہ سرحد سے اس وقت کل اٹھارہ

طالب علم علی گڑھ میں داخلہ لئے۔ جن میں ریاست چترال سے صرف ایک طالب علم غلام مصطفیٰ خان شامل تھے۔ اس وقت کالج کی سیاسی حالت کچھ یوں تھی۔ کالج میں ٹرسٹی گروپ اور محمد علی جوہر گروپ کے مابین سیاسی کشمکش تھی۔ جب مولوی مشتاق حسین نواب وقارالملک کالج کا سکرٹری بنا تو انھوں نے ٹرسٹی گروپ کے مقابلے میں محمد علی جوہر گروپ کی پشت پناہی کی۔ اس طرح وقارالملک کے دور میں یونیورسٹی کے قیام کی تحریک کو تقویت حاصل ہوئی۔ چترال کے غلام مصطفیٰ خان محمد علی جوہر گروپ کے طالب علموں میں شامل تھے۔ جب تعلیم سے فارغ ہوکر چترال آئے اور شجاع الملک کے سکرٹری مقرر ہوئے تو سب سے پہلا کام چترال میں تعلیم کی ترویج کے سلسلے میں شروع اور ۱۹۱۶ء تک شجاع الملک کے بچوں شہزادہ مظفر الملک، شہزادہ حسام الملک، شہزادہ خدیوالملک اور شہزادہ غازی الدین خان کی تعلیم و تربیت کا باقاعدہ ذمہ لیا ۱۹۱۶ء کو شہزادوں کی تعلیمی شوق دیکھ کر شجاع الملک نے اپنے بچوں سمیت دوسرے معتبرات کے بچوں کی تعلیم کا بھی باقاعدہ بندوبست کرایا۔

ندوۃ العلماء

۱۸۹۴ء کو سید محمد علی کانپوری نے علی گڑھ کالج اور دارالعلوم دیوبند کی خوبیوں کو یکجا کرکے ندوۃ العلماء کی

بنیاد رکھی ۱۹۰۱ء میں مولانا شبلی نعمانی نے ندوہ کا انتظام سنبھالا مسلسل نو سالوں تک ندوہ کی خدمت کی۔ اسی اثنار میں ندوۃ العلمار کی ایک مجلس منعقدہ میں شبلی نعمانی نے مسلمانوں کے عروج وزوال کی داستان "مسدس مدوجزر اسلام" کے نام سے پڑھ کر سنایا تو اسی مضمون کا ایک مسدس ریاست چترال سے لال معظم خان نے لکھ کر شبلی نعمانی کی خدمت میں ارسال کیا جس میں مسلمانوں کے عروج وزوال کا قصہ بیان کرکے مسلمانوں کو آگاہی کا درس دیا گیا تھا۔

شبلی نعمانی کے مسدس کا ایک بند بطور نمونہ ملاحظہ ہو۔

مرحبا اے حامیان دین احمد مرحبا ٭ آفرین اے راہروان جادۂ شرع ہدیٰ
کشتیٔ اسلام افتادہ است در بحر بلا ٭ ہاں قدم بردار و بردارید از بہر خدا

اندرین رہ با شما توفیق حقؒ آمد رفیق
زانکہ گویند اہلِ دل اوّل رفیق آنگہ طریق

تو لال معظم خان نے اپنے خیالات مسدس میں اسطرح سموئے

مرحبا اے حامیان دین ختم المرسلین ٭ خیر باد اے راہروان جادۂ شرع مبین
تیغ مردان برکشیدی آفرین صد آفرین ٭ اوفتاد از ہیبت تان لرزہ بر ماچین چین

چونکہ دین تیغ احمد گشت بیرون از غلاف
روشنائی یافت ظلمت ہر کجا بے اختلاف

دارالعلوم دیوبند

۱۸۶۷ء میں ضلع کانپور کے ایک چھوٹے سے مدرسے کو دارالعلوم کا درجہ دیکر اس میں اسلامی تعلیم کو عام کردیا گیا۔ اس کا مقصد پُرامن فضا میں حصول آزادی کے لئے جدوجہد کرنا تھا۔ اسی دوران یہاں چترال میں علماء کا ایک جماعت جو حضرت اخوند عبدالغفور سوات کے مریدوں پر مشتمل تھا نے چترال میں مظالم کے خلاف آواز اٹھائی۔ چترال میں دوسرے مقیم علماء اور صوفیاء جو غوثِ سوات کے سلک ارادت سے منسلک تھے، ملا صاحب عشریت، ملا عبدالغنی صاحب بروز اور دنین کے علماء نے بھی ان کی سرپرستی کی۔ موجودہ چیو پل کے قریب ریاسی علماء کے ساتھ افہام و تفہیم کے بعد ان کو چترال میں مظالم ختم کرنے کی یقین دہانی کراکر رخصت کئے گئے۔

۱۹۱۰ء کے بعد جب شیخ الحدیث مولوی عبدالحنان کاری دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوکر چترال آئے تو پہلی بار چترال میں بدعات کے خلاف آواز اٹھائی تو اس تحریک میں مولانا محمد فضل کریم دنین اور بعد میں مولانا عبداللہ اور نغچ نے بھی ان کے ساتھ دئیے۔

جب ۱۹۱۹ء میں افغانستان کے مجاہدین نے انگریزوں کے خلاف اعلان جہاد کیا تو مولوی عبدالحنان کاری کو اس کے گھر میں نظربند کردیا گیا تاکہ اہالیان چترال کو حکومت برطانیہ

کے خلاف جہاد پر آمادہ نہ کر سکے اور چترال میں ان کے دوسرے ہم خیال علماء پر بھی قدغن لگا دی گئی۔ اس کے بعد ہندوستان میں دیوبند کے علاوہ جامعہ نعمانیہ اور جامعہ آمینیہ کے جو علماء علم حاصل کر رہے تھے جنھوں نے حضرت مولانا امیر علی صاحب ترتیح کی قیادت میں "مظالم چترال" کے نام سے کتاب شائع کر کے جدوجہد آزادی کی تحریک چلائی۔ جن میں مولانا بدر الدین، اور مولانا محمد شریف وغیرہ شامل تھے۔

اس کے بعد چترال کی تحریک آزادی میں مولانا نور شاہدین کھمعن، مولوی محمد عقیل دنین، مولوی صاحب نظام ایون، مولوی جمروز بمبوریت، مولوی قلندر خان، مولوی نورالعین، مولوی عبداللہ تریچوی اور درویش مولوی محمد اشرف نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

اسلامیہ کالج پشاور

یکم اکتوبر ۱۹۱۶ء کو شجاع الملک کے بچوں کے علاوہ دوسرے معتبرات کے بچے مہتر جو عبدالصمد خان حبیب الاحمد خان، سلطان حسین خان، عبد الرحمٰن خان، غلام جعفر خان بہادر خان، محمد افضل خان نے سر محمد ناصر الملک کی سرکردگی میں اسلامیہ کالجیٹ سکول میں داخلہ لیا۔ یہ شخصیات بعد میں ریاست کے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔

سر محمد ناصر الملک

سر محمد ناصر الملک جب تعلیم سے فارغ ہوئے چترال آ کر تحریک آزادئ چترال میں نمایاں کارنامے انجام دیئے اور باقاعدہ طور پر عوام کو فکری آزادی کا درس دیا۔ چونکہ آپ ایک تعلیم یافتہ ہونے کے ناطے غلامی کے زنجیروں کو توڑنا چاہتے تھے۔

ایک دفعہ اپنے کمرے میں ٹہلتے ہوئے یہ شعر گنگنا رہے تھے۔

فرعونو ساری بو یان مہ خدوک ✤ موسوعون کہ بیسر مہ دیتھوک

یعنی وقت کے فرعون سے میرا خدشہ ہے۔ کاش میری لاٹھی بھی عصائے موسیٰ کی طرح کارگر ہوتا۔ خبر رساں نے یہ خبر شاہ شجاع الملک کو پہنچایا۔ شجاع الملک نے اس کی وضاحت طلب کی۔ ناصر الملک کی توجیح سے مطمئن نہ ہوا اور شہزادہ ناصر الملک سے ان کی آزاد خیالی پر سخت نالاں ہوگیا۔

جب ۱۳ر اکتوبر ۱۹۳۶ء کو محمد ناصر الملک نے ریاست چترال کا باگ سنبھالا تو ریاست میں پہلی بار آزادی کی لہر دوڑ گئی۔

کالام بشقار کا علاقہ قدیم الایام سے ریاست چترال کے تسلط میں میں تھا۔ علاقے کے لوگوں نے ایک وفد کی وساطت سے درخواست کی کہ والئ سوات ہر وقت کالام کے علاقے میں بے جا مداخلت کررہا ہے اور کالام کے لوگوں پر سختیاں کر رہا ہے۔ تو ولی چترال

سر محمد ناصر الملک نے دو سال کی مسلسل کوششوں کے بعد کوہستان کے لوگوں کو والیٔ سوات، دیر اور خود اپنے تسلط سے آزاد کرایا۔ لہ

۱۹۳۶ء کو سر محمد ناصر الملک نے خاص چترال میں اینگلو ورنیکلر سکول کی بنیاد رکھی۔ نیز صوبہ سرحد کے اندر سرکاری سکولوں کی مروّجہ نصاب کے مطابق تعلیم و تدریس کے لئے اساتذہ مقرر کئے۔

۱۷ ستمبر ۱۹۴۰ء میں سکول کو مڈل کا درجہ دیکر اس کا باقاعدہ طور پر افتتاح ہوا۔ اس وقت کے اساتذہ کرام میں محمد جناب شاہ صاحب پہلا اعلیٰ تعلیم یافتہ استاد تھے۔ جنہوں نے سکول کے پہلے منتظم کی حیثیت سے بچوں کو ذہنی، سماجی اور سیاسی آزادی کا درس دیا۔ اسی طرح لوگوں کے ذہنوں میں آزادی کا شعور آہستہ آہستہ اُجاگر ہونے لگا۔

۱۹۴۳ء میں شاہی قلعے کے صدر دروازے پر چاند تارے کا نقرئی نشان بلند مینار پر لگا کر ناصر الملک نے "یہ کہا" جو پاکستان

لہ دیر سوات اور چترال کے ریاستوں کے زیر تسلط کوہستان کے علاقوں کو آزاد کرانے کی جدوجہد سر محمد ناصر الملک کے کارناموں میں شامل ہے۔ جبکہ بعد میں آزاد شدہ علاقے میں سے متنازعہ فیہ کالام کا علاقہ محمد مظفر الملک نے فروخت کرکے چترال ہاؤس پشاور میں خرید لیا۔ بعض لوگ ان دونوں واقعات میں تمیز کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے ہیں

شود حاصل تُو نشان آن باشی"

محمد مظفر الملک

۲۹ ر جولائی ۱۹۴۳ء کو جب مظفر الملک نے ریاست کا باگ ڈور سنبھالا تو اس وقت برصغیر میں آزادی کی تحریک زوروں پر تھی۔ ۱۹۴۷ء کے ابتدائی ایام میں کپتان آغا سعدی خان چغتائی اور قاضی محمد وزیر کو اپنے خاص نمائندے کی حیثیت سے قائد اعظم محمد علی جناح کے پاس بھیجا۔ اور انہیں یقین دلایا کہ ریاست چترال کے لوگ قیام پاکستان کے لیے جانی و مالی قربانی دینے کے لئے تیار ہیں اور مبلغ چالیس ہزار روپے قائد اعظم کے پاکستان فنڈ میں بطور اعانت جمع کرایا۔ اور مزید پانچ ہزار دیار کے درختوں کا تحفہ بھی پیش کیا۔

مئی ۱۹۴۷ء کو حکومت ہند کے قبائلی ریاستوں کے سکرٹری مسٹر ایس بی شاہ کے ذریعے سرکاری طور پر والسرائے ہند کو مطلع کرایا کہ ریاست چترال پاکستان کے ساتھ الحاق کرے گی۔

جب ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرض وجود میں آیا تو محمد مظفر الملک نے اسی وقت تمام ریاستوں سے پہلے پاکستان میں شمولیت کا اعلان کر دیا اور نومبر ۱۹۴۷ء کو معاہدہ الحاق

پر باضابطہ دستخط ہوکر چترال میں جشن آزادی منایا گیا۔

حوالہ جات

(۱) الجہاد فی الاسلام از سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

(۲) تاریخ چترال فارسی از مرزا محمد غفران چترالی

(۳) تاریخ چترال اردو از لفٹننٹ غلام مرتضیٰ چترالی

(۴) سوئیٹر تیسری بین الاقوامی کانفرنس از ڈاکٹر عنایت اللہ فیضیؔ

(۵) تاریخ چترال اردو از منشی عزیزالدین

(۶) داخان از ڈاکٹر عنایت اللہ فیضیؔ

(۷) شاہ نامہ چترال از شیر احمد کابلی

(۸) آرٹیکل "چترال کا سفر" روزنامہ "آج" از ڈاکٹر عنایت اللہ فیضیؔ

(۹) دیوان اعظم از لال معظم خان اعظم

(۱۰) آرٹیکل یوم پاکستان اور چترال روزنامہ مشرق از ڈاکٹر عنایت اللہ فیضیؔ

(۱۱) خود نوشت از لارڈ کرزن وائسرائے ہند

(۱۲) لوک روایات

آزادی اور ادب و ثقافت کی ترقی

ڈاکٹر عنایت اللہ فیضی

آزادی اور ادب و ثقافت کی ترقی سے چترال میں ہماری مراد چترال میں ۱۹۴۷ء کے بعد کھوار ادب و ثقافت کی ترقی کا اجمالی جائزہ ہے۔ یہ گزشتہ ۵۰ سالوں میں کھوار ادب کے فروغ کے لئے ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں کی جدوجہد کے ساتھ ساتھ کھوار زبان سے وابستہ ثقافتی اقدار کے زوال کو روکنے میں اہل قلم احباب اور فنکاروں کی ناکامیوں کا بھی احاطہ کرتا ہے۔

کھوار کا روایتی ادب اور اس سے وابستہ ثقافتی اقدار چترال میں معلوم تاریخ کے تین ہزار سالوں سے سینہ بہ سینہ منتقل ہوکر قیام پاکستان کے زمانے تک محفوظ رہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد دنیا میں ذرائع رسل ورسائل ابلاغ عامہ اور جدید سہولیات نے جو انقلاب برپا کیا اس دور میں صدیوں پرانے روایات کا براہ راست مقابلہ مشینری سے ہوا۔ روایتیں پسپا ہوگئیں اور مشینیں آگے بڑھنے لگیں۔ چنانچہ زبان و ادب اور تہذیب و ثقافت

کو محفوظ کرنے کیلئے زبانی روایات کو تحریروں کی صورت میں منظر عام پر لانے کی ضرورت ہوئی۔ قیام پاکستان کے ساتھ والیٔ چترال ہز ہائی نس مظفر الملک نے چترال کی ریاست کے الحاق کا اعلان کیا۔ اس وقت چترال کے اندر سیاست اور معیشت و معاشرت کے میدانوں میں نئے دور کے تقاضوں کے مطابق کام کرنے کا بیڑا آزاد لوگوں نے اٹھایا۔ مگر آزادی کے فوراً بعد ادب و ثقافت کے میدان میں کام کرنے کا خیال اُس شخص کے دل میں پیدا ہوا جو آزادی کے وقت لورالائی جیل میں قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار تھا۔ تاریخ اس ہستی کو شہزادہ محمد حسام الملک کے نام سے جانتی ہے اور چترال میں ان کا نام "دروسو گورنر" زبان زد عام ہے۔ قید فرنگ اور قید حیات سے رہائی کے درمیان ۲۸ سال کا جو وقفہ تھا اسے موصوف نے کھوار ادب و ثقافت کی ترقی کے لئے وقف کیا۔

اس مقصد کے لئے انھوں نے تین سو سال پہلے اتالیق محمد شکور غریب کے دیوان کے اندر غزلیات کی صورت میں کھوار کی پہلی تحریروں کو سامنے رکھا۔ ڈی جے اوبریان، جان بڈالف لیٹنر، اور گریرسن کے قلم سے رومن/ انگریزی میں شائع شدہ نصف صدی پہلے کی تحریروں کا بھی مطالعہ کیا۔ بیسویں صدی میں ہز ہائی نس محمد ناصر الملک اور مرزا محمد غفران

شائع شدہ نصف صدی پہلے کی تحریروں کا بھی مقابلہ کیا۔ بیسویں صدی میں ہز ہائی نس محمد ناصر الملک اور مرزا محمد غفران کی کاوشوں سے ترتیب پانے والے کھوار حروفِ تہجی کے ساتھ پروفیسر مارگن سٹیرن کی تازہ ترین لسانیاتی تحقیق سے بھی استفادہ کیا۔ اور جب دیکھا کہ انفرادی کوششوں کا اثر بار آور نہیں ہوتا' تو ۱۹۵۶ء میں انجمن ترقی کھوار کی بنیاد رکھی۔ مرزا فردوس فردوسی میر غیاث الدین' لال امیر شریف خان' مولانا صاحب الزمان' بابا ایوب وزیر علی شاہ' قاضی صاحب نظام' مولانا باچہ خان ہماؔ انجمن کے بانیوں میں بہت نمایاں تھے۔ فروری ۱۹۵۷ء میں پبلک لائبریری چترال کے سبزہ زار میں انجمن کا پہلا باقاعدہ مشاعرہ ہوا۔[۱] ۱۹۶۲ء میں تاریخ چترال شائع ہوئی[۲]۔ ۱۹۶۰ کے عشرے میں کھوار زبان' ادب اور ثقافت کی ترقی کیلئے کئی نمایاں قدم اٹھائے گئے۔ سردار حزب اللہ خان[۳] کی سرپرستی میں باقاعدہ مشاعروں کی روایت قائم کی گئی۔

۷ر نومبر ۱۹۶۵ء کو ریڈیو پاکستان پشاور سے کھوار پروگرام کا آغاز

---

[۱] امیر خان ہنر کھوار کی ادبی انجمنیں ترچمیر ۱۹۸۰ء

[۲] مرزا محمد غفران نئی تاریخ چترال ۱۹۶۲ء

[۳] ایڈیشنل پولیٹکل ایجنٹ چترال ۶۵ - ۱۹۶۳ء

ہوا۔ ۱۵ مارچ ۱۹۶۸ء میں پھر انجمن ہی کی کوششوں سے ماہنامہ جمہور اسلام پشتو میں کھوار حصہ رکھا گیا اور جولائی ۱۹۶۹ء میں الگ ماہنامہ جمہور اسلام کھوار کا اجراء ہوا[۲]۔ یہ ریڈیو پروگرام کی طرح وزارت اطلاعات و نشریات کا ایک سرکاری رسالہ تھا اور اس کی پرلائے نام قیمت ۳ روپے سالانہ تھی۔ حکومت پاکستان نے اس سلسلے میں انجمن ترقی کھوار کی کوششوں کو جو پذیرائی بخشی اس میں شہزادہ حسام الملک کی شخصیت، سردار حزب اللہ خان اور قاضی سرور[۲] کی ہمدردانہ تجاویز کے علاوہ پاک بھارت جنگ پس پردہ عوامل اور چترال کی مخصوص جغرافیائی اہمیت کا بڑا ہاتھ تھا۔ خفیہ ایجنسیوں نے دہلی، سرینگر اور کابل میں چترال کے حوالے سے بعض زیر زمین منصوبوں کا بھی سراغ لگا لیا تھا۔ ۱۹۷۱ء میں تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند میں کھوار ادب کا بھرپور تعارف شائع ہوا۔ اسے پروفیسر اسرار الدین نے لکھا تھا[۳]۔

انجمن ترقی کھوار کے بانی شہزادہ حسام الملک نے اپنی ذاتی

---

[۱] ڈائریکٹر ٹرائبل پبلسٹی آرگنائزیشن وزارت اطلاعات حکومت پاکستان۔

[۲] جمہور اسلام کھوار ٹی پی او وزارت اطلاعات و نشریات

[۳] پروفیسر اسرار الدین کھوار ادب تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند ج ۱۴ حصہ دوم ۱۹۷۱ء

[۴] شہزادہ محمد حسام الملک کھوار قاعدہ ۱۹۶۱ء

کوششوں سے اس اثنا میں کھوار قاعدہ[1] اور نماز کی کتاب[2] شائع کی۔ چوتھی جماعت تک نصاب کی کھوار کتابیں تصنیف کیں اور پشتو اکیڈیمی کے تعاون سے کھوار گرائمر[3] شائع کرایا یہ شہزادہ صمصام الملک کی تالیف ہے۔

فروری ۱۹۶۵ء میں پشاور سے ہفت روزہ ترچمیر کا اجراء ہوا۔ مولانا محمد صاحب الزمان اس کے پبلشر و چیف ایڈیٹر تھے اور ولی زار خان ایڈیٹر تھے۔ ۱۹۶۵ء سے ۱۹۹۷ء تک کے دور میں کھوار ادب و ثقافت کو حکومت پاکستان کی سرپرستی میں فروغ پانے کے سنہرے مواقع حاصل ہوئے۔ ان مواقع سے فائدہ اٹھا کر ادب نے عروج اور ثقافت نے تنزل کا سفر کیا اگست ۱۹۷۷ء میں شہزادہ حسام الملک نے وفات پائی۔ دسمبر ۱۹۷۸ء میں غلام عمر کی سربراہی میں انجمن ترقی کھوار کی تنظیم نو کی گئی۔ ۱۹۸۲ء کے بعد انجمن ترقی کھوار کی مطبوعات کا دوسرا دور شروع ہوا۔ اس سلسلے کی پہلی کتاب لوک ورثہ کے تعاون سے اور انیسویں کتاب آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کے تعاون سے شائع ہوئی۔ سولہ کتابوں کو انجمن ترقی کھوار نے خود چترال سے شائع کیا۔

---

[1] شہزادہ محمد حسام الملک کھوار قاعدہ ۱۹۶۱ء
[2] " " نمیزو کتاب ۱۹۶۳ء
[3] صمصام الملک ۱۹۶۰ء

غلام عمر ۔	بابا سیر ۔	لوک ورثہ اسلام آباد	۱۹۸۲ء
غلام عمر ۔	چترال کی لوک کہانیاں ۔	لوک ورثہ اسلام آباد	۱۹۸۵ء
اسرار الدین پروفیسر ۔	چترال ایک تعارف ۔	انجمن ترقی کھوار چترال	۱۹۸۵ء
فردوس فردوسی مرزا ۔	فردوس فردوسی ۔	〃	۱۹۸۶ء
محمد عرفان ۔	آخرتو پوندی ۔	〃	۱۹۸۷ء
داؤد ۔	پھوپھوکان کتاب ۔	〃	۱۹۸۸ء
داؤد	کھوار متال	〃	۱۹۹۰ء
گل مراد خان حسرت ۔	آئینہ کھوار	〃	۱۹۸۸ء
〃 〃	کھوار ادب	〃	۱۹۸۹ء
〃 〃	سیمنار ۱۹۸۹ء	〃	۱۹۹۱ء
یوسف شہزاد ۔	افسانان کتاب	〃	۱۹۹۱ء
عنایت اللہ فیضی ۔	کھوار سیکھیے	〃	۱۹۸۸ء
حسام الملک شہزادہ ۔	خوان چترال	〃	۱۹۸۸ء
〃 〃	گلشن چترال	〃	۱۹۸۸ء
امیر خان میر ۔	ققنوز	〃	۱۹۸۸ء
عنایت اللہ فیضی ایڈیٹر ۔	کھوار	〃	۱۹۸۹ء
اسرار الدین ایڈیٹر	سوئیز	〃	۱۹۹۰ء
〃 〃	〃	〃	۱۹۹۵ء
ایلسنا بشیر	ہندوکش کلچرل کانفرنس	آکسفورڈ یونیورسٹی پریس	۱۹۹۶ء

۱۹۷۸ء میں چترال سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن نے پشاور یونیورسٹی سے ترچمیر کے نام سے ایک سالانہ مجلے کا اجراء کیا پروفیسر اسرار الدین اس کے چیف ایڈیٹر اور سید احمد بانی ایڈیٹر تھے[1]۔ اس کا نام ترچمیر رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ ہفت روزہ ترچمیر جنوری ۱۹۷۰ء میں بند ہوچکا تھا[2] سالانہ ترچمیر کی حیثیت سے ترچمیر کے چار شمارے شائع ہوئے۔ ۱۹۹۱ء کے بعد یہ سلسلہ بھی بند ہوا یا چراغوں میں روشنی نہ رہی۔ ۱۹۹۳ء میں ماہنامہ جمہور اسلام کھوار بھی محکمے کی اندرونی بدنظمی کا شکار ہوکر بند ہوا ۱۹۹۴ء میں چترال سے ہفت روزہ ہندوکش[3] کا اجرا ہوا اس میں بھی کھوار ادب کا حصہ رکھا گیا تھا بعد میں اسے ختم کیا گیا۔ اس کے پبلشر ونگ کمانڈر ریٹائرڈ فرداد علی شاہ اور ایڈیٹر محکم الدین ہیں مارچ ۱۹۹۷ء میں کراچی سے ماہنامہ شندور کا اجرا کیا گیا۔ اس میں بھی کھوار کا شعبہ رکھا گیا ہے اس کے چیف ایڈیٹر نوجوان صحافی محمد علی مجاہد ہیں[4]۔ ۱۹۹۷ء میں کراچی سے ایک اور اچھی خبر پاکستان کے سب سے بڑے شہر میں چترال کے چند

---

[1] اسرار الدین چیف ایڈیٹر مجلہ ترچمیر چترال سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن پشاور یونیورسٹی ۱۹۷۸ء

[2] معراج الدین ۱۹۹۲ صفحہ ۲۵

[3] فرداد علی شاہ / محکم الدین ہندوکش چترال

[4] محمد علی مجاہد شندور کراچی۔

دردمند نوجوانوں کی کوششوں سے رحمت عزیز جان کی سربراہی میں کھوار اکیڈیمی کا قیام ہے[1]

اس اثنار میں وفاقی دارالحکومت اسلام آباد میں قاری سید بزرگ شاہ الازہری نے قرآن پاک کا پہلا کھوار ترجمہ خود شائع کیا[2] جبکہ موصوف کی لکھی ہوئی نماز کی کتاب دعوۃ اکیڈیمی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی نے شائع کی[3]

کھوار ادب کے اس اجمالی جائزے میں نظم، نثر، ڈرامہ خطوط اور دیگر اصنافِ ادب پر ان تمام مذکورہ مطبوعات میں شائع شدہ مواد کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ آزادی کے بعد نصف صدی پر محیط عرصے میں کھوار نظم و نثر نے اپنی لبساط علاقے کے مخصوص حالات اور لکھنے والوں کی اوقات کے مطابق ترقی کی۔ اس دوران نثر اور نظم کی مختلف اصناف میں پہلی بار طبع آزمائی کی گئی۔ کھوار کو قلم کی زبان دی گئی باقاعدہ ضبط تحریر میں لایا گیا۔ کھوار ادیبوں اور شاعروں کی تخلیقات کو عربی رسم الخط میں

---

[1] رحمت عزیز خان چترالی گلدستہ رحمت مطبوعہ کھوار اکیڈیمی کراچی ۱۹۹۷ء

[2] سید بزرگ شاہ الازہری قاری۔ ترجمہ قرآن مجید اسلام آباد ۱۹۹۴ء

[3] 〃 〃 〃 〃 نیز دو کتاب دعوۃ اکیڈیمی اسلام آباد ۱۹۹۳ء

زیورِ طبع سے آراستہ کیا گیا اور ادبی و تخلیقی سرگرمیوں کو فروغ حاصل ہوا۔ عوام میں لسانی، ثقافتی اور ادبی و علمی بیداری کی لہر پیدا ہوئی۔ چنانچہ آزادی کے نصف صدی بعد سوانح نگاری تنقید، افسانہ نگاری، ناول نگاری، ڈرامہ نگاری، انشائیہ نگاری مضمون نویسی، خطوط نویسی، تجزیہ نگاری وغیرہ اصنافِ نثر کھوار میں بھرپور طریقے سے متعارف ہوئے۔ تاہم نثر کے مقابلے میں نظم کا پلہ بھاری رہا۔ نثر نگاروں کے مقابلے میں شعراء کی تعداد میں بہت اضافہ ہوا۔ نوجوانوں میں خاص طور پر ادبی رجحان زیادہ مقبول ہوا۔ سرد آہ بھرنے والوں کی کثرت ہوئی اور تخلص رکھنے والوں کی اتنی بھیڑ لگ گئی کہ تین تین شعراء کو ایک ہی تخلص پر گذارہ کرنا پڑا۔

کھوار شاعری میں آزادی کے ان پچاس سالوں کے اندر جو نئے رجحانات متعارف ہوئے ان میں معاشرتی خرابیوں سماجی ناانصافیوں اور حکمرانوں کی بدعنوانیوں کے خلاف مؤثر پیرائے میں آواز بلند کرنے کی روایت سب سے نمایاں ہے اصنافِ نظم میں حمد، نعت، منقبت، قصیدہ، رباعی، قطعہ مسدس، مثلث، مخمس، ترکیب، بند اور غزل کے میدانوں میں کھوار کے شعراء نے نئے رنگ جمائے۔ طرحی مشاعروں کا رواج ہوا۔ بعض موضوعات پر دو دو تین تین شعراء نے

جوابی نظمیں کہہ کر کھوار شاعری کی ایک قدیم مرکالماتی روایت کو زندہ کیا۔ اگرچہ ادب و ثقافت کا نام دو اکائیوں کو ظاہر کرتا ہے۔ مگر ثقافت میں ادب کو جزو اعظم کی حیثیت حاصل ہے تاہم معروف معنوں میں ثقافت سے رہن سہن، طرز معاشرت، لوک فنون اور خاص کر موسیقی مراد لی جاتی ہے۔ اس حوالے سے آزادی کے بعد ثقافت کی صورت حاصل کو حوصلہ افزا قرار نہیں دیا جاسکتا۔ لوک فنون میں صرف پولو کا کھیل سرکاری سرپرستی کی وجہ سے ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ باقی تمام روایتی کھیل اور فنون مشینی دور کے ہاتھوں معدوم ہوتے جارہے ہیں۔ لوک ورثہ نے جن فنون کا جائزہ اپنی مطبوعہ کتاب چترال میں پیش کیا ہے ان میں رسہ کشی، پہلوانی، تیراکی شکار کے قدیم طریقے، بوڈی دِک، بال بال موژی، جمدے قاضی دِک، نوغود گانیک، ٹوک سوری دِک، رُیح دِک یائیک دِک، شیر موئ بامپھوغار، پلئے دریک اور ان سے متعلقہ دیگر کھیل شامل ہیں[1] محمد چنگیز خان طریقی نے انچاس ایسے کھیلوں کا ذکر کیا ہے جو قدیم روایات میں ملتے ہیں مگراب معدوم ہورہے ہیں[2]۔ یہی حال طرز معاشرت اور

---

[1] عنایت اللہ فیضی چترال لوک اسلام آباد ۱۹۸۹ صفحہ ۱۶۷

[2] محمد چنگیز خان طریقی۔ چترال کے روایتی کھیل، ہندوکش کلچرل کانفرنس مطبوعہ اکسفورڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۹۶ء

رہن سہن کا ہے۔ وقت کے تقاضے بدلنے کے ساتھ رہن سہن کے اقدار بھی بدل رہے ہیں۔ قدیم زمانے میں گھر سے سفر پر نکلنے والا شخص مذہبی اور روحانی پیشوا کے پاس جاکر علم الاعداد اور علم نجوم کی مدد سے نیک و بد ساعتوں اور تاریخوں کا پتہ کرتا تھا اور اس روشنی میں سفر پر نکلنے کے لیئے دن، وقت وغیرہ مقرر اور تعین کرتا تھا۔ آج کا مسافر، مقدمے کی تاریخ دفتر میں حاضری اور گاڑیوں کی آمد و روانگی کے دن اور اوقات کا خیال رکھتا ہے۔ اپنے گاؤں کے مذہبی پیشوا کی رائے لینے سے گاؤں کے کسی ڈرائیور کی رائے لینا زیادہ مناسب سمجھتا ہے۔

ثقافت کا ایک اہم جزو موسیقی اگرچہ زمانے کی رفتار کے ساتھ مقبول ہے مگر ہماری موسیقی اب وہ روایتی موسیقی نہیں رہی جو اس علاقے کی تہذیب کا حصہ تھی۔ کہا جاتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند کی موسیقی بنگال[لہ] میں پیدا ہوئی تھی۔ ہندوستان میں جوان ہوئی اور پاکستان آکر مرگئی۔ اس پر قیاس کیا جائے تو چترال کی موسیقی یاسین میں پیدا ہوئی چترال آکر سنِ بلوغ کو پہنچی اور ریڈیو پاکستان کے سٹوڈیوز

لہ ذوالفقار علی شاہ کھوار مجلس تھیسس شعبہ صحافت پشاور یونیورسٹی ۱۹۹۲ء ص ۴۵

یں مرگ مفاجات سے دم توڑ گئی اور ایسی مری کہ نہ جنازہ اٹھا نہ مزار بنا۔

ریڈیو پاکستان کے بزرجمہروں نے کھوار روایتی سُر، تال اور آہنگ کو چھوڑ کر بے سرے، بے ڈھول اور بے ہنگم موسیقی ایجاد کی۔ "شور" کو "نغمہ" کہا اور "نوحے" کو "گیت" کا نام دیا۔ فنکاروں کو چھوڑ کر بے روزگاروں سے کام لیا۔ یہ روزگار کا روزگار بنتے بنتے موسیقی کی مٹی پلید ہوئی۔

شعر "ہم تو ڈوبے ہیں صنم تجھ کو بھی لے ڈوبیں گے" کی مثل صادق آئی۔ مگر سخت جانی دیکھئے کہ سرکاری سطح پر اتنی حوصلہ شکنی کے باوجود کھوار موسیقی اب بھی عوامی سطح پر زندہ ہے اور روایتی موسیقی کو چھوڑ کر نئی راہیں تلاش کرنے والوں کو زوال آرہا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آزادی کے بعد کھوار ادب و ثقافت وقت کے تھپیڑوں کا مقابلہ کرتے ہوئے آگے بڑھ رہی ہے۔ چترال سے باہر پورے ملک میں کھوار متعارف ہوئی۔ ۱۹۷۹ء میں پاکستانی اہل قلم کی جو ڈائریکٹری شائع ہوئی ہے اس میں کھوار کے کسی قلم کار کا ذکر نہیں تھا۔ ۱۹۹۵ء میں اس میں کھوار کے بھتّر ادیبوں، شاعروں اور فنکاروں کے کوائف دیئے گئے ہیں[۱]

---

[۱] نگہت سلیم پاکستانی اہل قلم کی ڈائریکٹری اکادمی ادبیات اسلام آباد ۱۹۹۵ء

اکادمی ادبیات اسلام آباد سے شائع ہونے والے سہ ماہی ادبیات نے تین سال پہلے پاکستانی زبانوں کا جو ادبی جائزہ شائع کیا اس میں چترال کے حوالے سے یہ اقتباس دیا گیا ہے۔

"کھوار صرف ماضی اور حال تک محدود نہیں بلکہ اس کا مستقبل بھی روشن ہے۔ شعراء نے ہجر و وصال اور شمع و پروانہ کو بھی ساتھ لے کر دردِ آگہی اور فکرِ فردا کی نئی منزلوں پر کمندیں ڈالنے کا آغاز کیا ہے جو آزادی کی بیش بہا نعمت کا ایک ثمر ہے"۔[لہ]

۱۹۷۵ء تک یہ حالت تھی کہ صوبہ سرحد میں "کھوار" کا صحیح تلفظ بہت کم لوگوں کو آتا تھا۔ گذشتہ بائیس سالوں میں کھوار کے ادیبوں شاعروں اور صحافیوں نے ذرائع ابلاغ سے اتنا کام لیا کہ اب خیبر سے کراچی اور کوہستان سے بولان تک کھوار کا ڈنکا بج رہا ہے پاکستان کی زبانوں میں کھوار کو ہر سطح پر اس کا مقام دینے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ "لسانیات پاکستان" پر اپنی تازہ ترین کتاب میں ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی نے کھوار کا الگ باب تحریر کر کے اس کی تاریخ، لسانی شناخت اور جدید دور کی ترقی کا ذکر کیا ہے۔ موصوف کھوار کے حال کا بیان ان الفاظ میں کرتا ہے:

لہ عنایت اللہ فیضی کھوار شاعری ۱۹۴۷ء کے بعد سہ ماہی ادبیات خزاں ۱۹۹۴ء ص ۲۱۳-۲۱۵

"کھوار میں لوک داستانوں اور لوک گیتوں کا ذخیرہ موجود ہے۔ موجودہ دور میں بھی کئی شعراء کھوار میں طبع آزمائی کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ نثر بھی لکھی جا رہی ہے"۔[۱]

تحقیقی کاموں کے علاوہ مظہر الاسلام کی کہانیوں اور نظموں میں مرزا محمد سیر، غلام عمر اور بابا ایوب کے حوالے سے کھوار زبان و ادب کا ذکر آتا ہے تو دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔[۲] یہ چند مثالیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ آزادی کے بعد نصف صدی پر محیط عرصے میں کھوار زبان و ادب پر اچھا دور آیا ہے۔ اس کا ماضی گہرے سمندر کی طرح تھا اس کا حال ہوا کے نرم جھونکوں سے مشابہت رکھتا ہے اور اس کا مستقبل آفتاب و ماہتاب کی کرنوں کی مانند روشن و تاباں ہوگا۔

> سفینہ برگِ گل بنا لے گا قافلہ مور ناتواں کا
> ہزار موجوں کی ہو کشاکش یہ دریا سے پار ہوگا

۱۔ ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی، لسانیات پاکستان، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد ۱۹۹۲ء صفحہ ۴۴۸۔

۲۔ مظہر الاسلام، اے خدا، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۲ء
" " خط میں پوسٹ کی ہوئی دوپہر، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۱ء
" " میں آپ اور وہ " " " " " ۱۹۹۰ء

خطاب مہمان خصوصی

قاضی صاحب نظام

جناب صدر انجمن ترقی کھوار و معزز حضرات!

برصغیر کی سیاست میں تحریک آزادی کے نتیجے میں ہندوستان کو تقسیم کرنے کے بعد ایک خوبصورت ملک دنیا کے نقشے میں ابھر کر سامنے آیا ہے۔ اس کا تصور پہلے ہی سے مسلمانوں کے ذہنوں میں نقش ہوچکا تھا۔ ہمارا لیڈر قائد اعظم مصمم ارادوں کا مالک ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح مضبوط انسان تھے۔ اپنے مطالبوں کو عمل میں لانے کے بہترین ذرائع کو بروئے کار لایا۔ تن من دھن کی قربانی دی۔

انگریزوں کے سامنے قائد اعظم نے مضبوط الفاظ کے ساتھ اپنا موقف بیان کرتے ہوئے انھیں بتایا کہ مسلمانوں کی ثقافت، زبان، نام، پروگرام، طریقہ عبودیت، رسم و رواج ہندؤں کے لئے ہرگز قبول نہیں۔ اسی طرح مسلمانوں کے لئے ہندؤں کے رسوم قابل قبول نہیں ہوں گے۔ مسلمان گائے کا گوشت حلال سمجھ کر کھا جاتا ہے جبکہ ہندو اس کو بھگوان مانتا ہے۔ لہذا

یہ دو قومیں ایک ساتھ نہیں رہ سکتیں۔ ہندوستان میں جب یونین جیک سرنگوں ہوگا اسی دن کے بعد ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کو برداشت نہیں کر سکیں گے۔ انگریزوں کے آنے سے پہلے یہاں مسلمانوں کی حکومت تھی۔ اس وقت مسلمان اقلیتوں کے حقوق کا پاس رکھتے تھے۔ اب جبکہ ہندوؤں کی حکومت ہوگی تو مسلمانوں کے حقوق کا پاس نہیں رکھیں گے۔ لہٰذا مسلمانوں کا حصہ علٰحدہ ہمیں دیکر پھر یہاں سے چلے جانا۔

قائد اعظم نے فرمایا۔ انگریزوں کے یہاں آنے سے پہلے آٹھ سو سال برصغیر پر مسلمانوں کی حکومت رہی تھی۔ انگریزوں نے یہ حکومت مسلمانوں سے چھین لی۔ اب جاتے ہوئے ہندوؤں کے حوالے کر کے جا رہے ہیں تو کم از کم برصغیر کے ایک گوشے میں مسلمانوں کے لئے ایک علٰحدہ وطن کا ٹکڑا نقشے میں چھوڑ کر جانا عین انصاف ہوگی تاکہ ہم بھی اپنی ثقافت، تہذیب و تمدن، مذہب اور رسم ورواج کے مطابق زندگی گذار سکیں جس کو ہم اسلامی تہذیب و ثقافت کہتے ہیں۔ اس بات کو منوانے کے لئے سخت جدوجہد کرنا پڑا۔ ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عصمتیں قربان ہو گئیں، نوجوانوں کے خون سے اس کی آبیاری ہوئی۔ پھر کہیں جاکر مملکت خداداد دنیا کے نقشے میں ابھر کر سامنے آئی۔ مگر افسوس پچاس سال

گذرنے کے بعد اب حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو مسلمانوں کی ثقافت، تہذیب و تمدن، رسوم سب ستیاناس ہوتے جا رہے ہیں۔ ٹی وی، وی سی آر، ڈش انٹینا پر آپ دیکھتے ہوں گے فحاشی، بے حیائی۔ دوسری قوموں کی تقلید کو ترقی اور آزادی کا نام دے کر مسلمان اپنی تہذیب اور ثقافت کو کس خوش اسلوبی سے ملیامیٹ کر رہا ہے۔

کسی زمانے میں روٹی کپڑا اور مکان کو انسان کی بنیادی ضرورت تسلیم کی جاتی تھی۔ اب روٹی کپڑا اور مکان کی اتنی بہتات ہوئی ہے کہ لوگ عیاشی کے آخری حدود کو چھو رہے ہیں۔ دوسری طرف وویلا ہو رہی ہے کہ مہنگائی اور غربت زیادہ ہے۔ میرے بھائیو! ایک زمانہ ایسا تھا کہ لوگ پیٹ بھر کر کھانے کو ترستے تھے مگر ان کی خالی پیٹوں میں ایمان بھرا ہوا تھا۔ اب پیٹ بھر گیا تو ایمان کے لئے جگہ ہی نہیں رہی۔ کیا خوب کہا تھا اقبالؒ نے

جسے نانِ جویں بخشی ہے تو نے
اُسے بازوئے حیدر بھی عطا کر

یہ بات آپ سب کو معلوم ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ خدا کی قسم دو دو دِنوں تک میرے گھر ہنڈیا نہیں جلائی جاتی تھی ہم بھوکوں سو جاتے۔

جنگ خندق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیٹ میں دو پتھر باندھے ہوئے تھے۔ یہ مسلمانوں کی تاریخ ہے ان کے ہاں روٹی کوئی مسئلہ نہیں تھا کپڑا کوئی بڑا مسئلہ نہیں تھا۔ بھوکوں میدان کارزار میں اترتے ایمان کی دولت سے مالا مال تھے اس لئے کامیاب ہو جاتے اب پیٹ اتنا بھر گیا ہے کہ ایمان کے لئے جگہ تک نہیں چھوڑی۔

ہمارے آباد اجداد کی تاریخ کا مطالعہ کر کے اب بھی یہودی لابی امریکہ، روس اور یورپی ممالک ہم سے خائف ہیں مسلمان جب بھی متحد ہوں گے ان کا خیر نہیں اس لئے اپنا سب کچھ دیگر مسلمانوں کے ایمان، ثقافت، تہذیب اور رسم و رواج کو بنیاد سے اکھاڑنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ہم اپنی شناخت کو بھول چکے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے خدا کو پہچانا چونکہ ہم اپنے آپ کو بھول چکے ہیں مذہب ڈھیلا پڑ گیا تہذیب ہم سے چھوٹ گئی اس لئے دن بہ دن ہم ذلیل و خوار ہوتے جا رہے ہیں۔

باقی چترال میں تحریک آزادی کی کوششوں کے بارے میں بات کرتے ہوئے یہاں ڈاکٹر صاحب فضل قیوم پر میری نظر پڑی جن کے والد صاحب نے چترال میں مسلم لیگ کی آبیاری کی ہے

یہ وہ لوگ ہیں جو چترالی قوم کو مظالم سے نجات دلوانے کی خاطر اپنی برادری کے شہزادوں اور حکمرانوں سے مخالفت کی دشمنیاں مول لیں، اپنی تن من دھن کی بازی لگائیں جس کے نتیجے میں آخر کار والیٔ چترال نے چترال کے پولو گراؤنڈ میں لوگوں کے ہجوم کو مخاطب کرکے کہا کہ میں چترال میں شریعت کے نفاذ کا اعلان کرتا ہوں تو اس وقت میں پہلا شخص تھا اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ تمہارے آباد اجداد کے زمانے سے یہاں میزان شریعت موجود ہے اب تمہیں اس کاغذ پر دستخط کرنا پڑے گا کہ چترال میں مکمل طور پر شریعت کا نفاذ ہوگا اور تمہارا کوئی اختیار نہیں چلے گا۔ انھوں نے دوسرے دن اپنے تمام اہل کاروں کو ساتھ لے کر اس کاغذ پر دستخط کیا۔ اختیارات پولیٹکل ایجنٹ کو سونپی گئیں۔ پاکستان بن کے پچاس سال گذر گئے مگر اب تک شریعت کے نام کو بھی کوئی نہیں لیتا یہاں تھوڑا کچھ جو تھا وہ بھی نہیں رہا۔ اب بھی ہمارا مطالبہ وہی ہے جو پاکستان بنتے وقت ہم نے شریعت کے نفاذ کے لئے کیا تھا۔

صدارتی خطبہ

ڈاکٹر فضل قیوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ صدر مجلس جناب قاضی نظام صاحب، صدر انجمن ترقی کھوار جناب امیر خان میر صاحب اور دیگر حضرات ! السلام علیکم ۔ سب سے پہلے میں انجمن ترقی کھوار کو ان کی اس کاوش پر کہ انھوں نے پاکستان کی گولڈن جوبلی تقریبات کے سلسلے میں انجمن کی طرف سے اس دو روزہ سیمینار کا اہتمام کیا اس پر انھیں خراج تحسین پیش کرتا ہوں اور انھیں مبارک باد دیتا ہوں ۔ اس کے بعد اس ناچیز کو اتنے بڑے اہم مجلس کی صدارت کے لئے مدعو کرنے پر ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ ہم نے اپنی آزادی کے پچاس سال پورے کئے اور ہمیں اب اپنا محاسبہ کرنا ہے کہ ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا ۔ اس طرح کی تقریبات میں ہمیں اپنے ماضی کی کوتاہیوں پر غور کرتے ہوئے آئندہ کے لئے اپنا لائحہ عمل مرتب کرنا چاہیے اور اس کے لئے ہمارے جو مقررین صاحبان ہیں وہ تحریک آزادی اور اس کے بعد کے واقعات اور فیوض و برکات کے بارے میں اپنے مقالات میں جن جن خیالات کا اظہار کرتے ہیں ان ہی کی روشنی میں ہمیں اپنا

لائحہ عمل مرتب کرنا ہے ۔ میری اس انجمن کے منتظمین سے یہ گذارش بھی ہوگی کہ اس سیمینار کے اختتام پر جتنے بھی مقالے پیش کئے جائیں اس کو اس طرح سے طباعت کے زیور سے آراستہ کرنے کا اہتمام بھی کرائیں ۔ اس کے علاوہ کوئی ایسی نشست ہونی چاہیے جس میں ان سارے مقالات کی روشنی میں لائحہ عمل ترتیب دیا جائے ۔

تحریک آزادی کے ضمن میں جو باتیں ہوئیں اس میں جناب محمد عرفان صاحب نے اپنے مقالے میں مفصل طور پر آزادی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی اور اس نے ریاست چترال کے عوام کی تحریک آزادی میں ان کے کردار کا بھی اس میں کچھ مواد پیش کیا جس طرح کہ انھوں نے کہا کہ تحریک آزادی کا آغاز ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد ہوا ۔ لیکن میرے نزدیک تحریک آزادی کا آغاز اس وقت ہوا جس طرح کہ ہمارے قائد اعظم محمد علی جناح نے بھی اپنے جس تقریر میں فرمایا کہ برصغیر میں تحریک آزادی کی ابتدا اس وقت ہوئی تھی جب برصغیر کا پہلا شخص مسلمان ہوا تھا ۔ لیکن تحریک آزادی اور تحریک پاکستان دو الگ الگ باتیں ہیں ۔

تحریک آزادی کے سلسلے میں برصغیر میں مختلف اداروں مختلف تنظیموں اور مختلف سیاسی پارٹیوں نے اپنا اپنا کردار

ادا کیا جس کی تفصیل جناب محمد عرفان نے اپنے مقالے میں بیان کی۔ لیکن مسلم لیگ کی تحریک اور پاکستان کے شروع ہونے تک ان سارے تحریکوں کا کوئی خاص سمت مقرر نہ ہوا۔ جب تحریک پاکستان شروع ہوا تو اس نے ہمیں ہماری تحریک کا ایک موڑ دیا اور اس کی ایک سمت مقرر ہوئی۔ اور ہمارے سامنے ایک منزل رکھ دیا۔ تحریک پاکستان جوکہ بعد میں مسلم لیگ کی تحریک کا ایک روح تھا جوکہ ۱۹۴۰ء کے قرارداد لاہور کے ساتھ ایک منظم جدوجہد کی شکل اختیار کر گئی تو یہ اس کے بعد تحریک آزادی پاکستان کی شکل اختیار کر لی۔ جہاں تک چترال کے عوام کے تحریک آزادی میں حصے کا تعلق ہے اس پر بھی جناب صاحب مضمون نے کافی تفصیل سے روشنی ڈالی جس طرح کہ انھوں نے فرمایا کہ چترال میں بھی تحریک آزادی کا آغاز صحیح معنوں میں اس وقت ہوا تھا جبکہ پہلی مرتبہ ہماری انگریزوں کے ساتھ چترال کے ہندوستان کے ساتھ تعلقات کے بارے میں ایک معاہدہ ہوا تھا لیکن چترال کے لوگ انگریزوں کے عزائم سے بے خبر نہیں تھے۔ اگرچہ بحالت مجبوری اس معاہدے پر دستخط بھی کئے گئے لیکن چترال کے عوام نے دل سے اس معاہدے کی کبھی حمایت نہیں کی جس طرح کہ بعد کے حالات نے ثابت کر دیا ۱۸۹۵ء کے حالات چترال میں پیدا ہو گئے تو چترال

کے عوام کھل کر انگریزوں کے مقابلے میں آ گئے اور نہایت کار ہائے نمایاں انجام دیئے اس کے بعد چترال کے عوام کی تحریک پاکستان اور تحریک آزادی میں شرکت اپنی اپنی جگہ جاری رہی اگرچہ چترال کی ریاست کے اندر وہ کھل کر اس کا اظہار نہ کر سکے لیکن چترال سے باہر رہنے والے چترال کے عوام نے اپنی ساری توانائیاں تحریک پاکستان کے ساتھ خاص کر اس کے ساتھ ساتھ چترال میں بھی اصلاحات نافذ کرنے پر اپنی توانائیاں مرکوز کیں۔ میں یہاں چترال کے ان حکمرانوں کو بھی خراج تحسین پیش کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انھوں نے بھی حالات کے رُخ کو محسوس کرتے ہوئے اخلاقی اور مالی طور پر تحریک پاکستان میں حصہ لیا اور مسلم لیگ کو ہر طرح سے اپنے تعاون کا یقین دلایا۔ اور جب پاکستان بنا تو چترال کو انھوں نے ریاستوں میں پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے والا سب سے پہلی ریاست بنانے کا اعزاز حاصل کر لیا۔ اس کے علاوہ دوسرے مقالے میں آزادی کے نتیجے میں چترال کی ادب اور ثقافت پر جو اثرات مرتب ہوئے اسمیں ترقی ہوئی۔ اس پر ڈاکٹر عنایت اللہ فیضی نے تفصیل سے روشنی ڈالی۔

آخر میں، میں آپ سب کا مشکور ہوں کہ آپ نے نہایت ہی توجہ سے میری معروضات کو سنا۔

تحریک آزادی میں چترال مسلم لیگ کا کردار

گل نواز خاکی

جناب صدر مجلس، لائق صد احترام مہمان خصوصی و معزز سامعین!

آزادی ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ اس انسانی حق کو اسلام نے بھی تسلیم کیا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے دنیا میں جہاں کہیں بھی کوئی کمزور قوم آباد ہے اسے کسی طاقتور ہمسائے نے اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ علامہ اقبال کے بقول ؏ "ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات" کے مصداق دنیا بھر میں کل بھی اور آج بھی کئی زیردست قومیں زبردست کے چنگل سے نکلنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ دنیا کے کسی حصے کی کسی بھی سلطنت میں حکمران وقت کے خلاف چھوٹے اور بڑے پیمانے پر آواز اٹھتی، ابھرتی اور دبتی رہتی ہے۔ برصغیر کی طرح سابق ریاست چترال کی تاریخ بھی حوادث و واقعات سے بھری پڑی ہے جس کے جائزے کا مختصر خاکہ بھی کئی صفحات پر پھیل جاتا ہے۔ طوالت سے بچتے ہوئے اختصار کے پیش نظر تحریک آزادی کے باب سے ضرورت کے اقتباسات پر ہی انحصار کرنا مناسب لگتا ہے۔

برصغیر کی ۳۶۲ غلام ریاستوں کی غلامی کی تحریک محض افسوسناک ہی نہیں شرمناک بھی ہے۔ خود برصغیر کے

نوابوں نے ذاتی اغراض کی خاطر ملک و قوم سے غداری کر کے انگریزوں کے ہاتھ مضبوط کئے۔ مختلف اوقات میں مختلف شخصیتوں نے ذاتی اغراض کے پیش نظر قوم سے غداری کی۔ انگریز اقتدار کی مضبوطی کا باعث اپنوں کی نامہربانیاں تھیں۔ ان ہی نامہربانیوں کی بدولت مسلمانوں کی سلطنت کی قوت دم توڑ چکی تھی۔ حقیقت حال آشکارا ہونے پر برصغیر کے کونے کونے میں عام بے چینی کے ساتھ اضطراب پھیل گیا۔ جابجا مخالفانہ تحاریک جاری ہو کر خفیہ خفیہ پھیلتی گئیں۔ آخر انقلاب کا یہ لاوا ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ کے فوجیوں کے غیر منظم پروگرام کے تحت انگریزوں کے خلاف، انگریزوں کے قبضہ سے ملک کو آزاد کرانے کی غرض سے عام بغاوت کا اعلان لئے پھٹ پڑا۔ تحریک آزادی کی ابتدائی جنگ میں مسلمان اور ہندو برابر کے شریک تھے۔ فرنگیوں کے خلاف اٹھنے والی اس تحریک کے ساتھ اپنوں کی ہمدردیاں شامل نہیں تھیں۔ ریاستی حکمرانوں نے انگریزوں کے خلاف اپنے ہم وطنوں سے تعاون کرنے کے بجائے انگریزوں کی مدد کی۔ تحریک تھوڑے ہی عرصہ میں دبا دی گئی۔ ناکامی کے بعد وہی ہوا جو عام طور پر کامیاب طاقتیں کرتی ہیں۔ جنگ آزادی کی تحریک چلانے والوں کو باغی قرار دیکر چن چن کر قتل کیا گیا۔ ہر گنہگار و بے گناہ

کو دھر لیا گیا جاگیریں و جائیدادیں ضبط کی گئیں۔ مال ومتاع لوٹ لئے گئے۔ سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں نے اٹھایا۔ مغلیہ دور کا آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر انقلاب کا مجرم قرار پایا۔ اس کی اولاد بے دریغ قتل کئے گئے۔ اسے رنگون جلا وطن کیا گیا اور وہیں کسم پُرسی کی حالت میں وفات پائی۔

برصغیر کے مسلمانوں کی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی انگریز اور گائے پجاریوں کی مشترکہ طاقت کے مقابلے میں عارضی ناکامی کے بعد غلام ملک کے کونے کونے میں جہاں جہاں مسلم گھرانے تھے بڑے بوڑھوں سے لے کر بچے بچے کی زبان پر تحریک آزادی کا ایک نعرہ موجیں مار رہا تھا ایک جذبہ موجزن تھا۔

چونکہ میرا موضوع " تحریک آزادی میں چترال مسلم لیگ کا کردار" ہے۔ اس پیچیدہ مسئلے پر ایک علمی بحث اور اپنی رائے کا اظہار میرے لئے ناممکن اگر نہیں مشکل ضرور ہے۔ کیونکہ لفظ آزادی اور اس کے حصول کے لئے جدوجہد اور برصغیر میں ابھرنے والی آزادی کی صداؤں کے ساتھ اپنی آواز ملانا اہل چترال کے لئے جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ اس نقطے پر میں آزادی کی تحریک کو برابر برابر حصّوں میں متعارف کرانا چاہوں گا۔ یہ کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں وقتی اور عارضی ناکامی کے بعد آزادی کے لئے ماسوائے چترال اور راؤلٹے سے اس

پار ہمسایہ ریاستوں کے ۔ برصغیر کے گوشے گوشے میں آزادی کی تحریک پہلے سے بھی زیادہ زور و شور سے چلی ۔ تحریک آزادی کی ان کوششوں میں چترال نے بھی حصول علم اور روزگار کے متلاشیوں کی جُستہ جُستہ سانسیں ۱۸۸۵ء کے بعد شامل نظر آتی ہیں ۔ مہاراجہ کشمیر کے توسط سے انگریزوں کے ساتھ ایک باضابطہ معاہدے کے بعد جیسی حکمران ریاست نے اپنے اقتدار کے تحفظ کی خاطر فرنگیوں کی بالادستی قبول کی کے ردّ عمل کے طور پر انقلاب پسند نوجوانوں کے دلوں میں جذبہ ایمانی جوش مارا ۔ اس تحریک کی لہر راؤ لیئے سے اس علاقے میں اس وقت پہنچی جب اس علاقے سے باہر دین دنیا کی تعلیم حاصل کرنے والے طلباء باہر کی دنیا کی رنگ و بو دیکھ کر واپس آئے لیکن کسی طرح کی سرپرستی نہ ہونے کی بناء پر ان طلباء کی تحاریک خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ کرسکیں ۔ پھر بھی ریاست میں وقفہ وقفہ کے بعد مختلف ناموں سے آوازیں اٹھتی رہیں ناکام ہوتی رہیں لیکن سرے سے ختم نہ ہوسکیں ۔

برصغیر میں تحریک آزادی کے ساتھ ہی اور تحریک مطالبہ پاکستان سے بہت ہی پہلے چترال میں ہونے والے ریاستی زیادتیوں کے خلاف اٹھنے والی تحاریک کا تذکرہ نہ کرنا ایک حد تک قدر ناشناسی ہوگی ۔ آخر کب تک اس واقعے پر پردہ ڈالتے ہی رہیں گے جو یارخون درباند کی جنگ کے بعد ریاست کے مختلف

حصوں سے آکر چمرکھوں میں جمع ہونے والے ان چالیس نوجوانوں کے جتھے کا ذکر نہ کرنا حقائق سے روگردانی اور تاریخ سے ناانصافی ہوگی. جنھوں نے غیر منظم طریقے سے ہنگامی بنیاد پر لب سڑک مہتر امان الملک کی تاک میں بیٹھے' اچانک ہلہ بول کر انھیں ختم کرنے کا منصوبہ بنائے رکھے۔ جن کے ایک لالچی ساتھی کا کھسک کر آگے بکرآباد جاکے مخبری کرنے پر وہ دستہ موقع پر گرفتار ہو کے امان الملک کے حکم سے سب کے سب ہلاک کر دیئے گئے۔ اسی حکمران کے دور کے ان جوشیلے طلباء کو کیسے بھلا سکتے ہیں جو پشاور سے آکر دو مرتبہ ریاستی مظالم کے خلاف آواز اٹھائے بغیر واپس چلے گئے تیسرے دفعہ حاجی فضل کریم صاحب کشم اور ملا صاحب عشریت کے زیر قیادت اپنے نیزوں جنجروں اور کلہاڑیوں سے مسلح ہوکر قلعہ چترال کے سامنے واقع دینین گاؤں تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔ ریاستی مظالم کے خلاف پہلی دفعہ انھوں نے شدت سے آواز اٹھائی۔ انھیں چیو پل سے آگے نہ آنے دیا گیا۔ محض زبانی وعدہ وعید و مصالحت سے انھیں ٹرخایا گیا۔ جسے ہم موقع پر آزادی پسندوں کا منہ بند کرنے کی کوشش کہہ سکتے ہیں۔

ریاست سے باہر کی دنیا دیکھتے ہوئے نوجوانوں کی ریاست میں ہونے والے غیر اسلامی تصرفات اور اختیارات کے بے جا استعمال کے خلاف یہ پہلی مشترکہ جذباتی کوشش تھی جو

چترال میں دشمان دوہو اول کے نام سے مشہور ہے۔

جس طرح برصغیر میں اس وقت بے شمار ناگفتہ حالات سے دوچار غیور مسلمانوں نے اپنی مالی وسائل کی کمی کے باوجود صرف اللہ پر توکل کرتے ہوئے انگریز آقا اور بھارتی درندوں سے ہر میدان میں مقابلے کی ٹھان لی تھی اسی طرح یہاں چترال میں بھی فرنگیوں سے مکمل آزادی کی یہ تحریک اگرچہ ۱۸۹۵ء میں وسائل کی کمی کے باعث دب گئی مگر آزادی کے متوالے اِس جذبے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بجھنے نہ دیا۔ تحریک آزادی کے ان پروانوں کو برصغیر میں باغی، غدار اور دشمن کے القاب سے نوازا گیا تو دوسری طرف یہاں چترال میں حریت کی تحریکوں کو بغاوت کا نام دیکر ان تحریکوں میں حصہ لینے والے حریت پسندوں کو شرپسند ناموں سے یاد کیا جا رہا تھا اور ان جیالوں کو نمک حرام اور باغی وغیرہ کا نام دیا جانے لگا تھا۔ دوسری طرف وہ لوگ بھی تھے جو اپنی اولاد، اپنے گھر بار اپنے مال و متاع اور ہر چیز سے بے خبر بے سروسامانی کی حالت میں نصرمن اللہ کا ہتھیار لئے فرنگی سامراجی فوج کے سامنے سینہ سپر ہو چکے تھے۔ ذلت اور غلامی کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دینے والا یہ گروہ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ کو سامنے رکھ کر میدان میں اترا تھا۔ وہ لوگ جانتے تھے کہ اس راہ میں قدم رکھنے والا شخص کبھی خسارے کا سودا نہیں کرتا۔

تحریک آزادی ۱۸۹۵ء کے جیالے سرفروشوں کے کارنامے زبان زد عام ہیں۔ آزادی کے متوالوں کی آواز کے ساتھ آواز اور قدم کے ساتھ قدم ملانا یا دل میں ارادہ کر لینا اتنا مشکل نہ تھا لیکن اس پر عمل کرنا دل گردے کی بات تھی" فرنگی دو ہو" انگریزوں کے للکار و یلغار کو روندنے کیلئے جنگ آزادی چترال ۱۸۹۵ء میں تن من دھن کی بازی لگانے والے ان سپوتوں کے پاس دیسی ساخت کی بندوقیں، لاٹھیاں اور ٹوٹی ہوئی خنجریں تھیں جو برطانوی جدید اسلحہ کے سامنے ریت کی دیوار کھڑی کرنے کے مترادف تھی اور ان رائفلوں کی بھی قلت تھی۔ فرنگی سامراج سے ٹکر لینے والے چترال کے یہ مٹھی بھر غازی و جانباز فرنگی اور اس کے اتحادی افواج کے مقابلے میں بالکل نہتے تھے ہر قسم کے جنگی ساز و سامان سے مسلح، جدید اسلحے سے لیس ہزاروں کی تعداد میں فرنگی افواج شندور اور راولپنڈی کی راہ سے چترال میں داخل ہوئے۔ اپریل ۱۸۹۵ء میں انگریز کی آمد اور ریاست کا انگریز تسلط میں جانے کے بعد چترال کی قبائلیت کو زبردست دھچکا لگا۔ خارجی معاملات سے بے فکر مقامی حکمران کی کم سنی سے ناجائز فائدہ اٹھانے والے مصاحبوں، درباریوں حواریوں اور بادشاہ گردوں نے داخلی امور میں اپنے ظلم و ستم دمن مانیوں میں روز بروز اضافہ کرنے کے ساتھ ساتھ

جائیدادوں کی ضبطی اور بندر بانٹ میں ایک دوسرے کو مات دینے کی کوشش میں جُت گئے۔ چترال کا انگریزوں کے تسلط میں چلے جانے کے بعد اہل چترال کی شخصی آزادی اور قبائیلیت سلب ہوئی۔ سنگینوں کی نوک پر مقامی آبادی سے قسم قسم کے جبری بیگار لیا جانے لگا۔ فرنگی کے قریب رہنے والے مفت خوری کے عادی ہوگئے۔ عوام کی حیثیت شہد پیدا کرنے والے مکھی کی ہوئی۔ لیکن اس کو کھانے والے مفت بھرے دوسرے تھے۔

جب ریاست چترال میں تخت شاہی پر قبضہ جمانے کے لئے کشمکش جاری تھی انگریز نے چند بااثر افراد کے ذریعے کمسن شہزادہ شجاع الملک کو زبانی ریاست چترال کا والی نامزد کرکے اختیارات پر قبضہ جما کر چترال کے قدیم صوبہ جات یاسین (ورشگوم، پنیال) اور مستوج کو دو الگ الگ حصے کرکے میتار ژاؤ بہادر خان کو گورنر مستوج مقرر کرکے فلاحی ادارے عوامی بیگار کے ذریعے تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ اور ڈاکٹر / تحصیلدار / پیر بخش کیلئے بلڈنگ وغیرہ کی تعمیر و مرمت بیگار پر جاری تھی کہ حاکم چپاڑی محمد اکبر خان نے عوامی بیگار کے خلاف ۱۹۰۵، ۱۹۰۷ میں پہلی دفعہ آواز بغاوت بلند کی جس کی پاداش میں بعد میں اپنے جاگیر سے ہاتھ

دھو بیٹھا۔ انگریز کے حکم پر یہ جاگیر اب تک خاندان خوشوقتے کے پاس ہے۔
جبری بیگار جو تہذیب کے نام پر تاریخ کی پیشانی
پر ایک شرمناک دھبّہ ہے۔ علاقائی حکمرانوں کا اہل کاروں
کے ذریعے مختلف ناموں سے لوٹنے کے بعد غریب کسانوں
کے پاس اتنا اناج بھی نہیں بچتا تھا کہ جس سے جسم وجان
کا رشتہ قائم رہ سکے۔ سوائے ہوا اور پانی کے ہر چیز پر
ٹیکس عائد تھا۔ دروش میں تو معمولی سے معمولی چیز یعنی ہن
چکیوں پر بھی ٹیکس لیا جارہا تھا اور ہر چیز پر متعدد قسم کے
ٹیکس عائد تھے۔ ٹیکسوں کا یہ سارا بوجھ مقامی آبادی کو ہی
برداشت کرنا پڑتا تھا۔ کلیدی عہدوں پر ایک ہی خاندان
کے چند افراد کی اجارہ داری تھی اور وہ لوگ بہ بانگ دہل
یہ کہہ رہے تھے کہ "اوپر آسمان خدا کا نیچے زمین ہماری ہے"۔

راولئی سے اس پار صرف ایک آقا کی غلامی سے نجات
حاصل کرنا چاہتے تھے جو کہ فرنگی اقتدار اور ہندو بالادستی کی
غلامی تھی۔ جبکہ چترال میں دوہری غلامی' فرنگی حکمرانوں کے
ساتھ مقامی حکمران کی غلامی تھی۔ یعنی غلام کی غلامی سے نجات
اور آزادی حاصل کرنے کی تحریک تھی۔ ارندو کے مرغزاروں
سے لے کر ۔بروغول' دوراہ اور سشندور کے کوہساروں تک
ایک ہی آواز تھی کہ مفت خوری' لوٹ کھسوٹ، غصب

ادتاخ، اُشیمت، اِشکار، افسنی باج، ادسیل، باج، بار برا
ہانُا، بولی، بیگار، تغلیم، ریچھی تغنیم، تھانگی، چشٹ، چھارُدم
رائے بیو، روسے بیزیمک، سوُرنگ، غاژییک، غاژییکوچشٹ
غلامی، قیمت والی، قُش، کیسروالی، کوژدُ اِشکار، کوژدُ اِشکاروچشٹ
کھوشون بُو، کھوشون بولی، نوغور والی، ہنڈال لبشو، ہتار بُسی
حاکم بُسی، خلفہ بُسی، قاضی بُسی، چاروِیلو بُسی، ملک بُسی، چھار بوبُسی
ارباب بُسی، پیرشکار بُسی، مہرام بُسی، ہتاری ڈِق بُسی، درخان بُسی
اور زکوٰۃ و عُشر کے ناجائز مصرف کے نیز روز روز کے نت
نئے ظلم و ستم سے ہر طرح کی آزادی کی ایک ہی صدائے بازگشت
سنائی دے رہی تھی، ایک ہی آواز گونج رہی تھی۔

امان الملک کی رحلت کے بعد ۱۸۹۲ء کا "گرزندہ بولی"
جو دور شیر افضل کے نام سے زیادہ مشہور ہے جنھوں نے کل
۲۸ دن حکومت کی، فرنگیوں ہی کی طاقت اور امداد سے انہیں
چترال سے پسپا ہوکر دوبارہ جلاوطن ہونے پر مجبور کیا گیا۔
جنھیں ملک کے اکثر شرفاء ہی نے امان الملک کے بیٹوں
کی دست درازیوں اور زیادتیوں سے تنگ آکر قاصد بھیجکر
بدخشان کے بارک سے بلوائے تھے۔ ۱۸۹۵ء کے فرنگی دد ہو
کے خلاف غازی شیر افضل خان کی قیادت میں علاقائی
مخالفین کا یکجا ہونا جن میں امان الملک مرحوم کا نواسہ اور

داماد خان جندول عمرا خان کا جو بظاہر انگریز مخالف، لیکن پسِ پردہ فرنگیوں کا آلۂ کار اور راز داں کی حیثیت سے فروری کے مہینے میں راوُلئی کی راہ سے چترال میں داخل ہونا، مہتر شیر افضل خان کا فرنگیوں کی سرپرستی میں ریاست کی حکمرانی کو حقارت سے ٹھکرانا، آزادی کی اس جنگ کا مختصر سا تذکرہ گذشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔ انگریزوں کے حملے کے خلاف ان تمام مقامی و بیرونی یکجا شدہ متحارب قوتوں کو ڈیڑھ دو ماہ کی شدید مقابلوں کے بعد ایک بار پھر ناکامی سے دوچار ہونا پڑا۔

ایک اور تحریک جسے خاموش تحریک کا نام دیا جاتا ہے، اس وقت چلی جب علی گڑھ سے پہلا چترالی فارغ التحصیل گریجویٹ مرزا غلام مصطفیٰ ۱۹۱۰ء کو وطن واپس آیا جو ماسوائے محمد ناصر الملک کے حکمران ریاست کے دوسرے چار بیٹوں کو چلتے پھرتے مدرسوں میں اردو، فارسی، عربی اور انگریزی کی تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ مہتر شجاع الملک کا اے ڈی سی کے فرائض بھی انجام دینے لگا جس نے بیک وقت مولانا نور شاہدین اور مولانا عبدالحنان کاری سے مناسب موقعوں پر تحریک کی آواز عوام تک پہنچانے کے لئے برابر رابطہ قائم رکھا۔ جسمیں ان کے ساتھ شہزادہ محمد ناصر الملک کی رائے و آواز شامل تھی۔ شہزادوں کا دوسرے معتبرات کے بچوں کے ساتھ اسلامیہ کالجیٹ سکول پشاور میں داخلے کے

بعد بعض ریاستی امور و معاملات میں مہتر کا اپنے سکرٹری سے اختلاف و تکرار روز کا معمول بن گیا۔ ایسی باتوں کے دوران ایک مرتبہ حکمران ریاست نے آپے سے باہر ہو کے کہا کہ تم نے میرے بیٹے ناصر الملک کو غلط راہ پر ڈالا ہے۔ تمہاری تربیت سے وہ خود سر ہونے لگا ہے۔ جس کی زبان سے آزادی و آزادی کی باتیں اکثر زبانے سنتا ہوں۔ آئندہ اس قسم کی حرکتوں سے باز رہنے کو کہا۔

خاموش تحریک کا یہ سلسلہ ۱۹۲۴ء تک جاری رہا۔ اسی سال فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے جاتے ہوئے والی ریاست کا وائسرائے سے رخصتی ملاقات سے قبل، سیکرٹریوں کی ملاقات میں ہز ہائی نس کا پشاور سے دہلی تک ملنے والوں میں بڑے فراخدلی سے کثیر رقم تقسیم کرنے اور ریاست کی آمدن سے متعلق استفسار پر جس کی اطلاع پہلے ہی وائسرائے کو ہو ئی تھی، سیکرٹری ریاست نے سیکرٹری ہند سے حقیقت کو چھپا نہ سکا اور ریاست کی آمدن کی مدات کے بارے صاف صاف بتا دیا کہ ریاست میں ٹیکس کے درجنوں ایسے مدات ہیں جو وہاں کے نادار لوگوں سے گھرانوں کے حساب سے جبری طور پر سختی سے وصول کئے جاتے ہیں۔ اس کے فوراً بعد ہز ہائی نس کا وائسرائے سے مل کے واپس آتے ہی اپنے سیکرٹری پر برس پڑنا، اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ دوران ملاقات دوسری باتوں کے علاوہ وائسرائے کا ان سے دوران

سفر دولت کی بے جا تقسیم سے متعلق پوچھنا ناگوار گذرا تھا۔ سیکرٹری سے تکرار اس حد تک پہنچی قریب تھا کہ انہیں راستے ہی سے واپس کردے۔ برہمی کے عالم میں والی ریاست غلام مصطفیٰ کو چترال واپس بھیجنے پر تلا ہوا تھا تاہم بعض مجبوریوں کی بناء اور ہمراہی مصاحبوں کے کہنے پر ایسا نہ کر پایا۔ پھر بھی چترال واپسی پر ان کے ساتھ دیکھنے کی دھمکیاں بڑے زور سے ہوئیں۔ باوجود اس کے غلام مصطفیٰ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کہ" میں مدینہ سے واپسی کا ارادہ کب رکھتا ہوں"... مناسک حج ادا کرتے ہوئے مکہ معظمہ میں وفات پائی۔

۲۰۔ ۱۹۱۹ء کے دوران برصغیر میں تحریک ترک موالات جو عموماً عدم تعاون کا دور کہلاتا ہے، علی برادران کی ایماء پر ان دنوں بڑے زوروں سے چل رہی تھی جس سے متأثر ہو کر اسلامیہ کالجیٹ سکول پشاور کے ساتویں کا طالب علم مرزا غلام جعفر نے اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ ہجرت کی۔ فرنگیوں کی ایماء پر سوات سے پکڑا گیا۔ چترال واپس لایا جاکر عرصہ دو سال تک نظربند اور پڑھائی سے معطل رکھا گیا۔ کیونکہ ان کی ہجرت جیسی حرکت کا براہ راست اثر حکمران ریاست پر فرنگی آقاؤں کی ناراضگی کی صورت میں پڑا تھا۔

۱۹۱۷ء میں مستوج کے علاقہ چوئنج کے سید بلبل شاہ کے

تحریک جو انگریزوں اور ریاستی حکمران کے خلاف علاقائی سطح پر ایک عوامی تحریک تھی جسے اہلیان ورشگوم، اِشکومن، گوپس پنیال، یاسین اور داریل و تنگیر وغیرہ کی بھی بھرپور حمایت حاصل تھی، کو انگریزوں ہی کی بل بوتے ناکام بنادیا گیا۔ اسی طرح اسی حکمران ریاست کے خلاف ۱۹۲۶ء میں میتار ژاوان کیسو شیئی دَبک، پٹھے اور رضا خیل لالان دروش وغیرہ کی مشترکہ تحریک جسے عوام کی حمایت حاصل نہ ہوسکی، کو بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ریاست میں بہتر جاسوسی نظام کی بدولت تحریک کے سارے سرکردہ پکڑے گئے جن کا مطالبہ تھا کہ ہمیں عام رعایا کے ساتھ ایک ہی لاٹھی سے نہ ہانکا جائے۔ عوامی زمرے میں شامل کرنا وہ اپنی توہین سمجھتے تھے۔ حکمران خاندان کے قریبی شاخوں سے ہونے کے ناطے وہ اپنے لئے انتظامیہ میں اور دوسرے شعبوں میں زیادہ سے زیادہ امور مخصوص مراعات کے علاوہ ہر میدان میں حکمران سے برابری کا برتاؤ چاہتے تھے ان کی دلی خواہش تھی کہ ان کے خاندانوں کو ریاستی ٹیکسوں وغیرہ سے مبرا رکھا جائے۔ ان سے ٹیکس وصول کرنا بقول ان کے انکے ساتھ زیادتی اور ہتک تھی۔ وہ لوگ اس قسم کی عزت شکنی کا ازالہ چاہتے تھے[1] بعض معتبر ذرائع اور روایات کے مطابق

---

[1] ریاستی حکمران کے خلاف ۱۹۲۶ء کی تحریک میں شامل افراد کی تعداد۔ بقیہ حاشیہ صفحہ

شہزادہ ناصر الملک کا فعال اور مضبوط ہاتھ ان کی پشت پناہی میں تھا جو خود اعلیٰ تعلیم یافتہ، مسلم لیگ کی چوٹی کے قائدین کے ساتھ جن کے گہرے روابط، عالموں کا قدردان، پڑھے لکھے نوجوانوں کو اچھی نظر سے دیکھنے والا، مطالبوں اور تحریکوں کے ذریعے ریاست

بقیہ حاشیہ صفحہ ۔ نوے تھی ۔ تحریک کے سرکردوں کے قریبی حلقوں کے مطابق شیاقوٹیک جنرال کے علی مردان لال کی حویلی میں منعقدہ خفیہ اجلاس میں عجلت میں لکھی گئی پہلی قرارداد کے ایک شق جس کی رو سے حکمران کا کسی نہ کسی صورت میں خاتمہ لازمی تھا پر اتفاق نہ ہو سکا مصنف خان حاکم، محمد خان لال اور بلبل لال کے اجلاس کی جگہ پہونچنے سے پہلے ان کے نام دستخط ثبت کرائے گئے تھے، سے تینوں متفق نہ ہونے پر نرم لہجے میں ایک اور قرارداد مرتب ہوا جس میں دوسری باتوں کے علاوہ آئے روز ریاست میں عوام پر ہونے والے مظالم کا ذکر اور ان کے خاتمے کے ساتھ ساتھ تحریک میں شامل افراد کے خاندانوں کے لئے حکمران سے برابری کی بنیاد پر حسن سلوک روا رکھنے کیلئے زور دیا گیا تھا جس پر تحریک سے وابستہ افراد خوشی سے متفق ہوئے ۔ اگلی صبح سویرے مستقبل کی منصوبہ بندی میں شامل ایک معتبر بھیدی نے اس ساری تیاری اور واقعے کی اطلاع حکمران تک پہنچائی ۔ مخالفین کے خلاف حکمران کے خوب کان بھرے ۔ نتیجۃً پروگرام میں شامل افراد حراست میں لئے گئے سرسری تفتیش کے بعد سارے گرفتار شدہ گان کو گھر بھیجنے کے ایک ہفتہ بعد پھر سے گرفتار کئے گئے ۔ باضابطہ پوچھ گچھ کے دوران سوائے پانچ افراد کے باقی سب قرآن حکیم پر قسم کو پس پشت ڈال کر تحریک سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہوئے صاف مکر گئے اور اسطرح جان بخشی کروائی ۔ واللہ اعلم ۔

شہزادہ ناصر الملک کا فعال اور مضبوط ہاتھ ان کی پشت پناہی
میں تھا جو خود اعلیٰ تعلیم یافتہ، مسلم لیگ کی چوٹی کے قائدین
کے ساتھ جن کے گہرے روابط، عالموں کا قدردان، پڑھے لکھے نوجوانوں
کو اچھی نظر سے دیکھنے والا، مطالبوں اور تحریکوں کے ذریعے ریاست

بقیہ حاشیہ صفحہ ۔ نوے تھی ۔ تحریک کے سرکردوں کے قریبی حلقوں کے مطابق شیاقوٹیک چترال
کے علی مردان لال کی حویلی میں منعقدہ خفیہ اجلاس میں عجلت میں لکھی گئی پہلی قرارداد کے ایک شق
جس کی رو سے حکمران کا کسی نہ کسی صورت میں خاتمہ لازمی تھا پر اتفاق نہ ہو سکا
مصنف خان حاکم، محمد خان لال اور بلبل لال کے اجلاس کی جگہ پہونچنے سے پہلے
ان کے نام دستخط ثبت کرائے گئے تھے، سے تینوں متفق نہ ہونے پر نرم
لہجے میں ایک اور قرارداد مرتب ہوا جس میں دوسری باتوں کے علاوہ آئے
روز ریاست میں عوام پر ہونے والے مظالم کا ذکر اور ان کے خاتمے کے ساتھ ساتھ
تحریک میں شامل افراد کے خاندانوں کے لئے حکمران سے برابری کی بنیاد پر
حسن سلوک روا رکھنے کیلئے زور دیا گیا تھا جس پر تحریک سے وابستہ افراد خوشی
سے متفق ہوئے ۔ اگلی صبح سویرے مستقبل کی منصوبہ بندی میں شامل ایک
معتبر بھیدی نے اس ساری تیاری اور واقعے کی اطلاع حکمران تک پہنچائی ۔
مخالفین کے خلاف حکمران کے خوب کان بھرے ۔ نتیجتاً پروگرام میں شامل افراد حراست میں لئے گئے سرسری
تفتیش کے بعد سات گرفتار شدہ کا گھر بھیجے جانے کے ایک ہفتہ بعد پھر سے گرفتار کئے گئے ۔ باضابطہ پوچھ
گچھ کے دوران سوائے پانچ افراد کے باقی سب نے آن حکیم ہر قسم کو پس پشت ڈال کر تحریک سے لاتعلقی کا
اظہار کرتے ہوئے معاف مانگ گئے اور اسطرح جان بخشی کروائی ۔ واللہ اعلم ۔

میں تبدیلی کا دل سے خواہاں رہنے کی وجہ سے اکثر والد شجاع الملک کو ناپسند رہتا تھا۔ ریاستی حکمران کے کہنے پر ان تینوں تحاریک کے بانیوں اور معاونین کے خلاف یکے بعد دیگرے انگریز کی عدالتوں میں مقدمے چلائے گئے۔ باری باری سب کو مجرم ٹھہرایا گیا۔ جنگ آزادی چترال ۱۸۹۵ء کے حریت پسندوں کو مدراس کے کالاپانی کی جیلوں میں قید و بند کی سزائیں دی گئیں۔ مؤخرالذکر دو تحاریک والوں کو پشاور، ملتان اور ایبٹ آباد میں قید رکھا گیا۔ مدراس اور ایبٹ آباد کی عقوبت خانوں میں کئی ایک حریت پسند وفات پائیں۔ جن کی ہڈیاں سالوں بعد چن کر چترال لایا گیا۔ ان کے علاوہ جو بھی تحاریک آزادی پسندوں نے چلائیں جن کے پیچھے چترال کے روؤسا کا ہاتھ تھا فرنگی ہی کے ذریعے ان پر مقدمات چلائے گئے۔

چترال میں دوہری غلامی سے آزادی چاہنے والوں کا زبردستوں، بااختیاروں اور اچھوت کہنے والوں نے بُرا حال کر رکھا تھا۔ چشم فلک نے ظلم، تشدد، بے رحمی اور درندگی کا وہ مظاہرہ دیکھا جسے زبان و قلم بیان کرنے کی تاب نہیں لاسکتی۔ تحریک کو دبانے کے لئے ہلکا لاٹھی چارج کے ساتھ ساتھ ڈنڈوں اور ہر قسم کے جبر سے برابر کام لینا روز کا معمول بن گیا تھا۔ عوام کی تذلیل کرنے والے مقامی تو اپنی جگہ فرنگی

سرکار کے ایک معمولی نمائندہ بیحرکب "تالات" کو بھی یہی پڑھائی گئی تھی کہ یہ ڈنڈرے کے لوگ ہیں ۔ سلام نہ کرنے کی پاداش میں گھوڑے سے اتر کر وہ بھی مرضی سے کوڑے برساتا تھا۔

غریب آدمی کا مہمانوں کے لئے بیٹھک دھواں سے بچنے کے لئے بخاری، انگیٹھی یا اس کا ٹوپی بنانا، سفید یا کوئی سا عمدہ جوڑا پہننا حاکموں اور بادشاہ گروں کی نظر میں سنگین جرم اور گناہ کبیرہ تصور کیا جاتا تھا۔ اس عیب اور گستاخی کے مرتکب ہوئے خوش لباس محنت کش بازار ہل سے ہی واپس مراد لئے کے اس پار دھکیل دیئے جاتے تھے۔

۱۹۳۰ء کے موسم گرما میں ایک سرگرم تحریکی کارکن ٹیلر ماسٹر بلور خان چترال نے " ظالمو! انسانیت سوز مظالم سے باز آؤ" کے عنوان کے تحت نت نئے ریاستی مظالم کی ایک لمبی فہرست ژوغور کے ان دنوں چوتھی کے طالب علم ماسٹر حضرت اللہ خان مرحوم سے لکھوا کر چترال میں پہلی دفعہ عوامی آواز پر مبنی احتجاجی پوسٹر بجلی کے کھمبے پر چسپاں کیا۔ کہتے ہیں کہ اس پوسٹر کے منظر عام پر آنے پر چھوٹے اہل کار سے بڑے حکمران تک سب کی کافی ہوا نکل گئی۔ اور نہتے عوام پر آزمائے جانے والے ریاستی زیادتیوں کا زور ایک حد تک ٹوٹا۔

آزادی کی ان غیر منظم تحریکوں کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے

تو ہر تحریک کے میر لشکر علمائے حق کی قیادت نظر آئے گی۔ جماعت کے سربراہ سے لے کر مختلف مقامات کے قربان گاہوں پر علماء نظر آئیں گے جنھوں نے آزادی کی اس چنگاری کو اپنے علم و فراست اور سیاسی بصیرت کے ذریعہ کسی بھی لمحے بجھنے نہ دیا۔ آزادی کے متوالے ٹمٹماتے چراغ کو اسلامی اصولوں پر استوار رکھ کے جِلا بخشتے رہے۔ دہلی سے پشاور تک چترال سے تعلق رکھنے والے جہاں جہاں مدارس عربیہ کے فضلاء و طلباء تھے، نے ریاست کے گوشے گوشے، قریہ قریہ اور گاؤں گاؤں پھیر کر مساجد کے خطباء اور ائمہ کو تحریک آزادی کے حقائق سے آگاہ کیا۔ ہر مکتب فکر کو اس کام میں حصہ لینے کے لئے ترغیب دی۔ کامیابی کے منزل تک پہنچانے کے لئے آمادہ و تیار کرتے رہے۔ وقفے وقفے سے دینی مدارس کے چترالی طلباء کے جتھے کے جتھے آتے رہے۔ محلے محلے پھیر کر بے فکری سے اپنا پروگرام چلاتے رہے۔ اپنے مشن کو جاری رکھا۔ مستقبل میں رونما ہونے والے کسی بھی معرکہ کے لئے ہر وقت تیار رہنے کے لئے ان کارکنان تحریک آزادی نے وقفہ آنے نہ دیا۔

۱۹۲۴ء میں مولانا عبدالغفار صاحب سوئیر کی قیادت میں پہلی دفعہ عوام نے اشتعال میں آکر احتجاجی جلوس نکالا۔

سپلائی مسجد کے سامنے درمسال تعمیر کرنے جس میں آذان اور نمازوں کے اوقات میں بھجن بجانے، بازار میں قائم شراب خانے اور جھٹکہ خانہ کے خلاف پرزور آواز اٹھی۔ مقامی لوگ ان کی بندش اور خاتمہ تک آمادۂ جنگ نظر آئے۔ پتھراؤ اور اِکا دُکا مقابلوں میں درجنوں افراد زخمی ہوئے جن میں ایک انگریز افسر میجر ایس ٹی ڈی آدم بھی شامل تھا۔ شہزادہ محمد ناصر الملک کے مصالحتی کمیشن میں عوام کو خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔

ادھر مسلمانانِ برصغیر کی اکثریت کی زبان پر ایک پرکشش نعرہ تھا۔ کہ "بٹ کے رہیگا ہندوستان، لیکے رہیں گے پاکستان" "پاکستان کا مطلب کیا" لا الٰہ الّا اللّٰہ" تو یہاں دوھری غلامی کی چکی میں پسنے والی قوم اپنی بلکتی اور سسکتی بدحالی کی نحیف آواز میں ان کی آواز سے آواز ملاتے ہوئے بقول ناصر کہتی تھی۔

ش فرغونو ساری بویا مہ خدوک ÷ موسوغونہ کہ بوئے مہ ویتھوک
ور یلغئے ور تلغ ارمانئے ارمان

برصغیر کی طرح چترال میں بھی آزادی کے ان علمبرداروں کے منشور میں یہ بات شامل تھی جو اِس تحریک کے مقاصد کے ساتھ دل و دماغ کے متفقہ فیصلے سے پورے وثوق سے وابستہ تھے کہ وہ مقامی وغیر مقامی حکمرانوں خصوصاً ریاستی نوابوں کی عمل داری سے

تمام مظلوم مسلمانوں کو ظلم کی چکی سے نکالیں گے ۔ آج ہر پاکستانی اور ہر چترالی ان کی بے پناہ قربانیوں اور بے شمار کارناموں کی بدولت تحریک آزادی کے ان جیالوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ جنگی حکمت عملی نے فرنگی سامراج اور مقامی حکمرانوں اور ان کے امراء و وزراء و مصاحبوں کی نیند حرام کر رکھی تھی جنھوں نے فکری، عملی اور قلمی جنگ کے ذریعے عوامی حلقوں میں آگاہی پھیلائے ۔ چترال میں خاموش مظاہروں کا یہ سلسلہ مہتر شجاع الملک کی وفات اکتوبر ۱۹۳۶ء تک برابر جاری رہا اکتوبر ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۳ء کے وسط تک محمد ناصر الملک کے زرین دور میں اس تحریک کو تقویت ملی ۔ تحریک کو چلانے والے پہلے کی نسبت زیادہ انہماک اور یکسوئی سے اپنا کام جاری رکھا۔ اس دوران چترال کا ہر باسی اور معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا ہر شخص بھی کنوئیں کے مینڈک والی کیفیت سے نکل کر گرد و پیش پر نظر ڈالنے کے قابل ہوا اور تحریک کے کارکنوں نے انھیں قدم قدم پر حوصلہ دیا، ڈھارس بندھائیں۔ روز بروز ان میں نیا جذبہ پیدا کرتے رہے بالآخر وہ سب دھیرے دھیرے ریاستی برائیوں کو برائی کہنے پر آمادہ نظر آئے۔

دراوڈ لیٹے سے اس پار تحریک آزادی کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے بے حساب گردنیں کٹوائی گئیں، خون کا نذرانہ پیش کئے

اپنے گرم گرم لہو سے اسلام کی مردہ کھیتی کی آبیاری کی۔ یہ ملک جسمیں آج ہم سانس لے رہے ہیں کے حصول کیلئے برصغیر کے لاکھوں مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہادی گئیں۔ معصوم بچوں کی چیخ و پکار سے آسمان کانپنے لگا۔ جس کے لئے کئی قیمتی جانیں شہادت کے خون میں نہلائے گئے تھے۔ جنھوں نے شہادت کی موت مرکر سلطان ٹیپو کے اس قول کو " گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے" درست ثابت کیا۔ چترال سے بھی برصغیر سے اٹھنے والی اس تحریک کو ٹھنڈا ہونے نہ دیا۔ ریاست کے اندر بھی لوگوں کو بتایا جارہا تھا کہ یہ وہ تحریک ہے جس کو پروان چڑھانے کے لئے خون کے نذرانے ناگزیر ہیں جس کے لئے قیمتی سے قیمتی اشیاء کی قربانی درکار ہے۔ یہ وہ تحریک ہے جس کے راستے میں اب بھی سنگلاخ پہاڑ حائل ہیں، گھنے جنگلات ہیں، برفانی تودے، اونچی اونچی گھاٹیاں، فلک بوس پہاڑ جدید ترین اسلحہ، گولہ بارود کے ذخائر اور ہر طرف آگ اور خون ہے۔ زمین آگ اگلتی رہے گی، آسمان شعلے برساتا رہے گا۔ بحران میں ناقابل تسخیر یا ناقابل شکست کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ ایمان اصل ہتھیار ہے۔ مسلم کی شان اور قوت ایمانی کے مقابلے میں یہ سب کچھ ہیچ ہیں

مارچ ۱۹۴۰ء کو قرارداد لاہور پاس ہونے کے بعد مطالبۂ حصول پاکستان کے لئے وقت گذرنے کے ساتھ برصغیر کے ہر ہر حصہ سے فرنگی کے ہواخواہوں کے ظلم وستم کے خلاف آواز بلند ہوتی رہیں اور یہاں چترال میں بھی جس مناسب وقت کا انتظار تھا وہ آچکا۔ ادھر بہت تھوڑے عرصے میں بدیشی آقاؤں کے ساتھ ساتھ گاؤ ماتا کے پجاری بھی گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوگئے۔

سیانوں کا یہ جملہ "کہ سانپ کی جب موت آتی ہے تو وہ راستے میں آکر بیٹھ جاتا ہے" یا یہ کہ چیونٹی کی جب موت آتی ہے تو اسے پر لگ جاتے ہیں ہز ہائی نس محمد ناصر الملک کی وفات کے بعد مہتر مظفر الملک نے جس وقت عنان حکومت سنبھالا تو اس کے حواری اور بادشاگردوں نے کچھ زیادہ ہی خرمستیاں دکھانی شروع کیں۔ عوام کا شاہ ناصر کے دور والا سکون جاتا رہا۔ دھونس دھمکی زور وجبر اور لوٹ کھسوٹ میں بہت آگے بڑھ گیا۔ جائیدادوں کی ضبطی، مفت خوری اور مفت بھروں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا۔ مہتر کی خرابی صحت کی وجہ سے موقع کے متلاشی غرض کے بندوں کی چاندی ہوگئی۔ ان کے ناعاقبت اندیش مصاحبوں کی من مانیاں عروج پر پہنچ گئیں، ہر طرف اندھیر نگری، لوٹ مار اور عصبیت کا دور دورہ تھا۔ امراء کے آئے روز کی زیادتیوں سے لوگوں کا جینا دوبھر ہو رہا تھا۔ لوٹ کھسوٹ کا یہ سلسلہ

اس دور میں زور و شور سے جاری رہا۔ برصغیر پاک و ہند میں تحریک آزادی میں جوش و خروش پیدا ہونے کے ساتھ ریاست چترال میں بھی تحریک زور پکڑتی رہی۔ اس تحریک میں حکمران خاندان کے افراد میں اقتدار کی کشمکش کی وجہ سے شدت پیدا ہوتی نظر آرہی ہے۔ اپنے بڑے بیٹے شہزادہ سیف الرحمٰن کو ولی عہد بنانے پر بھائی حسام الملک کی مخالفتوں میں تیزی آئی۔ دروش میں انہوں نے مختلف مکاتب فکر والوں کو ڈرا دھمکا کر اپنی حمایتی بنانے کی غرض سے گرفتاریاں شروع کیں۔ اذیتوں اور گرفتاریوں کے خوف سے یوں پوری مقامی آبادی اس کی طرفدار ہوئی۔

۱۹۴۶ء کو علماء نے مولانا امیر خان دروش و قاضی صاحب نظام اویون کی قیادت میں دروش سے چترال تک ایک بڑا جلوس نکالا۔ علماء کے اس تاریخی جلوس کو روکنے کیلئے وزیر اعظم ریاست مہتر ژاؤ دلارام خان، اتالیق سرفراز شاہ، میجر عثمان خان اور لفٹننٹ عبدالرؤف اویونی وغیرہ نے گھوڑے دوڑا کر اویون پہنچے۔ جلوس کو روکنے میں بری طرح ناکام رہے علماء کے اس جلوس کو دشمان دو ہو دوم کا نام دیا جاتا ہے چترال پہنچکر قائدین نے ہز ہائی نس کو اپنے بارہ ۱۲ نکات پیش کیئے۔ بقول متار ژاؤ دلارام خان علماء کے ۲۴ مطالبات

ہزہائی نس نے منظور کیئے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ریاستی سطح پر یہ سب شہزادہ محمد حسام الملک کے کھاتے میں ڈالے جارہے تھے کہ یہ سب کچھ وہی کراتا ہے۔ ان کی ایماء پر یہ لوگ ایسی حرکتیں کررہے ہیں۔

اسی سال گورنر دروش چترال پر فوج کشی کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ اطلاع پاکر چترال والوں نے پہل کی۔ دروش پر زبردست طاقت سے حملہ ہوا۔ گورنر دروش چار دن تک قلعہ میں محصور رہا۔ آخرکار خود کو گرفتاری کے لیئے پیش کیا۔ ریاستی باڈی گارڈ کے دستوں نے دروش کے اطراف و جوانب کے دیہات کو مرضی سے لوٹا۔ اپنی دروش بولی اول و دوم کے نتیجے میں شہزادہ محمد حسام الملک کی گرفتاری اور لورالائی بلوچستان میں اسیری کے دوران ریاست میں حکمرانوں کے مظالم کے بارے "مظالم چترال" کے نام سے ایک کتابچہ مرتب کرکے مولوی امیر علی مولوی حیات شاہ، مولوی غلام جیلانی، مولوی محمد شریف، مولوی فضل الٰہی اور مولوی محمد صاحب الزمان وغیرہ کارکنان جمعیت علمائے چترال مقیم دہلی کے ذریعے شائع کراکے چترال میں تقسیم کروائے گئے۔ ردعمل کے طور پر چترال میں بڑے پیمانے پر گرفتاریاں ہوئیں۔ اولوں سے تحریک آزادی کے سرکردہ کارکن پکڑے گئے۔ حاجی غازی خان، رحیم بیگ، سالار رحمت الدین

محمد یوسف اور شیر ایدال وغیرہ کو نیم مردہ حالت میں گھسیٹ کر قلعہ کے اندر زمین دوز عقوبت خانوں میں ڈالے گئے۔ مولوی محمد عقیل، مولوی عبدالکریم، قاضی صاحب نظام، مولوی امیر خان، مولوی عبدالغفار، مولوی نور العین اور مولوی عبداللہ کو چوتھے بار گرفتار کرکے گھٹنوں تک پانی بھرے ہوئے تہہ خانوں میں ڈال کے اوپر سے گندگی ڈالوائے گئے۔ اس پر مستزاد یہ کہ ریاستی دستوں کے ذریعے ان پر پیشاب بھی کروایا گیا۔ صدر اعظم مولانا نور شاہدین کو ارکاری اور مستوج کے انتہائی سرد ترین مقامات میں قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار رکھا گیا۔ جبکہ مولوی محمد عقیل کو پرابنگ اور مولوی امیرخان کو دراسن لیجا کر اذیت دیا جانے لگا۔ بعض دفعہ مولوی محمد عقیل کے چلانے اور کراہنے کی آواز ٹیلیفون پر ریاستی حکمران کو برموغلشٹ میں سنائی جارہی تھی۔ ریاست کے ناعاقبت اندیش اہل کاروں نے ان پر ہر وہ حربہ آزمائے جو ان کے جی میں آتا مگر اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود ۱۹۳۵ء سے ۱۹۵۰ء تک ہر ہر محاذ پر ان کو منہ کی کھانی پڑی۔ اس سارے عرصے میں ناکامی کے سوا ان کے مقدر میں اور کچھ نہ تھا بالآخر تحریک آزادی کے جانثار سرخ رو رہے۔

قابل صد تحسین ہیں سرزمین چترال کے وہ لوگ جنھوں نے اپنے سب کچھ اپنی ہر چیز ذہنوں سے نکال کر صرف اور صرف جذبۂ

آزادی کو دلوں میں آبیاری کرتے رہے اور ہزاروں، لاکھوں ذہنوں میں آزادی کے چراغ روشن کیئے رکھا۔ اس وقت چترال کے علماء فضلاء و طلباء اور ریاست کی دور دراز کی وادیوں سے مظلوم و محکوم مقہور محنت کش باسی راہ لیئے سے اس بار آزادی کے حصول کے لیئے کٹ مرنے والے اپنے بھائیوں کی تقلید میں روز بروز پُرعزم نظر آنے لگے۔ جن کے چہروں پر پژمردگی کے بجائے متانت اور طمانیت کے آثار پیدا ہوئے۔ تحریک آزادی کے ہراول دستے بخوبی جانتے تھے کہ حصول آزادی کی منزل تک پہنچنے کے لیئے یہ راستہ کیا کیا قربانی مانگتا ہے۔ جان کی، مال کی، اہل وعیال کی، اولاد کی، گھر بار کی، یاری باری سب کچھ لُٹانا ہوگا۔

یہاں اس بات کا ذکر اور وضاحت اپنی معلومات کی حد تک کرنا نامناسب نہ ہوگا۔ اس بات میں کوئی ابہام اور شک نہیں کہ ۱۹۴۷ء میں الحاق پاکستان پر والیٔ ریاست اور چترال میں تحریک آزادی کے عوامی زعماء اور کارکنان یقیناً متفق تھے۔ اس مقام پر قاری یہ سوچنے اور پوچھنے پر مجبور ہوگا کہ جب طرفین راضی تھے تو تکرار کس بات کی؟ درحقیقت واقعہ کچھ یوں سننے میں آیا ہے کہ مہتر مظفر الملک نے اپنے نامور بھائی کے نقش قدم پر چل کر پہلے ہی قائد اعظم مسلم لیگ میں

شامل ہونے کا اعلان مستقبل میں رونما ہونے والے متوقع
دباؤ والجنوں سے چھٹکارا پانے کی غرض سے کیا۔ جن میں ایک
خدشہ نہرو کی اِس اعلان سے پیدا ہوا تھا کہ سرکار کا جھنڈا
"یونین جیک" کے اترتے ہی ہندوستان میں شامل ہونے والی
ریاستوں کو یکسر ختم کردں گا۔ جس کے مقابلے میں مسٹر جناح
پاکستان میں شامل ہونے والی ریاستوں کے اندرونی طور پر
انتظامی لحاظ سے جوں کی توں رہنے اور دخل نہ دینے کا اعلان
کرچکا تھا۔ کہ پاکستان میں شامل ریاستوں کو کسی صورت ختم
نہیں کیاجائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مہتر چترال کی طرف سے
ریاست اور اپنے اختیارات کو بچانے نیزاپنے سیاسی مخالفین کو
نیچا دکھانے کے لئے غیر مشروط طور پر عجلت میں پاکستان کے
ساتھ الحاق کا اعلان کرنے میں دوسری ریاستوں سے سبقت
حاصل کیا۔ لیکن بعد میں وقت نے یہ ثابت کیا کہ جلدی میں
یکطرفہ فیصلہ نہ صرف مقامی حکمرانوں بلکہ پوری قوم کے لئے
ایک المیہ اور زہر قاتل ثابت ہوا۔ اور اس بات سے بھی کسی
کو ذرا بھر انکار نہیں کہ ریاست کے اندر محمد ناصرالملک کے
بعد آزادی کی جتنی بھی تحریکیں یکے بعد دیگرے چلیں وہ اکثر
محمد حسام الملک کی ایماء پر منظر عام پر آئیں اور اسی طرح
انھوں نے لورالائی میں نظربندی کے دوران کانگریس کے راہنمائی

مسٹر گاندھی اور نہرو سے تعلقات استوار کر چکے تھے۔

۱۹۴۸ء میں چترال سے کشمیر کے اپنے مسلمان بھائیوں کے مشترکہ دشمن سے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے جہاد آزادی کشمیر کے لئے چترال سکاؤٹس اور ریاستی باڈی گارڈ کے سینکڑوں مجاہدین دستے ۳۱ دن کے پیدل سفر جاری رکھ کے سکردو، پھلوائی، لداخ تھایٔ، گریز اور ترکبال کے محاذوں پر جنوری ۱۹۴۹ء تک ہندوستان کی افواج سے نبرد آزما رہے۔ یہ علاقے اس وقت بھی یادگار کے طور پر شمالی علاقہ جات اور آزاد کشمیر میں شامل ہیں۔

سابق ریاست چترال میں ابتدائی ایام سے صرف ایک تحریک جس کی باقاعدہ تنظیم سازی ۱۹۴۹ء میں ہوئی چترال مسلم لیگ کے نام سے ان آزادی پسندوں نے قائم کی جو عرصہ سے آزادی کی تحریک چلا رہے تھے۔ چترال مسلم لیگ کے ذمہ دار ماہنما شروع ہی سے ریاست کے اندر نظام حکومت میں تبدیلی چاہتے تھے۔ مسلم لیگ کے اغراض و مقاصد میں مکمل اسلامی ذمہ دار حکومت کا قیام سرفہرست تھا۔ وہ مقامی حکمران اور انکے اہل کاروں سے معاشی، سیاسی، معاشرتی، دستوری، رواجی اور قانونی خرابی پر بات کرنے کے خواہاں تھے۔ در اصل یہاں پورا نظام ہی خراب تھا جسے بدلے بغیر اصلاح احوال کی کوئی

صورت نہیں تھی۔ تحریک کے قائدین نظام میں تبدیلی لانے کے لیئے منظم ہوکر میدان عمل میں آئے۔ جبکہ دوسری طرف صدیوں سے مراعات یافتہ افراد اور خاندانوں نے مقابلے کے میدان میں اتحادی مسلم لیگ کے نام سے ایک اور تنظیم کا اعلان مارچ ۱۹۵۰ء میں کیا جو ریاست کے اندر کسی قسم کی اصلاحات اور تبدیلی کے مخالف تھے۔

ہز ہائی نس سیف الرحمٰن کا اپنی تخت نشینی کے چند دنوں بعد چترال مسلم لیگ کے عمائدین سے مشورہ اور ان کی خواہش پر فروری ۱۹۴۹ء کو شاہی جامع مسجد میں بعض ریاستی مظالم ٹیکسوں، بیگار اور مفت خوری کے خاتمہ کا اعلان کرنے پر چترال کے اندرونی حالات یکسر بدل گئے جس کا نئے ریاستی حکمران خاندان کے بڑوں نے بہت ہی برا منایا اور حکمران ریاست سے زبردست ناراضگی کا اظہار کرتے رہے۔ تاہم ہز ہائی نس نے ان کی ایک نہ سنی اور برملا کہتا کہ اپنے کیئے سے مجھے قلبی اطمینان ہوا ہے۔ اس قسم کے اعلانات آئندہ بھی کرتا رہوں گا۔ تاکہ انسانوں کا خون پینے سے بچتا رہوں اور مجھے بغیر گھی اور گوشت والا کھانا منظور ہے۔ ان دنوں چترال مسلم لیگ کی تحریک زوروں پر تھی۔ مارچ ۱۹۴۹ء میں بربان دوبو قہر بن کر اترا۔ بہت سے لوگ اس کی لپیٹ

میں آئے ۔ ریاست کے کئی سرکردہ شخصیات خصوصاً اتالیق سرفراز شاہ، اس کے قبیلہ کے اکثر نوجوانوں، بڑوں، بوڑھوں ان کے دوست احباب، مستوج سے چارویلو صاحب نگین، بلبل لال، چترال سے چارویلو فضل ربانی، سنگور سے چارویلو عبداللہ جان اور ان کے خاندان والوں کے علاوہ کئی دوسرے افراد پر اچانک ایک عتاب نازل ہوا۔ کافی عرصہ تک ان معتوب لوگوں پر وہ وہ مصیبتیں لائی گئیں۔ انسان کے ہاتھوں انسانیت کی حد سے زیادہ تذلیل، توہین و تحقیر ہوتی دنیا نے دیکھ لی۔ جن کے ساتھ انسانی برتاؤ اور ہمدردی زیردستوں کی نظر میں گناہ سمجھا جاتا تھا۔ شہزادہ خوش وقت الملک اور شہزادہ خوش احمد الملک سے ملنے اور ہمدردی کرنے والوں کو الٹا لٹکایا جا رہا تھا۔ یسار ژاؤ دلارم خان کے اشارے پر ریاست کے اندر اچانک یہ سب کچھ کرایا جا رہا تھا۔ ریاستی جاسوس سلسلے کی طرح ہر ایک کا پیچھا کر رہے تھے۔ مئی ۱۹۴۹ء میں ان مقہور افراد پر مقدمہ چلا۔ اتالیق سرفراز شاہ کے ساتھ دوسرے تمام گرفتار شدگان باعزت رہا کئے گئے۔ ضبط شدہ جائیدادیں ان کو واپس ہوئیں۔ پھر سے انہیں وہ مقام ملا جس کے وہ مستحق تھے۔

اسی سال عوامی تحریک کو خلاف توقع ہمیشہ ملی۔ علماء کے

علاوہ دوسرے بہت سی چیدہ چیدہ شخصیات میدان میں اترے ہر شخص اپنی اپنی جگہ لیڈر تھا۔ اس تحریک میں یسار ڈاوان کیسو، اویون، دینین اور کوغذی نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا یسار ڈاوان دینین کو چترال میں مسلم لیگ کا پہلا دفتر اپنے محلے میں قائم کرنے کا تاریخی اعزاز حاصل ہے۔ تحریک آزادی کی کامیابی میں یسار ڈاؤ فضل قادر خان کی قربانیاں یادگار رہیں گی۔ اسی طرح چترال میں پہلے سے آباد میاں اکبر شاہ میاں راحت شاہ، میاں نور الاکبر اور میاں عبدالحق نے تحریک آزادی میں چترال مسلم لیگ کے قائدین کے ساتھ ہر دور میں شانہ بشانہ کام کیا۔ جن کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ تحریک آزادی کے جانثاروں نے چند ماہ میں ریاست کے طول وعرض میں بسنے والے عام لوگوں کو تحریک میں بھرپور حصہ لینے کے لیئے ذہنی طور پر تیار کرنے میں توقع سے زیادہ کامیاب رہے۔ اس سال کو دھماکہ خیز تبدیلی کا سال یا انقلاب کے سال کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ تحریک آزادی کے زمانے میں مسلم لیگ کے سالاروں اور نیشنل گارڈز کے جوانوں نے قریہ قریہ جاکر ریاستی ظلم وزیادتی و ناانصافی کے ہاتھوں بدحال عوام کو متحرک کرنے میں خاصے کامیاب رہے تھے۔ جو ریاستی عمال کے جبر وتشدد کا تدارک کرنے کے لیئے متحد ہوئے۔ ریاست

کے بدست اہل کاروں کے طوفان کا زور کم کرنے اور اس کے ازالے کے لئے میدان میں اترے۔ انہوں نے جہاں کہیں بھی موقع ملا نہایت شائستہ اور مہذب طریقے سے عوامی مسائل ومعاملات، معاشرتی واقعات وسانحات میں مفادِ عامہ کے حق میں جرأت مندانہ موقف اختیار کرتے آئے اور علاقے کے عوام سے مسلسل رابطے رکھے۔ یہی وجہ ہے کہ ریاست کے اندر ہر فرد ان سے بھر پور تعاون کرنے پر آمادہ اور کٹ مرنے کے لے تیار نظر آنے لگا۔ دوسری طرف تحریک آزادی کے قائدین کو راہ سے ہٹانے اور ختم کرانے کے لئے گوجر برادری کے کئی جوانوں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ سازش سے باخبر لوگوں نے عوامی قائدین کو ان کے خلاف ہونے والے پروگرام سے باخبر رکھے آئے۔ سیاسی راہنماؤں کو جانی خطرے کا یہ سلسلہ ۱۹۵۲ء تک برابر جاری رہا اور غلط کام کے لئے تیار کئے ہوئے جوانوں نے عوام دشمن کی مرضی پر انجام پانے والی حرکتوں سے خود کو بچائے رکھا۔ جولائی ۱۹۴۹ء کو پولو گراؤنڈ میں ایک عظیم الشان عوامی جلسے کے دوران والیٔ ریاست کی طرف سے مکمل اسلامی اور شرعی نظام کا اعلان ہوتے ہی چند وجوہ کی بناء پر غلط فہمیوں کا شکار ہوکر تحریری منظوری کا منہ نہ دیکھ سکا۔ جس کا افسوس ہر ایک کو ہے۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۹ء کو چترال مسلم لیگ کا ایک

عظیم الشان جلوس پولوگراؤنڈ چترال سے شاہ دوک ہوکر واپس پولوگراؤنڈ پہنچا۔ اس تاریخی جلوس کی قیادت سائیکل سوار نوجوان طلباء کررہے تھے۔ جن میں سردار علی شاہ کشم، عبدالقیوم گولدور چترال، شریف احمد بلچ، مکرم شاہ سنگور، عبدالاکبر ژوغور اور میر امان الدین گولدور چترال قابل ذکر ہیں شامل تھے۔ ۱۴ اکتوبر ۱۹۴۹ء کو لیگی قائدین اور والیٔ چترال کی ایک ملاقات میں ریاست میں ذمہ دار اسلامی حکومت کے قیام کے سلسلے کافی پیش رفت ہوئی تھی اور ہزہائی نس بڑی عید کے بعد لیگی نمائندوں اور اہالیان ملک سے مشورہ کرکے اس کی منظوری دینے کا وعدہ فرمایا تھا۔ اس ملاقات سے متعلق ایک تحریری عہد نامہ دستیاب ہے جس میں دوسروں کے علاوہ ہزہائی نس سیف الرحمٰن والیٔ چترال شہزادہ محمد حسام الملک، محمد ولارم خان اور برہان الدین خان کے دستخط ثبت ہیں۔ جس کی تصدیق اس وقت کے پولیٹیکل ایجنٹ نے کی ہے۔ ۱۴ اکتوبر ۱۹۴۹ء کو ہزہائی نس سیف الرحمٰن والیٔ چترال نے اپنوں یعنی خاندان کے بڑوں کی رائے کے برعکس مسلم لیگی قیادت کے مشورے پر انتظامی تربیت حاصل کرنے کی غرض سے پشاور تشریف لے گیا۔ پاکستانی حکام انہیں تربیت دتحفظ دینے کے لیے پہلے سے آمادہ تھے۔ ۹ دسمبر ۱۹۴۹ء کو ہزہائی نس نے گورنر سرحد کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے شہبازل انتظام

کے طور پر ریاست کے انتظامی امور چلانے کے لئے ایک انتظامی بورڈ کا قیام عمل میں لایا جو رحیم داد خان اے پی اے کی صدارت میں شہزادہ شہاب الدین کا اتالیق سرفراز شاہ اور سید نادر شاہ اس بورڈ کے ممبر مقرر ہوئے۔

آزادی کی تحریک میں حصہ لینے والے ایسے بے شمار کارکن شامل تھے جنھوں نے جدوجہد اور قربانی کی بعض یادگار مثالیں قائم کیں۔ تحریک کے اراکین نے بے حد صعوبتیں برداشت کیں۔ اس جدوجہد میں وہ لوگ شامل تھے جنھوں نے اذیت خانوں کے اندر اور باہر کے لوگوں کو زبان و قلم کے ذریعے تحریک آزادی کی ضرورت اور اہمیت سے برابر آگاہ کئے رکھا۔ چترال مسلم لیگ کے متعدد سالاروں اور رضا کاروں نے اس تحریک کے دوران کئی یادگار کارنامے بھی انجام دیئے۔ ۱۹۴۹ء کے شروع ہی سے ہر ہر گاؤں میں نیشنل گارڈ کے سینکڑوں رضا کار دستے علاقے کے سالاروں کے کمان میں آئندہ کسی بھی زیادتی کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار کئے گئے۔ انہیں ہر قسم کی عسکری تربیت دینے کیلئے درجنوں ماہر انسٹرکٹرز نیشنل گارڈ کے مرکزی سربراہ جن کا نام کیپٹن گل نواز منلاندہ چترال کی قیادت میں جگہ جگہ کام پر موجود تھے۔ کیپٹن گل نواز قومی رضا کاروں کو پریڈ کے دوران پولو گراؤنڈ سے چھوٹی تک روڈ مارچ میں ریاستی بینڈ باجوں

کے مقابلے کلمہ طیبہ کی جذبانی دھن پر قدم ملواتا۔ کبھی اپنی جدید
شعروں

ع ہائے سہ تھانگی، ہائے ہائے سراوتانخ، بغائے شیمت

ہنیسے انگاہ بیتی شیر غریبانن بخت

کے سہارے ان میں تیزی پیدا کرتا۔

قیام پاکستان و الحاق پاکستان کے بعد سینکڑوں علماء کے علاوہ چترال میں سیاسی بیداری کے راہنماؤں اور تحریک آزادی کے کارکنوں میں بعض ایسے نام بھی شامل ہیں کہ جنھوں نے اپنے وقت کے لمحے لمحے کو تحریک کے لئے وقف کر رکھے تھے۔ کئی ایک نے اپنی جمع پونجی سب کچھ لٹا دی۔ بیس کیمپ سے ان کی بھرپور کوششیں اور خدمات یاد رکھی جائیں گی۔ ان میں وزیر تجارت میر غیاث الدین اتالیق سرفراز شاہ، مرزا میر حضرت الدین، بابو عبدالرشید، حاجی محمد جناب شاہ، حاجی شریف اللہ، حاجی پائندہ خان، عبدالمنان، اور نیظر خان شامل ہیں۔ اسی طرح دروش سے حاجی محمد، مرزا بچہ خان سیف اللہ جان لال، قادر نواز خان، محمد شریف خان حاکم، گل محمد خان، اشرف خان، جوان خان، سالار سویر محی الدین شاہ، سالار لاوی درب نواز خان سالار جنجریت۔ کیسو سے بیتسار ژاؤ رحمت کریم کپتان، بیتسار ژاؤ عطائے کریم، مستری حاجی محراب خان اور بون سے رحیم بیگ، حاجی غازی خان، سالار اعظم رحمت الدین

محمد یوسف خان، شیر ابدال، عبدالواحد لال، خان لالک، رستم لال دینار ولی خان، فیض الرحمٰن جمعدار، رحمت پناہ، محمد پناہ صوبیدار، گوہر خان، رحمت خان ملنگ، قدیر شاہ حولدار، قیمت خان، رحمت نیاز اُثقال، شکور اللہ حولدار، محمد شریف خان، شیر دل عزیز خان۔

چترال سے مرزا رحمت نغار، مرزا عبدالجلال دینین، مرزا مقدم شاہ سنگور، میر حسام الدین، ظفر احمد خان، میاں نور الاکبر، میاں عبدالحق، حولدار میر اکبر شاہ، ماسٹر بلور خان، محمد نادر خان، گل منظارت شاہ، شکور احمد خان، کپتان گل نواز، کپتان غلام حسین رحمٰن حیات شاہ سنگور، محمد شریف خان سنگور، سید دانان سنگور سالار رزامنت شاہ سنگور، حاجی شمس الرحمٰن سنگور، بابو سردار الدین بیگال زرگراندیہہ، درانی خان جمعدار گولدور، عبداللہ مولوی ہون رابعہ گل حولدار دمحیٔ الدین چمرکھون، حبیب اللہ خان ملنگ ژوغور بابو عبدالرشید ژوغور، سالار حبیب الرحمٰن دینین، میتار ژادانِ دینین، حاجی باشندہ خان کوغذی، فضل محمد خان المعروف امام صوبیدار کوغذی، میتار ژادانِ کوغذی، صاحب عبدالواحد کوغذی، شرف الدین کوغذی، میر اعظم حاجی، محمد خان کرنیل کوغذی، سالار حبیب خان کوژدو، محیٔ الدین موڑدیہہ چترال، سید حکیم خان موڑدیہہ چترال، مولانا عبدالعلیم برغوزی، (موشگوہے) غضنب سالار، یعقوب وامید خان موغ، حسبلہ مردان، میرزا بیگ شونک، زرین منور، گینہ بہادر

کندوڑال ۔

خلیفہ سلطائب شاہ، ماسٹر عبد المراد، صوبیدار امیر خان سالار سمیر، مہربان صوفی، مرزا سید، میر ولی، میراماں ایڑ مرزا محمد وزیر خان شغور کریم آباد (اوڑور) سے

حیدر خان، صفت خان صوبیدار، سید جنگی شاہ، سید موالی، شیر بلی سالار بڈور، سید غلام، سید طوطی شاہ، سید شاہ عبد العظیم،

سوڑکھوڈ سے چارویلو عبد الکریم اودیر، شیر میدان لال، لفٹننٹ شرف الدین، جہانگیر لال، مرزا متوالی شاہ اوسان، سالار سید امان اودیر، شادوکی دشمان، مشرف خان، شیر خان کتم مراد خان، ننگاوار شاہ بشکو، محمد شاہ درانی ترتیچ، شیر محمد زیزدی

تورکھوڈ سے صوفی عبد المحسن ورکھوپ، شیر مجم ورکھوپ ماسٹر بلوڈ خان استارو، نورمست خان ہیرپ، بولک یساؤل ہیرپ احمد الدین، پھوکہ خان، چراغ الدین کھوت، مصطفیٰ کمال اُژنو، سوروم خان، فیروز خان ۔

بیار سے صوبیدار علی حرمت خان وینرگ، صوبیدار شیر ولی خان اسپتچ، قاضی حضرت الدین، جانان صوبیدار، ماسٹر شکور ریشع محمد سعید خان لال، چارویلو صاحب نگین، صوبیدار جلال الدین صوبیدار اشرف خان سنوغر، محمد مراد خان یارخون، سید منور شاہ جنیب خان لال، رحمت جمعدار، حکیم خان مستوج، دلمے خان

محمد شریف خان لال، ابراہیم خان لال، سید شاہ پیر شاہ، رحمت خان پیر سید فضل عالم، حاکم شیر نادر خان، عبدالروف لال، میر غضب شاہ سید شاہ عبدالحسن چرن، سید عبدالعزیز شاہ کوراغ، مرزا محمد اقبال زئیت، مرزا گل نیاب خان، سردر خان لال، سردار احمد ریشن ماجم صوبیدار ڈاسپور، سکندر صوبیدار، مراد جمعدار اور سیف اللہ خان لاسپور۔ اور بے شمار دوسرے کارکن جن کے نام اب یاد نہیں جلسوں اور جلوسوں میں شامل ہوتے رہے۔ اس جدو جہد میں ہزاروں شخصیات اور کارکنوں نے شرکت کی جن میں سے کئی ایک گوشہ نشیں ہو چکے ہیں بہت سے ایسے ہیں جو عسرت و غربت اور افلاس کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور بہت سے اب اس دنیا میں ہم میں موجود نہیں۔

دسمبر ۱۹۴۹ء میں کڑاکے کی سردی میں پولو گراونڈ چترال میں منعقدہ چترال مسلم لیگ کا ایک عظیم الشان جلسہ رحیم داد بونی کے نتیجے میں افراتفری کا شکار ہوا۔ پولیٹیکل حکام کی طرف سے پہلے سے تیار منصوبے کے تحت ریاستی باڈی گارڈ کے دستوں اور محسود سکاؤٹس کے جوانوں کے ذریعے جلسہ گاہ کو گھیرے میں لے کر حملہ کرایا گیا جس کا مقصد جلسے میں موجود عوام کو اشتعال دلاکر چترال کے شاہی قلعے پر حملہ کروا کے اسے آگ لگا کر ختم کرانا تھا۔ لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی پر عمل پیرا پولیٹیکل

حکام اپنے مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے۔

مارچ ۱۹۵۰ء میں چترال مسلم لیگ کے مقابلے میں اتحادی مسلم لیگ کو عوام میں متعارف کروایا گیا جو ریاست کے انتظامی امور میں کسی قسم کی تبدیلی یا اصلاحات نہیں چاہتی تھی۔ اس سال کے کئی اہم واقعات کے علاوہ ایک واقعہ یہ بھی تھا کہ اتحادی مسلم لیگ والوں نے ۱۴ اگست یوم آزادی کے موقع پر جلوس نکالنے کی اپنے طور پر کوشش کی لیکن خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ کرسکے۔ ان کا جلوس پریڈ گراؤنڈ سے غوڈوم پہنچکر ختم ہوا۔

اپریل ۱۹۵۲ء کو ہز ہائی نس سیف الرحمن والئ چترال کا پشاور سے وطن واپسی پر ہر مکتبِ فکر کی طرف سے پُرتپاک والہانہ، مثالی اور شایان شان استقبال ہوا۔ اپنی آمد کے چند دنوں بعد انھوں نے ریاست کے لئے نیا عبوری آئین دیا اسی سال جولائی میں پہلی دفعہ ریاست میں بالغ افراد "مردوں" نے مشاورتی کونسل کے امیدواروں کے حق میں ووٹ دیئے چترال مسلم لیگ کے امیدوار لال سیف اللہ جان، مولانا نورشاہدین سیدافسر جان، چارویلو صاحب نگین اور ظفر احمد خان بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے۔ جبکہ ہز ہائی نس کی طرف سے شہزادہ شہاب الدین، خان عبدالقادر خان، کپتان عبدالرؤف خان

صوبیدار عمرا خان اور سید شاہ عبدالحسن نامزد کیئے گئے۔ مارچ ۱۹۵۴
کو ہزہائی نس نے ریاستی باڈی گارڈ کو ختم کرکے ایک نیئے نظام
کو متعارف کرایا جس کی رو سے گورنرسے چارویلو تک کے تمام
ریاستی عہدے ختم کردیئے گئے۔ ریاست کو دو ضلعوں اور چھ تحصیلوں
میں تقسیم کرکے دو ڈپٹی کمشنرز اور چھ تحصیلدار مقرر فرمایا۔ انتظامی
امور میں تعاون کے لیئے اسٹیٹ پولیس کو منظم کیا گیا۔ اب تک
انجام پانے والے سارے معاملات میں چترال مسلم لیگ کے
قائدین کی تجاویز دراصل شامل تھی۔ باہمی مشاورت سے کئی دوسرے
امور بھی انجام پاتے مگر جلد سے جلد اختیارات پر تسلط وقبضہ
جمانے کے خواہشمند بالائی حکام نے راستے کا کانٹا سمجھ کر
پہلے سے تیار منصوبے کے تحت عوام چترال کے دلوں میں جگہ پاکر
مقبولیت حاصل کرنے والے جوان سال والئی چترال کو ۱۲ اکتوبر
۱۹۵۴ء کو ہوائی حادثے سے دو چار کرکے راستہ سے ہٹائے۔
اس اندوہناک واقعے کے بعد سب کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔
فرنگی کے پرانے شاگرد ہاتھ بڑھانے اور پر پھیلانے شروع
کئے۔ سادہ لوح عوام نئی نئی سازشوں اور طور طریقوں سے
روشناس ہوتے رہے۔ ہر ایک شرافت کے سرٹیفکٹ پر اکتفا
کرتا رہا۔ پولیٹکل راج کے بنیاد کا پتھر دسمبر ۱۹۴۹ء کو
ہی رکھا گیا تھا۔ ان کے لیئے اب میدان صاف تھا۔ ریاست کے

اندر دونوں مسلم لیگ کی باہمی چپقلش کا فائدہ پولیٹکل حکام کو ملتا رہا۔ جنہوں نے اپنے طرز عمل کے ذریعے ان دونوں میں افتراق پیدا کرنے کی کئی صورتیں نکالیں۔ دونوں فریق ہر قسم کے سیاسی فوائد سے محروم ہی رہے۔ دونوں قلاش ہو گئے۔ دونوں گھلتے میں ارمنتنا پھوٹ ڈالنے، تقسیم کرنے اور لڑانے والے فائدے میں رہے۔

پولیٹکل راج کا آغاز ایک گھمبیر المیہ تھا اور اس کا خاتمہ بندر بانٹ کا طربیہ بنتا جارہا۔ اس انسانی تباہی کے، تحقیر کے اس منظر پر خاموشی کفر بھی تھا اور ظلم بھی' یہی وجہ ہے کہ اس کے خاتمے کی کوششوں کو بعض قنوطیت پسندوں نے ہر طرح سے ہدف تنقید بنایا جس کے خونیں پنجوں میں انسانیت تڑپ رہی تھی۔ سابق ریاست کے سبھی باسی بے بس تھے اور بے بسی کے عالم میں ہر کوئی تلملا رہا تھا۔

چترال میں پولیٹکل راج کی اندھیر نگری کے خلاف ۱۹۶۲ء سے پشاور میں مقیم چترالیوں کی تنظیم چترال یونین کے ذمہ داروں نے پرزور آواز اٹھائی۔ نیز اسی یونین ہی کے اسٹیج سے مسلم لیگ کے بعض قائدین جن میں مولوی محمد عقیل مولوی عبدالکریم لال سیف اللہ جان اور چیرمین حاجی اشرف خان وغیرہ بھی پولیٹکل راج کے خلاف متفقہ قرار دادوں' پوسٹروں' اخباری بیانات

اور پریس کانفرنسوں کے ذریعے بھرپور احتجاج اور زور دار آواز بلند کرتے رہے۔ چترال یونین کے صدر محمد نادر خان کی قیادت میں ان کے رفقاء کار محمد سالار خان، ماسٹر ولی الدین، محمد شاہ درانی، حاجی سعید اللہ خان، محمد عزیز خان، شمس الرحمٰن، قاضی خیر محمد، حاجی محمد شاہ، میر غیاث الدین، شیخ عبدالاعظم، حاجی محمد عظیم میر طلعت شاہ، سلطان خان، عبدالرحیم، میر احمد بلبل، میر ولی شاہ ایم جی اسحاق، درویش خان، اے حیات، جی این خان، غلام سید ملی خان، عبدالغفار، میاں محمد، بلان خان، میران خان حافظ فدا محمد، امان اللہ، شیر دلی، شکور ولی، رحمت خان، امیر محمد بزرگ محمد، اختر محمد تاجک، عبدالواحد اور مراد خان وغیرہ نے پولیٹیکل راج کے آئے دن کی زیادتیوں سے تنگ آکر ریاست کے خاتمے اور انضمام پاکستان کا مطالبہ شدت سے کرنے لگے چترال یونین کے اکابرین کی کوشش بار آور ثابت ہوئیں، بالآخر ۲۹ جولائی ۱۹۶۹ء کو نتیجہ ریاست کے خاتمہ اور انضمام کی صورت میں سامنے آیا جس کے اچھے اور برے نتائج کا علم کسی سے مخفی نہیں۔ ہر ایک بخوبی آگاہ ہے۔ مستقبل کا مورخ اس پر تفصیل سے بحث کریگا۔

لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے پاکستان کو بہت کچھ دیا۔ اس میں ذرا بھر شک اور مبالغے کی گنجائش نہیں، مجھے اس بات سے

مکمل اتفاق ہے یقیناً ہم نے وطن عزیز کو بہت کچھ دیا۔ ہم نے
ساڑھے پانچ ہزار مربع میل علاقے پر پھیلی ہوئی اپنی پوری ریاست
سرزمین دی۔ قدرتی جنگلات پر مشتمل وسیع علاقہ دیا۔ معدنیات
سے بھرے ہوئے کوہسار "قدرتی خزانے" پیش کئے۔ سب سے بڑھ کر
اپنے اختیارات اور آزادی پاکستان کی خدمت میں پیش کئے
انگریزوں اور ریاستی غلامی سے نجات پاتے ہی "ہونار رلنی ریشو
موڑ تو" کے مصداق پولیٹکل راج کی بدترین غلامی کا طوق ہمیں
گردنوں میں ڈالنا پڑا جو کہ بیوروکریسی نظام سے وابستہ ہے۔ اور
پاکستان کے دوسرے علاقوں کی طرح یہاں پر بھی خود کو فاتح
اور ہم کو مفتوح سمجھتا ہے۔" بزباد بزباد دیکو ڈڈ سوتے پڑاچ ہریر
"نہ تیرے لئے ڈولی نہ میرے لئے جھجہ" کیا کھویا کیا پایا! بقول
مولانا اورنگزیب مرحوم کہ "بن چکی چترال میں، آٹے کا خانہ
بٹخیلہ میں بنا"۔ یہ تو سواتیوں کی دوستی ہوئی۔ ہر کوئی بخوبی
جانتا ہے کہ چترال کے باسی اشک شوئی کے لئے تھوڑا بہت
پایا لیکن کھویا بہت کچھ جس کا احاطہ کرنا ناممکن سا لگتا ہے۔
کھودا پہاڑ نکلا چوہا والی بات چترال کے مخلص محب وطن
محنت کشوں پر صادق آتا ہے۔

انتظامی بورڈ کے قیام کے ساتھ ہی جاگیرداری نظام کی
جڑیں پہلے کی نسبت زیادہ پھیلتی گئیں۔ ۱۳ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو ہزہائی

سیف الرحمٰن کو سازش کے ذریعے ہوئی حادثے کا شکار کرنے کے بعد چترال کے سیاہ وسفید پر باہر سے آنے والے افراد نے قبضہ جمانا شروع کیا۔ ریاستی حکمران خاندان سے تعلق رکھنے والے ان افراد کو باپ دادوں اور بھائیوں نے اتنا کچھ نہیں دیئے جتنا پولیٹیکل راج کے تاریک ترین دور میں گاؤں کے گاؤں بطور جاگیر ان کے قبضے میں دیئے گئے۔ دروشپ، ارکاری، سیواخت، گہریت اور نغر وغیرہ سے درجنوں خاندان بے گھر کرکے بستی بستی اُجاڑ دیئے گئے۔ چترال کی ترقی کے نام پر حکومتی خزانے کو دونوں ہاتھوں سے بے دریغ لوٹا گیا۔ ایک طرف سے دولت آتی رہی دوسری راہ سے کیش اٹیچی کیسوں میں بھر بھر کر واپس لے جایا گیا جس سے اسلام آباد، پشاور اور حیات آباد میں عالیشان بنگلے تعمیر ہوتے رہے، بنتے رہے۔ اٹھارہ سال تک فرنٹیئر کرائمز ریگولیشن کی ننگی تلوار نہتے عوام کے سروں پر خطرے کا نشان بن کے لٹکتی رہی جس کے چھاؤں میں بدخشی قالینوں کے ساتھ ولایتی کراکری اور ڈنرسیٹوں نے اپنا کرشمہ خوب دکھایا۔
ایک سوٹ کیس اور چھتری لے کر آنے والے جاتے وقت ٹرکیں بھر بھر کرلے جانے لگے۔ بے چارے عوام ان کے آنے اور واپسی کے دلکش مناظر پیارے پاکستان سے پیار کرنے والوں نے محض اپنے پیار کی خاطر اپنے دام مہر بہ لب ہیں۔ ورنہ چترال کے باسی

بھی کا بقول اقبالؒ صاف صاف کہہ رہے ہوتے کہ

؎ میں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کے سلوں سے

میرے لئے مٹی کا حرم اور بنا دو

ایک بات اہل چترال کے پیش نظر رہنا ازبس ضروری ہے، کہ چترال بذات خود حکمرانوں کے لئے ایک مسئلہ ہونے کے تاریخی، جغرافیائی، معاشرتی، تمدنی، معاشی اور مذہبی اعتبار سے بے حد اہمیت کا حامل علاقہ کل بھی تھا آج بھی ہے اور آئندہ بھی رہیگا۔ رب کریم نے اپنی بے پناہ رحمت کی بدولت برصغیر کے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ، ہمیں بھی ہر طرح کی غلامی کی پستیوں سے نکال کر آزادی کی نعمت عطا کی۔

آج ہم اپنے ملک کی آزادی کا پچاسواں سالِ جشن منا رہے ہیں اور ہم بیک وقت ہندو سامراج و انگریز دونوں کی محکومی، بالادستی و غلامی سے یقیناً آزاد ہو گئے ہیں۔ اس وقت ہمیں بتایا جا رہا تھا کہ فرنگی اور ہندو راج کی جگہ خالص اسلامی نظام کا قیام عمل میں آئے گا اور اس ملک میں قرآن و سنت کی حکمرانی ہوگی۔ لیکن صد افسوس کہ اس نظام کا نہ آنا تھا، تا حال نہ آیا، اور نہ ہی قرآن و سنت کی حکمرانی نظر آئی، اور ملک کا ہر سو قرآن و سنت کا بول بالا ہونے سے ہنوز تشنہ باقی ہے۔

پاکستان کے ساتھ ریاست چترال کی الحاق کا پس منظر

پروفیسر رحمت کریم بیگ

۲۲ مارچ ۱۹۴۰ء کو قرارداد پاکستان کی منظوری کے بعد ہندوستان کی سیاسی فضا میں ایک نئی کشمکش کا آغاز ہوتا ہے۔ برطانوی ہند کے اندر مسلمان اپنی ایک قومی تشخص کے لئے سربکف میدان میں اترتا ہے۔ پاکستان بچہ بچہ کی زبان پر ایک نصب العین بن جاتا ہے مسلمان اپنے جلسوں اور جلوسوں میں اسلام زندہ باد اور پاکستان زندہ باد کے فلک شگاف نعرہ لگاتے ہیں تو یہ نعرہ سینکڑوں میل دور پہاڑوں میں گھرے ہوئے ایک چھوٹی ریاست کے باشندوں کو سنائی دیتا ہے۔ نعرے کا جواب نعرے سے اور اللہ اکبر کا جواب اللہ اکبر سے دیا جاتا ہے۔ وہ جواب میں لبیک کہتے ہیں

قرارداد پاکستان کے پاس ہوتے ہی ریاست چترال کے اس وقت کے حکمران پاکستان کی خیالی ریاست سے ذہنی الحاق کر چکا تھا

تعلیم اور مواصلات کی کمی عوامی سطح پر پاکستان کے بارے میں زیادہ اور تازہ معلومات کم تھیں لیکن ہز ہائی نس محمد ناصر الملک کی ذاتی دلچسپی کی وجہ سے عمائدین ملک اور درباری طبقہ تحریک پاکستان سے کسی نہ کسی حد تک روشناس ہو چکا تھا اور وہ اس خیالی ریاست سے الحاق کو اپنے لئے باعث سعادت سمجھنے لگے تھے۔ سر ناصر الملک جدید علوم سے بہرہ مند ہونے کی بدولت تحریک پاکستان کے عوامل، حالات اور واقعات سے خوب واقف تھے اور انگریز کے چلے جانے کے بعد برصغیر کی سیاسی نقشہ کا ایک واضح تصور قائم کر چکے تھے۔ چنانچہ فروری ۱۹۴۱ء میں ہز ہائی نس دہلی چلے گئے۔ اس دورے کا مقصد برطانوی ہند کے اندر رونما ہونے والے سیاسی حالات کا جائزہ لینا تھا۔ اس دورے میں آپ نے قائد اعظم محمد علی جناح، سر ظفر اللہ خان، نواب بہادر یار جنگ اور دوسرے مسلم لیگی رہنماؤں سے ملاقات کی اور حصول پاکستان کے لئے ہونے والی کوششوں اور قربانیوں کے احوال معلوم کئے دوسری طرف آپ نے کانگریس راہنما مہاتما گاندھی اور ڈاکٹر کچلو، سے بھی سیاسی موضوع پر گفتگو کی۔ ہز ہائی نس نے اس موقع پر نامور علماء ابو الکلام آزاد، خواجہ حسن نظامی اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بھی ملے اور علمی، دینی اور سیاسی دلچسپی کے موضوع پر تبادلہ خیال کیا۔ ان ملاقاتوں کے بعد آپ کے

دل میں قیام پاکستان کے لئے ایک ولولہ ایک تڑپ پیدا ہوئی اور مارچ ۱۹۴۱ء میں جب آپ واپس چترال پہنچے تو شاہی قلعہ کے بیرونی گیٹ پر چاند تارے کا نشان لگوا دیا اور قیام پاکستان کی نوید سنادی۔ یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ وہ دورہ ہند کے بعد ذہنی طور پر حصولِ پاکستان کے نصب العین سے وابسطہ ہو چکے تھے اور پاکستان کے لئے چترالی عوام کی ذہن میں بھی ایک نقش بٹھانے میں کامیاب ہوگئے۔ ان کا یہ قدم نہ صرف انگریز کے چنگل سے آزادی کا مژدہ تھا بلکہ یہ ریاست کے اندر بھی عوامی آزادی کا ایک اشارہ تھا۔ ریاستی عوام کے اندر شعور و آگاہی کی ایک لہر دوڑنے کے بعد جب وہ ۱۹۴۳ء میں داعی اجل کو لبیک کہہ چکے تو ان کے جانشین ہزہائی نس سر مظفر الملک نے زمام اقتدار سنبھالا۔

ان کا دور سیاسی طور پر پریشانی کا دور تھا۔ ان کی صحت کی خرابی اور ریاستی عمّال کی بے اعتدالیوں کے نتیجے میں سیاسی حالات تیزی سے بدلتے گئے۔ ریاست کے اندر تحریک آزادی کے کارکن مصروف کار ہو چکے تھے۔ ان میں زیادہ تعداد علماء اور دینی مدرسوں کے طالب علموں کی تھی اور اس وقت کی سیاسی وابستگی کی رو سے ہندوستان کے اندر ان کی حمایت کانگریس کو زیادہ حاصل تھی اس لئے ریاستی حکمران کو کانگریس

دل میں قیام پاکستان کے لئے ایک ولولہ ایک تڑپ پیدا ہوئی اور مارچ ۱۹۴۱ء میں جب آپ واپس چترال پہنچے تو شاہی قلعہ کے بیرونی گیٹ پر چاند تارے کا نشان لگوا دیا اور قیام پاکستان کی نوید سنا دی۔ یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ وہ دورہ ہند کے بعد ذہنی طور پر حصولِ پاکستان کے نصب العین سے وابستہ ہو چکے تھے اور پاکستان کے لئے چترالی عوام کی ذہن میں بھی ایک نقش بٹھانے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کا یہ قدم نہ صرف انگریز کے چنگل سے آزادی کا مژدہ تھا بلکہ یہ ریاست کے اندر بھی عوامی آزادی کا ایک اشارہ تھا۔ ریاستی عوام کے اندر شعور و آگاہی کی ایک لہر دوڑنے کے بعد جب وہ ۱۹۴۳ء میں داعی اجل کو لبیک کہہ چکے تو ان کے جانشین ہز ہائی نس سر مظفر الملک نے زمام اقتدار سنبھالا۔

ان کا دور سیاسی طور پر پریشانی کا دور تھا۔ ان کی صحت کی خرابی اور ریاستی عمّال کی بے اعتدالیوں کے نتیجے میں سیاسی حالات تیزی سے بدلتے گئے۔ ریاست کے اندر تحریک آزادی کے کارکن مصروف کار ہو چکے تھے۔ ان میں زیادہ تعداد علماء اور دینی مدرسوں کے طالب علموں کی تھی اور اس وقت کی سیاسی وابستگی کی رو سے ہندوستان کے اندر ان کی حمایت کانگریس کو زیادہ حاصل تھی اس لئے ریاستی حکمران کو کانگریس

کے مقابلے میں مسلم لیگ کی طرف رفتار تیز کرنا پڑی۔

ہز ہائی نس نے جب اپنے فرزند شہزادہ سیف الرحمٰن کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تو یہ قدم ریاست کے اندر حالات کو مزید خراب کرنے کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ گورنر دروش نے اس ولی عہدی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جس کے نتیجے میں ایک ہنگامی صورت حال پیدا ہوئی۔ گورنر موصوف پر بغاوت اور سرکشی کا الزام لگا کر اسے گرفتار کر لیا گیا۔ لیکن حالات درست ہونے کی بجائے بگڑ گئے۔

اسی زمانے میں "مظالم چترال" نام سے ایک کتابچے کی طباعت اور تقسیم تحریک آزادی کے کارکنوں کی عوامی بیداری کی مہم اور گورنر دروش کی گرفتاری ایسے حالات تھے۔ جن سے پیدا ہونے والی ملک گیر بے چینی ہز ہائی نس کی توقعات کے برعکس تھی۔ ایسی بے چینی کی لہر ریاست کے اندر پہلے کبھی پیدا نہیں ہوئی تھی اور گرتی ہوئی صحت کے ساتھ ان کے لئے اس بار مخالف کا مقابلہ کرنا کچھ زیادہ ہی دشوار نظر آنے لگا۔ انہی دنوں کا ایک واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ہز ہائی نس نے چترال سے اپنا ایک نمائندہ قائد اعظم، گاندھی اور نہرو سے ملاقات کے لئے روانہ کیا اور اسے ایک سوال کا جواب لے کر آنے کے لئے کہا گیا تھا کہ تقسیم ہند کے بعد مقامی ریاستی

حکمرانوں کا مستقبل کیا ہوگا۔

جب مذکورہ نمائندہ پنڈت نہرو سے اپنی ملاقات میں ریاستوں سے متعلق اس کی آئندہ پالیسی پر وہ سوال پیش کیا تو نہرو نے اسے صاف صاف بتادیا کہ ہماری پالیسی یہ ہے کہ تقسیم کے بعد ہم تمام ریاستوں کو ہندوستان میں ضم کریں گے اور سب کو جمہوری حقوق دیئے جائیں گے۔ ریاستوں کو برقرار رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ جواب ریاستی حکمرانوں کے حق میں کوئی فائدہ مند نہ تھا۔ پھر وہ نمائندہ قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کے لئے گئے اور ان کے سامنے بھی وہی سوال دھرایا تو قائداعظم نے نہایت دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے اسے جواب دیا کہ ہم آزادی کے بعد تمام ریاستوں کو اپنا اپنی جگہ برقرار رکھیں گے اور کسی ریاست کے اندرونی معاملات میں دخل نہیں دیں گے۔ وہ نمائندہ دونوں کا جواب لے کر جب واپس پہنچا تو آزادی کے دن بھی قریب پہنچ چکے تھے اور انھوں نے ہزہائی نس کے سامنے دونوں جواب عرض کیئے۔ ظاہر ہے ان دونوں میں قائداعظم کی جواب پرکشش اور حوصلہ افزا تھی لہٰذا ہزہائی نس اور ان کے خاندان کے لیئے دلچسپی کا باعث بنا اور قائداعظم کی حکمت عملی نہایت سود مند ثابت ہوئی اور پاکستان کو ہر طرف سے بھرپور حمایت حاصل ہونے لگی۔

ہز ہائی نس نے تحریک آزادی کے نہایت اہم موڑ پر ریاست
کی طرف سے مکمل تعاون اور حمایت کی پیش کش کی اور اپنا ایک
اور نمائندہ اس سلسلے میں قائد اعظم کی خدمت میں روانہ کیا۔
اور قائد اعظم کی پاکستان فنڈ میں اپنی حکومت کی طرف سے
مبلغ ۴۰ ہزار روپے جمع کئے اور تمام والیان ریاست میں
سبقت لے گئے (تاریخ چترال اردو صفحہ ۲۴۱)

مئی ۱۹۴۷ء میں حکومت ہند نے قبائل اور ریاستوں کے
متعلق امور کے سیکرٹری S.B. shah کو چترال بھیجا ان کے ساتھ
اپنی ملاقات میں ہز ہائی نس نے وائسرائے ہند کو باضابطہ طور
پر اطلاع بھیجا کہ ریاست چترال مملکت پاکستان میں شامل
ہونا چاہتا ہے۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ کی سیکشن ۳۱۱ کے مطابق
ریاست چترال بھی انڈین سٹیٹ کی اصطلاح کے تحت ایک
زیر انتظام ریاست کہلاتی تھی اور قانون آزادی ہند ۱۹۴۷ء
سیکشن ۷ کے تحت ۱۴ اگست کے دن ہندوستان پر برطانوی
اقتدار کا سورج جب غروب ہوا تو اس کے ساتھ ہی وہ تمام
معاہدات خود بخود ختم ہوگئے جو اس وقت تک مقامی حکمرانوں
اور برطانوی ہند کے مابین پا چکے تھے۔ اس تاریخ سے ریاست
چترال کو ان معاہدات سے مکمل آزادی حاصل ہوگئی کہ وہ اپنا مستقبل

جس سے چاہے وابسطہ کرے یا آزاد رہے۔
جس وقت تقسیم ہند کی کاروائی اپنے آخری مراحل میں تھی ان دنوں ریاست چترال کے اندر ایک شورش برپا تھی۔ دروش پر ریاستی باڈی گارڈ کی یلغار اور لوٹ مار نے حکمران طبقے کو بے حد مقبول بنا دیا تھا۔ دوسری طرف لوگ قیام پاکستان کی نوید سننے کی امید میں بڑے پرجوش تھے اور ریاستی دباؤ کو خاطر میں نہ لاکر سڑکوں پر نکل گئے تھے۔ ان حالات میں ہزہائی نس کو عافیت اس میں نظر آئی کہ ریاست کا مکمل پاکستان کے ساتھ الحاق کرکے حکمران خاندان کے بھی گھی ساکھ کو سہارا اور اپنی حب الوطنی میں دوسرے والیان ریاست پر سبقت لے جائے۔

قیام پاکستان کے پرمسرت موقع پر ہزہائی نس نے قائد اعظم محمد علی جناح کو ایک ٹیلیگرام روانہ کیا جس میں ۲ نکات لے مبارکباد اور نمبر۲ پاکستان میں شامل ہونے کے فیصلے کا متن یوں تھا۔

Offer heartiest felicitations at the birth of new muslim state. I and my subjects have decided to Join pakistan and lookforword to concluding a treaty safeguarding our traditional integrety. Metor of chitral

لیکن اس ٹیلیگرام پر کوئی تاریخ موجود نہیں اور یہ تار دہلی بھیجا گیا تھا یعنی اس وقت جبکہ قائداعظم دہلی سے کراچی روانہ نہیں ہوئے تھے۔ اور یہاں میں یہ عرض کروں کہ قائداعظم دہلی سے ۷، اگست کو کراچی روانہ ہوئے تھے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ تار ۷ اگست سے پہلے کا بھیجا ہوا تھا۔ لیکن اس تار کا جواب قائداعظم نے کراچی سے ۲۷ اگست ۱۹۴۷ء کو بذریعہ تار ہز ہائی نس کو روانہ کیا۔ تار کے الفاظ یہ ہیں۔

Dear muzafarul mulk
Thank you very mach indeed for your tel-gram of congratulation and good wishes on The occasion of Th establishment of Pakistan which I deeply appreciate.

your sencerely. M.A Jenah

۱۴، اگست کے دن چترال قلعہ پر ریاست کے مخصوص جھنڈا کے ساتھ پاکستان کا ہلالی جھنڈا بھی لہرایا گیا۔

یہ دونوں ٹیلیگرام اور چند دیگر خطوط و دوسرے اہم سرکاری اور نیم سرکاری کاغذات کے ہمراہ قلعہ چترال سے یہاں کے ایک سابق اے پی اے سردار حزب اللہ خان نے اپنے قبضہ میں لیا جن کا کہنا یہ ہے کہ اس قسم کے کاغذات سالہا سال تک قلعہ کے

اندر ایک تاریک کوٹھڑی میں بند رہنے کی وجہ سے کرم خوردہ تھے اور بعض پڑھنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ سردار حزب اللہ نے ہز ہائی نس مظفر الملک اور قائد اعظم کے درمیان قیام پاکستان کی تاریخ سے لے کر اس سال کے آخر تک بھیجے گئے خطوط کو اخبار "مسلم" میں شائع کرایا۔ ان میں ہز ہائی نس کی جانب سے جو خطوط الحاق پاکستان کے سلسلے میں لکھے گئے تھے ان کی کوئی نقل دستیاب نہ ہو سکی لیکن جو خطوط قائد اعظم نے ہز ہائی نس کو بھیجے تھے وہ تقریباً تمام موجود پائے گئے جن کو پڑھنے سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ ہز ہائی نس کے فلاں خط میں کیا بات تھی۔ قائد کے ان خطوط کو پڑھنے سے کہیں بھی یہ بات نظر سے نہیں گذرتی کہ انھوں نے کسی طرح ہز ہائی نس کو پاکستان میں شامل ہونے کی دعوت دی ہو بلکہ الحاق پاکستان کا فیصلہ ہز ہائی نس نے اپنی صوابدید پر کیا تھا۔ اور اس پر بابائے قوم محمد علی جناح نے صرف ان کا شکریہ ادا کیا ہے۔

۲۰ ستمبر ۱۹۴۷ء کو ہز ہائی نس کی طرف سے بھیجے گئے ایک خط کے جواب میں قائد اعظم نے لکھا "مملکت پاکستان کی سلامتی کے بارے میں آپ کی تشویش کی میں قدر کرتا ہوں مجھے بے انتہا خوشی ہوئی کہ آپ نے پاکستان میں شامل ہونے

کا فیصلہ کر لیا ہے اور آپ نے اپنے خط میں ریاست کی مالی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے ریاستی جنگلات سے دیودار کے پانچ ہزار بنر درخت بطور عطیہ پیش کیا ہے جس کے لئے میں آپ کا ممنون ہوں۔ اسی خط میں دوسری اہم بات ریاست کے اندر معدنی دولت کو بھی بطور عطیہ پیش کیا گیا ہے۔ اس خط کے آخر میں قائد اعظم نے ہز ہائی نس کو الحاق پاکستان کی رسمی کارروائی پورا کرنے کے لئے اپنا ایک نمائندہ کراچی روانہ کرنے کے لئے لکھا ہے۔

اس خط کی وصولی کے بعد ہز ہائی نس نے قائد اعظم کو دوسرا خط لکھا تاہم اس خط کی نقل بھی دستیاب نہ ہو سکی۔ اس خط کے متن کے بارے میں قائد اعظم کے اگلے خط سے یہ پتہ چلتا ہے کہ الحاق پاکستان کی باضابطہ کارروائی سرانجام دینے کے لئے ہز ہائی نس بہ نفس نفیس کراچی جانے کے آرزو مند تھے مگر ان دنوں صحت کی خرابی ان کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ تھی اور اسی نکتہ پر قائد اعظم نے اپنے خط میں اپنی تشویش کا اظہار کر کے یوں لکھا ہے۔

"I am very sorry to learn that you were not well, but I do sincerey hope that you are quite all right now. I need hardly say that I shall be very pleased to see you"

your sencerely. M.A Jenah

اس خط میں قائد اعظم ریلیف فنڈ کے لئے ہزہائی نس کی طرف سے بھیجی گئی رقم مبلغ ۳۰ ہزار روپے پر شکریہ بھی ادا کیا ہے اور خط کے آخری پیرے میں گرم کپڑوں کے اس تحفہ کا بھی ذکر ہے جوکہ ہزہائی نس نے چترال سے مہاجرین کے لئے روانہ کیا تھا۔ اس کے بعد ایک اور خط ہے جس میں ہزہائی نس نے قائد اعظم کو ان کی یوم ولادت پر مبارک باد کا پیغام بھیجا اور ہزہائی نس نے ایک چترالی چغہ اور چترالی ٹوپی بھی قائد کو بطور تحفہ بھیجا اور قائد اعظم نے ان کے تحفے اور مبارکباد کے پیغام کا تہہ دل سے شکر ادا کیا ہے۔

۱۵ر جنوری ۱۹۴۸ء کو ہزہائی نس کی طرف سے ایک خط بالمشافہ ملاقات کی دیرینہ خواہش کا پھر سے اظہار کیا گیا تھا اور قائد اعظم نے اس خط کا جواب یوں دیا۔

I shall be very pleased indeed to see you and I am looking forward to your visit.

قائد اعظم محمد علی جناح اور ہزہائی نس چترال کے مابین اس قسم کی خط و کتابت کے نتیجے میں الحاقِ پاکستان کی باضابطہ کارروائی عمل میں آئی۔ چترال سے ایک وفد ولی عہد شہزادہ سیف الرحمٰن کی قیادت میں کراچی گیا اور الحاق کے بارے میں تفصیلی گفتگو کے بعد واپس آیا اور پھر حکومت پاکستان کی

طرف سے ایک وفد چترال آیا اور الحاق کے دستاویزات پر ہزہائی نس نے باضابطہ طور پر ۶ر نومبر ۱۹۴۷ر کو دستخط کردیئے اس طرح ریاست چترال نے الحاق کے معاملے میں تمام والیان ریاست پر سبقت حاصل کی اور اپنی حب الوطنی اسلام دوستی، وفاداری اور قومی یگانگت کی ایک درخشان مثال قائم کی۔

تحریکِ آزادی میں چترال کے علماء کا کردار

محمد سرفراز علی خان سرفرازؔ

ارشادِ خداوندی ہے کہ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ کہہ دو کہ کیا علم رکھنے والے اور علم نہ رکھنے والے، جاننے والے اور نہ جاننے والے سمجھنے والے اور سمجھ سے عاری لوگ برابر ہو سکتے ہیں ۔

اس آیت مبارکہ سے علماء کرام کی شان واضح ہوتی ہے کہ علماء کرام کا طبقہ معاشرے کا سب سے زیادہ باشعور اور حساس طبقہ ہے جو ہر قسم کے ظلم و استحصال کے خلاف ہر دور میں کلمۂ حق پیش کرتا آیا ہے اور بڑے بڑے مفسدین و جابرین اور مترفین کی بڑی بڑی طاقتوں سے ٹکر لیتا رہا ہے ۔ یہ اس لئے کہ انسانی زندگی میں دو ہی قسم کے رویئے ہوتے ہیں ایک رویّہ خدا سے متعلق بے خبری، احکام الٰہی سے بے بصری اور اپنی انسانی حیثیت سے متعلق جہالت پر مبنی ہوتا ہے جو کہ

فطرت کے خلاف بغاوت بھی ہے اور اپنے مقصدِ حیات سے کوسوں
کی دوری بھی جبکہ دوسرا رویّہ خداوند ذوالجلال کے متعلق عرفان کا
احکامِ الٰہی سے وابستگی کا اور اپنی انسانی حیثیت کی پہچان کا رویّہ
ہے اور یہ رویّہ مقصود خداوندی بھی ہے اور انسانی زندگی کی آبیاری
بھی اور یہی علم پر مبنی رویّہ ہے۔

یہ ایک ازلی حقیقت ہے کہ دونوں رویّوں کی ایک دوسرے
سے ضدّین کے طور پر مخالفت اور مخاصمت رہی ہے۔ علمی رویّے
سے وابستہ علماء کے متعلق سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد
فرمایا کہ میری امت کے علماء اپنے مشن، اپنی دعوت، اپنے کردار
اپنی حق گوئی اور جذبۂ قربانی کے حوالے سے بنی اسرائیل کے
انبیاء جیسے ہیں۔

چترال کے عہدِ سابقہ کے علماء انتہائی ناگفتہ بہ حالات میں
برصغیر کے مختلف علمی اداروں سے حصولِ علم کے بعد فارغ ہوئے
ان میں دارالعلوم دیوبند، مدرسہ نعیمیہ دہلی، مدرسہ ملیہ امینیہ
دہلی، مدرسہ نعمانیہ دہلی وغیرہ سے فارغ التحصیل علماء شامل
ہیں۔ انھوں نے جن نامساعد حالات میں حصولِ علم کا راستہ اپنایا
اس سے کہیں دشوار ترین راستہ حصولِ آزادی کا بھی ان کے سامنے
آیا جس کا انھوں نے انتہائی جرأت و بیباکی، ہمت اور حوصلہ
مندی سے سامنا کیا اور بالآخر اہلِ چترال ان کی منظم جدوجہد

کے نتیجے میں آزادی کی منزل سے ہمکنار ہوئے اس جدوجہد کی تفصیل یہ ہے۔

۱۸۸۵ء میں امان الملک والئ چترال اور انگریزوں کے درمیان دوستی کے معاہدے کا اگرچہ چترال کے سادہ لوح عوام کو موقع پر علم نہ ہوسکا تاہم یہ بات ہی کچھ ایسی نوعیت کی تھی جو چھپائے نہ بنے بالآخر سامنے آگئی کہ والئ چترال نے علاقائی خود مختاری کی خاطر انگریزوں کی بالادستی قبول کی ہے۔ اور اس کے ساتھ دیگر عوامل بھی ایسے تھے جو عام لوگوں کے ساتھ علماء کرام کے دلوں میں بھی کانٹے کی طرح کھٹکتے تھے، مثلاً بردہ فروشی، بیگار اور عام لوگوں کی جائیدادوں پر غاصبانہ قبضے کے اختیارات وغیرہ۔ لیکن یہ معاہدہ علماء کرام کے جذبات کو بھڑکانے کا فوری سبب بنا۔ اس موقع پر چترال سے باہر مختلف مقامات میں مقیم چترالی علماء اور طلباء نے ایک تحریک شروع کی۔ اس تحریک کے قائد حاجی فضل کریم المعروف "کشمی حاجی" تھے۔ مقامی روایتوں میں اس تحریک کو "دشمان بولی اول" کہا جاتا ہے۔ اس تحریک کا مقصد انگریزوں سے اس معاہدہ دوستی اور ریاستی حکمرانوں کے دیگر مظالم کے خلاف آواز اٹھانا تھا۔ یہ علماء مختلف علاقوں سے یکجا ہوکر پشاور سے ایک کاروان کی صورت میں عشریت پہنچے۔ یہاں انھوں نے اس زمانے کے قاضی عشریت المعروف ملا صاحب عشریت کی

حمایت حاصل کرکے ان کی سرپرستی میں دارالحکومت چترال کا رخ کیا۔ دن کو آرام راتوں کو سفر کرتے ہوئے یہ لوگ دینین پہنچے تو انہیں مہتر امان الملک کے حکم پر وہاں ہی روک دیا گیا اور چیو پل کے اس پار آنے کی اجازت نہ ملی کیونکہ یہ لوگ اس زمانے کے روایتی ہتھیاروں سے بھی مسلح تھے۔ امان الملک نے ان سے مذاکرات کا راستہ اختیار کیا اور زبانی معاہدے کی بنیاد پر مفاہمت کے نتیجے میں یہ علماء واپسی پر آمادہ ہوگئے مفاہمت کے مطابق طے پایا کہ چترال سے ہر قسم کے مظالم کا خاتمہ کیا جائے گا البتہ انگریزوں سے دوستی کے متعلق والئ چترال امان الملک نے اپنی معذوری اس شرعی جواز کے ساتھ پیش کیا کہ مسلمان جس کے ساتھ معاہدہ کرتا ہے اسے ایفاء کرتا ہے اور معاہدے کے ساتھ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ وہ خود بھی اس معاہدے پر نادم ہے لیکن بامر مجبوری اس معاہدے کو کالعدم یا منسوخ نہیں کیا جا سکتا۔

اگرچہ اس مفاہمت کے نتیجے میں ریاستی معاملات میں بظاہر کسی تبدیلی کا اثر ظاہر نہ ہوا تاہم ان علماء کو بھی دوبارہ اس سلسلے میں قدم اٹھانے کی مہلت نہ ملی کیونکہ بہت جلد ہی ۱۸۹۲ء میں امان الملک کے انتقال کے بعد چترال خانہ جنگی کی زد میں آگیا جس کا نتیجہ انگریزوں کے چترال پر قبضہ

کی صورت میں سامنے آیا۔

انگریزوں کی آمد کے بعد اعلیٰ حضرت شجاع الملک بطور والیٔ چترال تخت نشین ہوئے۔ نئے حکمرانوں کے اختیارات پہلے کی نسبت کافی حد تک محدود تھے کیونکہ انھیں صرف اندرونی خود مختاری حاصل تھی جبکہ بیرونی معاملات انگریزوں کے ہاتھ میں تھے اور اندرونی معاملات میں بھی انگریز ایجنٹ مختلف طریقوں سے اثر انداز ہوتے رہتے تھے۔ اس وجہ سے اہل چترال میں یہ احساس پرورش پارہا تھا کہ ان کا مہتر خود انگریزوں کا محکوم ہے اور عوام دوہری غلامی میں مبتلا ہیں اس عہد میں علماء کرام میں سے چار نام ایسے ہیں جو حق گوئی اور بے باکی سے مختلف مساجد میں خطابت اور دیگر مذہبی اجتماعات میں اپنی تقریروں کے ذریعے اس بنیادی مسئلے کی طرف لوگوں کو توجہ دلاتے رہے۔ ان میں مولانا عبدالحنان (کاریو مولائی) مولانا عبداللہ بخاری (اورغوچ مولائی) مولانا نور نما برین چمرکھند نو مولائی اور مولانا تاج الدین دروسو مولائی اپنی تقریروں میں علاقائی حکمران اور انگریز دونوں کے کرداروں کے مختلف گوشے عوام کے سامنے لاتے رہے یہاں تک کہ جنگ افغانستان کے متعلق مولانا عبدالحنان کے ایک فتوے کی وجہ انھیں طویل نظر بندی کے دور سے گذرنا

پڑا۔ اسی زمانے میں مستوج کے علاقے میں بھی ایک اور مذہبی تحریک ابھر رہی تھی۔ وہاں پر بھی شدت سے یہ احساس لوگوں کے دلوں میں جاگزین ہو چکا تھا کہ اصل حکمران انگریز ہی سفید و سیاہ کا مالک ہے۔ اس احساس کی شدت اس وقت بھڑک اٹھی جب ۱۹۱۷ء میں ریاستی جبر کے خلاف علاقے کے ایک مذہبی رہنما بلبل شاہ نے آواز بلند کی اور علاقے کے لوگوں کو اپنا ہمنوا بنا لیا۔ اس تحریک کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ۱۸۹۵ء میں مستوج کی چترال سے علیحدگی کے بعد چترال میں نظام عشر کا نفاذ ہو چکا تھا۔ ۱۹۱۴ء میں الحاق مستوج کے بعد عشر کا نفاذ یہاں پر ہو۔ جن کی اکثریت اسمٰعیلیہ مسلک سے تعلق رکھتی تھی بہت شاق گذری۔ کیونکہ وہ عشر اپنے مسلک کے مطابق مذہبی طور پر ادا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ الحاق مستوج کے واقعے اور تین سالوں کے مسلسل تجربے کی بنیاد پر یہ بات بھی اہل مستوج پر واضح ہو گئی تھی کہ نہ وہ نہ ہی ان کا والی ریاستی معاملات میں اپنی مرضی کے مالک ہیں؛ بلکہ بڑے بڑے انتظامی فیصلے انگریزوں کی منشاء کے مطابق ہوتے ہیں۔

تیسری وجہ ایک یہ بھی تھی، کہ یاسین کے حکمران شاہ عبدالرحمٰن بھی یہی چاہتے تھے کہ کسی طرح ریاست چترال کے وہ بالائی علاقے جو کسی زمانے میں ان کے خاندان یعنی خوش وقتے خاندان کی حکومت کے حصے ہوا کرتے تھے دوبارہ ان کی

حکومت کا حصہ بن جائیں اور علاقے کے عوام بھی ایک بااثر قبیلے کے زیر اثر رسوخ یہی رائے رکھتے کہ ان کے علاقہ کی انتظامی حیثیت بحال ہو جس میں ان کی اپنی مرضی کا حکمران ہو جس کے لئے وہ اپنے رضاعی بیٹے پہلوان کے فرزند شاہ عبدالرحمن کو موزوں سمجھتے تھے۔ بلبل شاہ کی رشتہ داری شاہ عبدالرحمن سے ساتھ تھی۔ اس رشتے کی وجہ سے شاہ عبدالرحمن کی آشیرباد حاصل کرکے بلبل شاہ نے اپنی تحریک اسمٰعیلیہ مذہب کی بنیاد پر چلائی۔ جن لوگوں نے ان کا ساتھ نہ دیا ان کا سماجی مقاطعہ کیا گیا۔ یارخون، مستوج اور زیرین دیہات سے لوگ جوق در جوق اس تحریک میں شامل ہوتے گئے اور اپنی آزادی کا اعلان کرنے لگے۔ اس دوران حکومت برطانیہ کے نمائندے کے مشورے پر سر شجاع الملک نے ریاستی فوج کے دستے مستوج روانہ کیا۔ اور راتوں رات بلبل شاہ اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کیا گیا۔ ان کی جائیدادیں ضبط کرلی گئیں اور بلبل شاہ کو ملک بدر کیا گیا۔ اگرچہ یہ تحریک مستوج کی حد تک مذہبی اور عوامی تحریک تھی لیکن پھر آزادی کی علاقائی تحریک ہونے کی وجہ سے کامیاب نہ ہوسکی۔ اس کی پذیرائی چترال سے نہیں ہوئی اور یوں کسی حد تک یہ تحریک بے نتیجہ ختم ہوگئی۔ تاہم پہلی دفعہ یہ شعور ابھرا کہ انگریزوں

اور ملاتمائی حکمرانوں کے خلاف تحریک چلائی جاسکتی ہے اور ریاستی جبر کے خلاف لب کشائی ہوسکتی ہے۔ اس واقعے سے اگر ایک طرف یہ شعور اُجاگر ہوا تو دوسری طرف انگریز حکمرانوں کے روّیئے متنفر عوامی طبقہ بلبل شاہ اور اس کے ساتھیوں کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے۔ اس لئے کچھ عرصے تک ہر قسم کی تحاریک زیر زمین چلی گئیں اور نسبتاً خاموشی سی چھائی رہی یہاں تک کہ ۱۹۲۴ء میں ایک دفعہ پھر علماء کرام نے انگریزوں کی سرپرستی میں نقطۂ عروج پر پہنچنے والی بدیسی ثقافتی خرابیوں کے خلاف پھر ایک آواز ہوگئے۔ اب کی بار قصہ بہت آگے بڑھ چکا تھا اور جال فریب سے یہ لوگ رگِ جان تک پہنچ چکے تھے جس کا اگر بروقت تدارک نہ کیا جاتا تو آج چترال کا مذہبی اور ثقافتی نقشہ یقیناً مختلف ہوتا۔ انگریزوں کی آمد کے بعد باہر سے کافی تعداد میں مختلف مذاہب سے لوگ یعنی سکھ، ہندو اور گورکھا یہاں پہنچ چکے تھے۔ بازار دروش بازار چترال اور دیگر کاروباری مراکز میں ہندو مہاجن اور ساہوکار اپنے کاروبار شروع کر رکھے تھے۔ اس کے علاوہ مختلف سرکاری شعبوں میں ہندو اور دیگر مذاہب کے ملازمین کی تعداد میں کافی اضافہ ہو چکا تھا۔ ان مختلف مذاہب کے لوگوں کی یہاں سکونت حاصل کرنے کے ساتھ ان کے ثقافتی

اثرات یہاں ظاہر ہونا شروع ہوئے۔ انگریزوں نے سازش کے تحت ہندوؤں کے لئے دروش چھاؤنی کے علاقے کی مسجد متصل سرکاری طور پر ایک مندر تعمیر کرنے کی منظوری دی اور اس پر کام بھی شروع کیا گیا۔ جہاں ہندو مسلمانوں کی نماز کے اوقات میں بھجن بجاتے تھے۔ گائے ذبح کرنے پر پابندی لگا دی گئی۔ دروش بازار میں پہلی دفعہ ایک شراب خانہ کھولا گیا۔ ساتھ ہی جھٹکے کا گوشت بلا تفریق مسلم وغیر مسلم صارفین کے لئے بازار میں بکنے لگا۔ ان باتوں کی وجہ سے دروش کے مسلمانوں کی غیرت جاگ اٹھی اور انھوں نے ایک تحریک شروع کی اس تحریک کے قائد مولانا عبدالغفار المعروف "سوئیر مولائی" ابتدا ہی میں گرفتار کر لیئے گئے۔ جس کی وجہ سے لوگ مشتعل ہوکر مندر کی تعمیر میں حصہ لینے والے مزدوروں اور سرکاری ذرائع نقل وحرکت پر ہلہ بول دیا جس کے نتیجے میں کافی لوگ زخمی ہوگئے۔ ان زخمیوں میں آنیسر انچارج سپلائی اینڈ ٹرانسپورٹ میجر ایس، بی، ڈی ایڈم بھی شامل تھے۔ دروش کے عوام نے اوٹھیک پل پار کرکے اپنی صف بندی کیں۔ دوسری جانب ریاستی فوج کو بھی حرکت میں لایا گیا لیکن مہتر شجاع الملک اس موقع پر حالات کی نزاکت کے پیش نظر ولیعہد شہزادہ ناصر الملک کو دروش بھیجا تاکہ مذاکرات

کے ذریعے لوگوں کے جذبات کو سرد کیا جا سکے۔ ناصر الملک نے دروش پہنچکر کوئی ناخوشگوار واقعہ رونما ہونے سے پہلے ہی اس معاملے کو مفاہمت کے ذریعے حسن انجام تک پہنچایا۔ جس کے مطابق طے پایا کہ شراب خانہ بند کر دیا جائے گا بازار میں صرف اور صرف حلال گوشت ہی فروخت کیا جائے گا۔ مندر میں پجاریوں کو اس بات کا پابند بنایا جائے گا کہ وہ مسلمانوں کی نماز کے اوقات میں کوئی بھجن نہیں گائیں گے اور دیگر اوقات میں پوجا پاٹ کریں گے۔ اس تحریک میں علاقے کے عوام کو خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی اور وہ اپنے مطالبات تسلیم کرانے میں کامیاب ہو گئے۔ [1]

اس تحریک کے قائدین میں مولانا عبدالغفار مولانا قلندر شاہ اور مولانا تاج الدین شامل تھے۔

اس تحریک کے بعد علماء کی تحریک مدھم رہی اس کی ایک بنیادی وجہ یہ تھی کہ شجاع الملک کی وفات کے بعد اہل چترال کو ناصر الملک جیسا عالم، فاضل، مفکر، مدبر اور دیانتدار حکمران

---

[1] اس تحریک میں اگرچہ ناصر الملک کی کوششوں کے نتیجے میں مسلمان مندر اور دھرمسال کی تعمیر پر کسی قسم کی مداخلت نہ کرنے پر راضی ہوئے تھے لیکن انتظامیہ اور ہندوؤں دونوں نے خوف کی وجہ سے اس مندر کی تعمیر روک دی اور نہ یہ مندر تعمیر ہو سکی۔

ملا جو کہ خود آزادی کی جدوجہد میں صفِ اول کے راہنماؤں میں
شمار ہوتے تھے۔ انھوں نے اندرونی طور پر کوئی بے اطمینانی اور
بدنظمی پیدا نہ ہونے دی۔ ریاستی کارندوں کو لگام دیا۔ علماء کی
قدر دانی کی تعلیم کے مواقع پیدا کرنے کی خاطر جدید سکول کی
بنیاد رکھی۔ مظالم کا خاتمہ کیا۔ دوسروں کی جائیدادوں پر
غاصبانہ قبضے کی روایت ختم کی اور لوگوں کے دلوں میں اپنا
ایسا ناقابلِ تسخیر مقام پیدا کیا کہ آج بھی ان کا نام نہایت
عزت واحترام سے لیا جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ مسلم لیگ کے
بانی راہنماؤں سے ان کے قریبی تعلقات رہے اور اپنے دور
حکومت میں انھوں نے یہاں تحریک کے کارکنوں کو آزادی
کی ذہنی تربیت بھی دیتے رہے۔ حصول آزادی کے پیچ
وخم سمجھاتے رہے۔ اس راستے کے نشیب و فراز بھی بتاتے
رہے۔ یہی وجہ ہے جب اس دوران علاقے کا حکمران ہی تحریک
آزادی کا معلم و مربی رہا تو اندرونی طور پر علماء کو بھی کوئی
تحریک ابھارنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی

ناصر الملک کی وفات کے بعد مظفر الملک کی حکومت کے
دوران پھر وہی خرابیاں پہلے سے دوچند ہو کر نقطۂ عروج
تک پہنچ گئیں جن کی وجہ سے لوگ پہلے ہی حکمرانوں سے
بیزار ہو چکے تھے۔ اس دوران ریاستی ظلم و جبر انتہا کی حدوں کو

کو چھونے لگا۔ عام لوگوں کی جائیدادوں پر غاصبانہ قبضہ اتنا
عام اور معمول بن گیا کہ ریاستی اہل کاروں کا کوئی قریبی تعلقدار
کسی بھی وقت کسی غریب کا گھر اجاڑ سکتا تھا۔ امراء کی عیاشیاں
ضرب المثل بن گئیں۔ تو ایسے حالات میں ایک تنظیم قرآن لیگ
کے نام سے ۱۹۴۵ء میں وجود میں لائی گئی۔ اس تنظیم کے بانیوں
میں مولانا قلندر خان، مولانا عبدالکریم، مولانا نورالعین اور
مولانا شہزادہ گل شامل تھے جنہیں شہزادہ حسام الملک کی
بھی حمایت حاصل تھی۔ لیکن یہ تنظیم کوئی کارکردگی پیش کرنے
سے پہلے ہی ختم ہوگئی تاہم اس تنظیم کا ایک فائدہ یہ ہوا
کہ ۱۹۴۶ء کی عظیم تحریک اس تنظیم کے لائحہ عمل کی روشنی میں
پیدا کی گئی۔ ۱۹۴۶ء کے تحریک کے عوامل تقریباً وہی تھے جو
اس تنظیم کی بنیاد کے باعث ہوئے۔ لیکن مولانا محمد عقیل کی
ایک متنازعہ تقریر پر ان کی گرفتاری اس تحریک کا فوری
سبب بنی۔ ساتھ ہی والئی چترال نے گورنر دروش کو قلعہ بروغل
لشٹ سے یہ شاہی فرمان بذریعہ ٹیلی فون جاری کیا کہ مولانا عقیل
کی اس طرح خبر لی جائے کہ مولانا کی چیخیں بروغل لشٹ قلعے
میں بیٹھ کر دروش سے وہ خود بھی سن سکے۔ مولانا کی دروش
میں گرفتاری اور اس پر تشدد کرنے کے شاہی حکم کی خبر
دروش اور نواحی دیہات میں جنگل کی آگ کی

طرح پھیلی۔

مئی کا مہینہ بہاروں کی جوبن ۱۹۴۶ء تاریخ چترال کا ایک عظیم الشان جلوس علماء کرام کی قیادت میں نکالا گیا۔ راستے میں برابر لوگوں کی اس جلوس میں شرکت سے جلوس میں اضافہ ہوتا گیا اور دروش سے روانہ ہوکر شام کو یہ جلوس ایون پہنچا اور پولو گراؤنڈ ایون میں علماء کرام نے اس جلوس سے خطاب کیا۔ ریاستی مظالم کے خلاف تقریریں کیں۔ اس جلسے اور جلوس میں ریاستی حکمرانوں اور انگریزوں کے خلاف جس بیزاری اور غصے کا اظہار کیا گیا اس پر دارالحکومت چترال کے ایوان اقتدار اور حاشیہ نشینوں پر قیامت سی آگئی۔ انگریزوں اور ریاستی حکمرانوں کو پہلی دفعہ ناقابل تسخیر عوامی قوت کا اندازہ ہوا جو کہ ریاستی اشرافیہ کے خلاف بھرپور طور پر فتح حاصل کر رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ رات کو ریاستی اشرافیہ کے اہم اور چیدہ چیدہ افراد ایون پہنچ گئے تاکہ کس طرح صلح و صفائی سے کام لیکر عوامی آواز کو ایک بار پھر دبا دیا جائے۔ ریاستی اہل کاروں اور علماء کے درمیان رات بھر مذاکرات ہوتے رہے۔ لیکن علماء کرام اپنی عوامی طاقت کا بھرپور مظاہرہ چترال میں پہلے تاریخ کو "عوامی طور پر" پیش کرنا چاہتے تھے کہ نصف صدی تک ایک خاندان انگریزوں کی حمایت و نصرت کے باوجود

اور ان کے سایۂ اقتدار میں رہ کر بھی آج مستضعفین کے سامنے شکست خوردہ ہے۔ اگرچہ ظاہری شان و شوکت سے اس خاندان کی حکومت ظاہر بین نگاہوں کو خیرہ کرتی رہی لیکن دلوں کی تسخیر دلوں پر حکومت اس خاندان کے بس کا روگ نہیں نہ ہی اس حکومت کے مربّیا انگریزوں کی عیّارانہ چالبازیوں سے ممکن ہے۔ اس لئے جلوس نے اپنا سفر دوسرے دن بھی جاری رکھا۔ بالآخر انگریز ایجنٹ بھی سراسیمگی کی حالت میں ان کے پاس پہنچکر کہنے لگا کہ والئ چترال اس دوران شدید بیماری میں مبتلا ہے اور اس جلسے جلوس کے صدمے کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ بہتر یہ ہے کہ آپ لوگ یہ ہنگامہ ختم کرکے منتشر ہوجائیں۔ لیکن انھیں یہ کہہ کر واپس کردیا گیا کہ یہ ہمارے آپس کی بات ہے ہم جانیں یا والئ چترال تم بیچ میں ٹانگیں اڑانے والے کون ہوتے ہو کہاں سے آگئے۔ جاؤ تم اپنے کام سے کام رکھو ہم اپنے کام سے کام رکھیں گے۔ جلوس نے پولو گراؤنڈ چترال پہنچ کر جلسہ کیا اور یہاں پر بھی پورے زور کے ساتھ اہل چترال پر ریاستی مظالم کے خلاف تقریریں کی گئیں۔

حالات کی نزاکت کو دیکھ کر وزیر اعظم مہتر جو دلارم خان کو والئ چترال کی طرف سے پیغام صلح کے ساتھ جلوس کے

پاس بھیجا گیا تو انھیں شرکائے جلوس کی طرف سے مطالبات کی فہرست کے ساتھ والئ چترال کے پاس واپس کر دیا گیا اگر انھیں مطالبات کی یہ فہرست منظور ہے تو پھر مفاہمت ہو سکتی ہے۔ اس فہرست کی بنیاد پر والئ چترال اور علماء کرام کے درمیان ایک تحریری معاہدہ محررہ ۵ مئی ۱۹۴۶ء کے مطابق مفاہمت ہونے پر یہ احتجاجی تحریک ختم ہوئی یہ معاہدہ نامہ ۲۳ زکات پر مشتمل ہے۔

اس معاہدے کے تحت ریاست میں طریقۂ حکومت شریعت محمدی ٹھہرا۔ پہلی دفعہ ہنڈال بشو کے نام سے لوگوں کی جائیدادوں پر ریاستی اہل کاروں کے ناجائز قبضے کی روایت قانونی طور پر ختم کرنے کی کوشش کی گئی اور بیٹیاں بھی میراث میں حصہ دار تسلیم کی گئیں، ریاستی کاموں میں بیگار کی لعنت ختم کر کے اجرت اور معاوضے کی حیثیت کو اصولی طور پر تسلیم کیا گیا۔ قضاۃ یعنی عدلیہ میں قاضی مقرر کرنے کے لئے والئ چترال کو علماء سے مشورے کا پابند بنایا گیا۔ نمک، چینی اور مٹی کے تیل کے لئے ٹھیکے کا نظام ختم کر کے ان اشیاء ضرورت کو کھلی مارکیٹ کی سہولت دی گئی۔

اس طرح کی بنیادی نوعیت کے بیشتر عوامی مسائل کے

متعلق ریاست اور عوام کے درمیان پہلی دفعہ ایک معاہدہ عمل میں آیا جس کی معاہدے کے طور پر اہمیت اپنی جگہ اس کے ساتھ اس معاہدے کو اگر ہم چترال کا پہلا دستور ریاست بھی قرار دیں تو بھی حقیقت ہوگی۔ یہ الگ بات ہے کہ اس پر کتنا عمل ہوا۔

اس تحریک کے قائدین میں مولانا نور شاہدین، مولانا اینزگل مولانا محمد عقیل، مولانا عبدالغفار، قاضی محمد نعیم، قاضی حضرت الدین، قاضی صاحب نظام، مولانا حیات شاہ، مولانا اورنگزیب مولانا اکبر ولی، مولانا غلام جیلانی، مولانا جمروز خان، مولانا نور العین، مولانا قلندر خان، مولانا محمد طیب، مولانا محمد شریف وغیرہ سینکڑوں علماء شامل تھے۔ اس تحریک سے وابستہ ان علماء کرام میں سے مولانا نور شاہدین اور مولانا اورنگزیب کے خلاف مقدمۂ بغاوت قائم کرکے ان کی گرفتاری کیلئے بھرپور کوشش کی گئی لیکن یہ دونوں چترال چھوڑ کر محفوظ مقام تک پہنچ گئے تھے اس وجہ سے ان کی گرفتاری عمل میں نہ آسکی۔ چونکہ یہ تحریک خالصتہً علماء کی قیادت میں چلی تھی اس وجہ سے اس تحریک کو دشمان ڈہو دوم بھی کہا جاتا ہے۔

اس تحریک کے نتیجے میں طے پانے والے معاہدے کے

بعد طرزِ حکومت میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی۔ دوسری طرف علماء کرام بھی خاموش نہیں بیٹھے تھے۔ ان ہی دنوں دہلی میں زیر تعلیم چترالی طلباء کی تنظیم جمعیت طلبائے چترال نے ایک پمفلٹ "مظالم چترال" کے نام سے شائع کیا جس میں چترال کے حکمرانوں کے مظالم کی تفصیلات کو منظرِ عام پر لایا گیا۔ اس پمفلٹ کے مندرجات سے ایسا معلوم ہوتا ہے، علماء چترال کی ہمدردیاں اس وقت کانگریس اور جمعیت علماء ہند کے ساتھ تھیں۔ جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ریاستی حکمران قائداعظم مسلم لیگ میں شامل ہوچکے تھے اور انہیں برصغیر کی تقسیم یقینی معلوم ہورہی تھی اس لئے وہ مسلم لیگ کے سائے میں اپنا اقتدار برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ اس کے ردِ عمل میں علماء کرام کو بھی یہ اندازہ تھا کہ مسلم لیگ کی حریف جماعت کانگریس جو تقسیم کی صورت میں چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے وجود کے خلاف تھی اہل چترال کے لیے ریاستی نظام سے نجات حاصل کرنے کے سلسلے میں معاون ثابت ہوسکتی ہے۔ اس لئے کانگریس اور اس کی حلیف جماعت جمعیت علماء ہند سے تعاون کرنا چترال کی مفاد میں ہے۔ علاوہ شہزادہ حسام الملک بھی کانگریس سے تعلقات ہموار رہے تھے اور علماء کرام کے ساتھ ان کے قریبی تعلقات کی وجہ سے کانگریس سے علماء کرام کا رشتہ

استوار ہو چکا تھا لیکن شہزادہ حسام الملک کی گرفتاری اور
روپوشی میں ان کی نظر بندی کے دوران علماء کرام سے ان کا
رابطہ یک گونہ منقطع سا رہا۔ ساتھ ہی کانگریس کی مسلم دشمنی اور
بدترین ہندو قوم پرستی بھی علماء کرام کے سامنے واضح ہو گئی۔ اس
لئے چترال کے علماء پہلے پشاور پھر چترال کے اندر مسلم لیگ کے
ساتھ ذہنی طور پر وابستہ ہو گئے۔ لیکن چترال کے سیاسی
حالات میں باقاعدہ تنظیم سازی کے لئے انہیں وقت درکار
تھا۔ اس دوران بھی علماء کرام چترال کے سیاسی ماحول پر چھائے
رہے۔ یہ ایسا زمانہ تھا کہ برصغیر پاک و ہند کی تاریخ نئے دور
میں داخل ہو رہی تھی اور ملک کی تقسیم کے مرحلے کی آمد
آمد تھی۔ اگرچہ والئ چترال مسلم لیگ میں شامل ہو کر اس
کے سیاسی پروگرام کی تکمیل میں مکمل تعاون کر رہا تھا تاہم علمائے
کرام کو اپنی جگہ یہ فکر دامن گیر تھی کہ کہیں چھوٹی چھوٹی نیم خود
مختار ریاستیں اپنے وجود کو برقرار رکھنے کے لئے کوئی مشترکہ
لائحہ عمل ترتیب دیکر عوام کی مرضی کے خلاف سازشیں نہ کر
بیٹھیں۔ اس لئے والئ چترال سے علماء کی طویل ملاقاتیں
ہو رہی تھیں اور ہر وقت شاہی دربار میں ان کی حاضری
رہتی تھی۔ والئ چترال سے اس طرح کی ایک ملاقات علمائے
دروسس نے بر موضع لشٹ میں کیں۔ یہ ملاقات ۱۹۴۶ء

میں ہوئی جس میں مولانا عبدالکریم، مولانا تاج الدین اور مولانا قلندر خان موجود تھے، مولانا عبدالکریم اور مولانا تاج الدین نے الحاق پاکستان کے حق میں دلائل پیش کئے۔ اس موقع پر قاضی حضرت الدین نے جو پہلے ہی اس مجلس میں بیٹھے تھے ان کے دلائل کی تائید کی اور والئی چترال نے بھی ان سے مکمل اتفاق کیا۔ ۱۴ اگست کو ایک نئی اسلامی مملکت پاکستان کے نام سے نام سے وجود میں آئی تو ریاست چترال کو پاکستان سے سب سے پہلے الحاق کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔

پاکستان بننے کے بعد ریاست چترال کا انتظامی ڈھانچہ کسی تبدیلی کے بغیر وہی رہا جس کے متعلق عام تاثر یہی تھا کہ یہ ظلم و استحصال کی علامت ہے۔ ساتھ ہی ریاستی حکمرانوں کے مزاج اہل کاروں کے عادات اور مجموعی طور پر عوامی زندگی میں پہلے کی نسبت کوئی فرق محسوس نہ ہو سکا۔ مظفر الملک کی وفات کے بعد سیف الرحمن ۱۹۴۹ء میں تخت نشین ہوئے تو بھی حالات وہی رہے جن سے عوامی بیزاری کا رجحان وابستہ تھا۔ اس دوران اہل مستوج نے تبدیلی کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے جس کے نتیجے میں اتالیق سرفراز شاہ اور اس کے متعلقین گرفتار کرائے گئے۔ اس تحریک کے بعد علمائے چترال انسٹیٹیوٹ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر یک جا ہو گئے اور

مسلم لیگ کی باقاعدہ تنظیم سازی ہوئی۔ مولانا نور شاہدین اس کے صدر مقرر ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی نیشنل گارڈ کی تشکیل ہوئی اور سالاروں کو نیشنل گارڈ کی تربیت کی ذمہ داری سونپی گئی ۱۳ اگست ۱۹۴۹ء کو مسلم لیگ نے ایک عظیم الشان جلوس نکالا جسمیں چترال کے تمام علاقوں کے لوگ شریک ہوئے۔ یہ جلوس شہ ڈوک سے لے کر پولوگراؤنڈ چترال تک انسانی سروں کا ایک سمندر دکھائی دیتا تھا۔ جلوس پولوگراؤنڈ پہنچکر جلسہ منعقد کیا اس جلسے سے چترال کے تمام چیدہ چیدہ علماء نے خطاب کیا۔ ان علماء نے ریاستی نظام میں اصلاحات اور ذمہ دار حکومت کا مطالبہ کیا۔ بالآخر اس تحریک کے نتیجے میں انتظامی بورڈ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ یہاں سے چترال پر پولیٹیکل راج کی نئی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ جو ۲۹ جولائی ۱۹۶۹ء تک قائم رہی۔ اس دوران بھی علماء مختلف مرحلوں پر عوام کی قیادت کرتے رہے۔

چترال کی تحریک آزادی میں حصہ لینے والے علمائے کرام کی فہرست خاصی طویل ہے کیونکہ تحریک آزادی کے حوالے سے یہ بات مسلمہ حقیقت ہے کہ اگر اعلیٰ سطح کی قیادت جدید تعلیم یافتہ شخصیات کے پاس تھی تو علاقائی اور مقامی سطح پر علماء ہی تحریک کے مقاصد کی تکمیل میں اپنی خدمات پیش کررہے تھے

چترال کے جن علماء نے اس تحریک میں بھرپور انداز سے شریک رہے اور ہر مرحلے پر پیش پیش رہے۔ ان میں مولانا نور شاہدین چمرکن، قاضی محمد نعیم اورغوچ، مولانا اکبر ولی اورغوچ، مولانا عبداللہ بخاری اورغوچ، مولانا حیات شاہ چمرکھون مولانا غلام جیلانی بروز، قاضی عزت الدین ستوچ، قاضی غلام نبی سرؤے قاضی عبدالقیوم تورکھو، مولانا اورنگزیت پرئیت، مولانا محمد عقیل دینین، مولانا نورالعین بمبوریت، مولانا جمروز خان ایون قاضی صاحب نظام ایون، مولانا بدرالدین تریچ، مولانا امیر علی تریچ، مولانا عبدالکریم تریچ، مولانا محمد یوسف ژوغوز، قاضی نور محمد کوشٹ، مولانا محمد شریف چمرکھون، مولانا محمد طیب چمرکھون مولانا عبدالرحمن کوغذی، مولانا عبدالعلیم برغوزی، مولانا بلور خان سنگور، مولانا قلندر خان دروش، مولانا امیر خان دروش مولانا تاج الدین دروش، مولانا محمد وزیر سنگور، مولانا صاحب الزمان اویون اور مولانا شہزادہ گل ایون شامل تھے۔

علماء کرام کا یہ قافلہ سخت جان یقینی طور پر ہمارے لئے ایک نئی صبح کا نقیب رہا۔ ان میں سے یقینی طور پر بعض ایسے بھی ہوں کے جو اپنی تمناؤں کی صبح ہونے سے پہلے ہی دنیا کی منزل چھوڑ چکے اور بعض اب بھی انتظار میں بیٹھے ہیں۔ آزادی کی صبح یقیناً طلوع ہوئی لیکن وہ صبح پچاس

سال کے بعد بھی دور سی لگتی ہے جس کی آرزو لے کر یہ علمائے کرام شہادت گہہ الفت میں قدم رکھتے تھے. پھر بھی امید کی جاتی ہے کہ وہ سحر کسی بندۂ مومن کی اذاں سے طلوع ضرور ہوگی جو صرف اور اسلامی انقلاب کے بعد ممکن ہے.

یہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستاں وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

(حصہ ب)

پولیٹیکل راج

چترال مسلم لیگ کی تحریک کے نتیجے میں ۹، دسمبر ۱۹۴۹ء کو ریاستی انتظامی بورڈ کا قیام عمل میں لایا گیا اور والئ چترال سیف الرحمٰن کو انتظامی تربیت کے بہانے ۱۳ اپریل ۱۹۵۳ء تک چترال سے باہر رکھا گیا۔ اس دوران ریاستی نظم و نسق ایڈیشنل پولیٹیکل ایجنٹ کی سربراہی میں قائم انتظامی بورڈ کے ہاتھوں میں رہا۔ ان حالات میں مسلم لیگ کی تحریک بھی زوروں پر رہی۔ انتظامی بورڈ بھی حکومت پاکستان کے نمائندے کے سہارے مختلف اوقات میں مفادات کی جنگ میں بھرپور حصہ لیتا رہا۔ ۱۹۵۰ء میں مسلم لیگ کے ایک جلسے کو مشتعل کرکے حالات خراب کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس جلسے میں ایک طرف ڈنڈوں کا بے تحاشا استعمال کیا گیا۔ دوسری طرف مسلم لیگی رہنماؤں کو گرفتار کرکے تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ بورڈ والوں کو یہ اندازہ تھا کہ شاید ریاست چترال میں سابق دور کے انتظامی مرکز "قلعہ" پر اس طرح حملہ کرانے کی کوشش کامیاب ہو سکے گی۔ لیکن چترال کے باسی بھرپور طور پر یہ احساس رکھتے تھے کہ اس وقت اقتدار کا مرکز شاہی قلعہ

ایسا ذریعہ آمدنی موجود نہ تھا جس کے ذریعے انتظامی اخراجات کے ساتھ ترقیاتی منصوبوں پر بھی عمل کیا جا سکے۔ حکومت پاکستان کی طرف سے ترقیاتی کاموں کی مد میں کوئی قابل ذکر فنڈ دستیاب نہ تھا۔ ساتھ ہی سابق امراء کے لئے جو وظائف ریاستی دور میں مقرر تھے وہ وظائف اس دور میں بھی مقرر رہے۔ یہ صورتحال ۱۹۵۳ء تک برقرار رہی۔ ۱۹۵۳ء میں والیٔ چترال کی واپسی کے ساتھ مشاورتی کونسل کے انتخابات عمل میں آئے اور ریاست میں انتظامی تبدیلیاں رونما ہونے لگیں۔ ریاستی باڈی گارڈ کو ختم کر کے سٹیٹ پولیس فورس کی تشکیل ہوئی۔ اپریل ۱۹۵۴ء میں ریاست میں جدید نظام کا اعلان ہوا جس کے مطابق تمام ریاستی عہدے ختم کئے گئے۔ ریاست کو دو ضلعوں اور چھ تحصیلوں میں تقسیم کر کے ان کے لئے انتظامی عہدیدار کے طور پر دو ڈپٹی کمشنر اور چھ تحصیلدار مقرر کئے گئے۔ یہاں سے باقاعدہ ایف سی آر کا دور شروع ہوتا ہے۔ اکتوبر ۱۹۵۴ء میں والیٔ چترال سیف الرحمٰن ایک فضائی حادثے کا شکار ہوا جسے مقامی روایتوں کے مطابق ایک سازش کے تحت رونما ہونے والا واقعہ تصور کیا جاتا ہے کیونکہ انتظامی امور کی تربیت کے دوران سیف الرحمٰن ہری پور جیل کے ایک ذمہ دار آفیسر اپنے دوست کی وساطت سے سرحد کے سرخپوش خان برادران سے

ملاقات کر چکے تھے اور ان کی ترغیب سے پختونستان تحریک میں شامل ہو چکے تھے۔ ساتھ ہی سیف الرحمٰن ۱۹۵۱ء کے اوائل میں اپنے قریبی عزیزوں کو اس پروگرام پر عمل درآمد کے لیئے امیر افغانستان شاہ ظاہر شاہ کے پاس بھیجا تھا۔ کابل میں مقیم شہزادہ آبحیات خان بھی اس سلسلے میں ضروری خدمات انجام دے رہا تھا۔ ۱۹۵۲ء میں سیف الرحمٰن کی چترال واپسی تک پختونستان کی ہوا چترال کے سرحدی علاقوں تک پہنچ چکی تھی۔ یہاں سے کئی افراد افغانستان کا دورہ بھی کر کے آئے تھے۔ اس لیئے پاکستانی حکام کو خدشہ تھا کہ کہیں ساڑھے پانچ ہزار مربع میل پر پھیلا ہوا یہ علاقہ غلط فیصلے سے دوبارہ اپنی آزاد ریاستی حیثیت حاصل نہ کرے اور دوسری طرف سیف الرحمٰن بھی حکام پاکستان کے رویے سے خاصے بددل ہو چکے تھے۔ اس باب میں مسلم لیگ بھی ذہنی طور پر ان کا ساتھ دینے کے لیئے تیار تھا۔ اس لیئے موقع کو غنیمت سمجھ کر ایک سازش کے تحت والئی چترال کے طیارے کو حادثے سے دوچار کر دیا گیا تاکہ چترال کو علیحدہ ریاست کے طور پر احیاء کرنے کا موقع ہی باقی نہ رہے سیف الرحمٰن کے انتقال کے بعد چترال پر پولیٹیکل راج شایان شان طور پر قائم ہوا اور ایف سی آر کا بے دریغ استعمال ہوتا رہا۔ پولیٹیکل حکام مسلم لیگ کو بھی تین دھڑوں میں

تقسیم کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ مسلم لیگ کا ایک دھڑا اتالیق سرفراز شاہ کی قیادت میں، دوسرا دھڑا مولانا نور شاہدین کی سرپرستی میں اور تیسرا دھڑا مولانا بدر الدین الدین کی سربراہی میں علیحدہ ہوئے۔ ۱۹۵۶ء کے بعد مولانا نور شاہدین پولیٹیکل حکام کے رویے سے دل برداشتہ ہوکر گوشہ نشین ہوگئے جبکہ مسلم لیگ کا دوسرا گروپ بھی کوئی اچھی کارکردگی پیش نہ کرسکی۔ ان کے مقابلے میں پولیٹیکل حکام نے ریاستی دور کے مراعات یافتہ طبقہ اور جاگیرداروں کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ یہ طبقہ پولیٹیکل حکام کے سامنے اپنا وہی مقام پیدا کیا جو سابق ریاستی دور میں ان کے لئے مخصوص تھا۔

ایف سی آر کے لاٹھی کا شکار نہ صرف غریب عوام ہوتے رہے بلکہ خوانین اسمار یعنی ہدایت اللہ خان اور حمید اللہ خان بھی اس سے نہ بچ سکے جنھیں جنوری کی انتہائی سردی میں ننگے پاؤں پابہ زنجیر کرکے لواری ٹاپ کے اس پار ملاکنڈ میں قید کر دیئے گئے۔ ایون کے پندرہ بیس معتبر افراد کو بھی اس لاٹھی سے دو سال تک سنٹرل جیل پشاور بھیج دیا گیا۔ اس ظالمانہ تاریک دور میں اگر کہیں کوئی حق کی آواز اٹھی تو یہ پشاور میں مقیم چترالیوں کی آواز تھی جو ۱۹۶۲ء سے شہری حقوق حاصل کرنے کے لئے اٹھتی رہی اور گاہے بہ گاہے

چترال کے سابق مسلم لیگ کے چند زعماء جن میں لال سیف اللہ جان، مولوی عبدالکریم، مولانا محمد عقیل اور حاجی محمد اشرف خان وغیرہ شامل تھے بھی اس آواز کے ہم آواز ہوتے رہے اور متفقہ قرار دادوں کے ذریعے پولیٹکل راج اور ریاست کے خاتمے کا مطالبہ کرتے رہے۔ چترال یونین کے صدر محمد نادر خان اور ان کے رفقاء کار محمد سالار خان، میر احمد بلبل، بلبلان خان، محمد شاہ درانی حاجی سعد اللہ خان، شمس الرحمٰن، ماسٹر ولی الدین، حاجی محمد عظیم اختر تاجک وغیرہ نے بھرپور طور پر پولیٹکل راج سے آزادی کی تحریک میں حصہ لئے اور مختلف سیاسی جماعتوں کے سیاسی جلسوں میں تقریریں کرتے اور متعلقہ جلسوں کے قرار دادوں میں بھی اپنا مطالبہ شامل کرلتے، ساتھ ہی اخباری بیانات پریس کانفرنسوں اور ابلاغ عامہ کے مختلف ذریعوں سے مکمل شہری حقوق حاصل کرنے کے لئے آواز اٹھاتے رہے۔ اس آواز کو مشرقی پاکستان کے ڈھاکہ، چٹاگانگ اور مغربی پاکستان کے کراچی لاہور اور راولپنڈی کے بڑے بڑے اخباروں نے بھی اچھی خاصی کوریج دی۔

پولیٹکل راج کے ۱۹۶۷ء کے مظالم یاد رکھنے کے قابل ہیں اس سال چترال شدید قحط کی لپیٹ میں آ گیا۔ اس قحط کی وجہ سے تورکھو میں چند افراد بھوک سے لقمۂ اجل ہوگئے اور

وادی لوٹ کوہ سے تعلق رکھنے والا ایک شخص اپنے بچوں کو بھوک کی حالت میں چھوڑ کر غلہ کی منظوری حاصل کرنے میں ناکامی کے بعد دریائے چترال میں چھلانگ مار کر خودکشی کرلی۔ ان واقعات کی بنیاد پر مولانا اورنگزیب، مولانا محمد عقیل، مولانا صداقت اشرف الدین، شمشیر خان اور سید عبدالجلال نے مشترکہ طور پر ایک تار صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان اور پشاور ڈویژن کے کمشنر شیر افضل کے نام بھیجنے کے لئے تار گھر لائے لیکن یہ تار روانہ ہونے سے پہلے ہی پولیٹکل ایجنٹ عبدالقیوم کے ہاتھ لگا اور اس پر متعلقہ تمام افراد کی گرفتاری عمل میں لائی گئی اور انھیں انتہائی حد تک تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ انھیں دن کے وقت کھمبوں کے ساتھ باندھ کر پیٹا جاتا تھا اور راتوں کو ننگے پاؤں پتھر لاد کر پہاڑی علاقوں میں پولیس کی نگرانی میں پھرایا جاتا۔ ان راہنماؤں کی گرفتاری کے خلاف چترال میں جلوس نکالا گیا۔ اس جلوس کو منتشر کرنے کے لئے پولیس کی طاقت استعمال کی گئی اور ساتھ ہی اس جلوس کے قائدین میں مولوی نثار احمد مستجپاندہ، میر بہار شاہ ژانگ بازار، سید علی گولدور، مولانا حبیب اللہ بروز، مولوی مفضل الدین گشم، حاجی عبدالمراد دینین، قاضی مفضل سبحان بونی، صلاح الدین تریچ، معراج الدین تورکھو، قاضی سعید عشریت

محمد اسلام اور نوروج اور شیر محمد زیبزدی وغیرہ بھی گرفتار کر لئے گئے اور انہیں چترال میں متعین ایس پی نعیمین روزانہ چار مرتبہ تعذیب دینے کے لئے خود حاضر رہتا اور اپنی نگرانی میں انہیں تشدد کا نشانہ بنا کر دلی تسکین پاتا۔ اس واقعے کے خلاف قومی اسمبلی میں مشرقی پاکستان سے تعلق رکھنے والے کئی ارکان نے آواز اٹھائی۔ تب کہیں جاکر ان گرفتار شدہ گان کی رہائی ممکن ہوئی اور ریاست کو پچاس ہزار من گندم سالانہ سبسڈی (کرایہ بذمہ سرکار) پر منظور ہوا۔

۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد امریکہ اور سوویت یونین کے درمیان سرد جنگ میں نسبتاً تیزی آگئی، عرب ممالک قومیت کی بنیاد پر عرب لیگ کے پرچم تلے جمع ہو رہے تھے جس میں سوویت یونین کا اثر و نفوذ زیادہ تھا، جنوبی ایشیاء کی سطح پر نئے نئے اتحادی بلاک وجود میں آرہے تھے سوویت بلاک میں ایران اور پاکستان کے علاوہ تمام ترقی پذیر جنوبی ایشیائی ممالک شامل ہو چکے تھے۔ اس وقت سوویت یونین کے توسیع پسندانہ عزائم روکنے کے لئے امریکہ اس خطے میں ایک بفر سٹیٹ فاصل ریاست کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ اس ضرورت کے پیش نظر امریکی منصوبہ سازوں کی نظر ان چھوٹی چھوٹی شمالی ریاستوں پر پڑی اور انھوں نے

اس جانب سنجیدہ طور پر سوچنے لگے ۔ ۱۹۶۹ء کے وسط تک اس منصوبہ کو عملی شکل دینے پر غور ہو رہا تھا کہ اس دوران یہ منصوبہ حکومت پاکستان کے سامنے افشا ہونے پر ۲۹ جولائی ۱۹۶۹ء کو مارشل لاء کے ایک حکمنامے کے ذریعے ان ریاستوں کا خاتمہ ہوا اور اس طرح چترال بھی ضلع کی حیثیت طویل ریاستی اور پولیٹیکل راج کے ادوار سے گزر کر آزادی کے نئے دور میں داخل ہوا۔ یوں چترال کی آزادی کی صبح نئی تاریخ کے ساتھ طلوع ہوئی ۔

خطابِ مہمان خصوصی

سالار رحمت الدین ایڈوکیٹ

صدر محفل و دیگر معزز حضرات! السلام علیکم

اس محفل میں اکثر ایسے چہرے ہیں جن سے میرا تعارف نہیں
میں وہ شخص ہوں جو چترال میں تحریک آزادی کے لئے سب سے
پہلا قدم اٹھایا۔ دوسرے علاقوں کی طرف ہم بھی نیک نیتی
کے ساتھ شہری اور بنیادی حقوق کے حصول کے لئے جدوجہد کی۔
ہم نے ثابت قدمی اور عزم صمیم کے ساتھ کام شروع کیا۔ متحدہ
ہندوستان میں تحریک آزادی سے قطع نظر یہاں چترال میں
مظالم سے آزادی کے لئے ہم نے تحریک چلائی جس کے نتیجے
میں آج ان کرسیوں میں کوئی ڈاکٹر، کوئی انجنیئر، کوئی ایم این اے
اور کوئی ایم پی اے بیٹھے ہیں۔ یہ تعلیم یافتہ نوجوان ہماری
سرگذشت کو ہم سے سن کر یا کاغذ کے ٹکڑوں میں پڑھ کر اپنی
زبان میں بڑھا گھٹا کر سنا رہے ہیں جبکہ ہمارا کوئی پرسان
حال نہیں ہے۔

چترال میں تحریک میر کاروان مولانا نور شاہدین صاحب مرحوم

پر فخر ہے جو وطن عزیز کی آزادی کے لیے تحریک میں گذری ہیں۔

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کے تاریخی دن کے بعد جب تحریک آزادی اپنے عروج پر تھی مجھے کئی بار مسلم لیگ کے جلسوں میں شمولیت کا اعزاز حاصل ہوا۔ ایک بار ۱۹۴۲ء میں انبالہ میں قیام پاکستان کے لیے ایک جلسے میں مالی معاونت کے لیے چندے کی اپیل ہوئی اس وقت میرے پاس صرف ۳۰ روپے تھے۔ میں نے ساری پونجی چندے میں دیکر خود رات کو بھوکا سویا لیکن بھوک کا احساس تک نہیں ہوا۔ یہ دن میری زندگی کا حسین ترین اور قیمتی دن تھا۔ آج کے بعد پاکستان روح بن کر جسم پر سواری کرتا رہا۔ قائد اعظم میموریل فنڈ میں جمع کردہ چندے کی رسیدیں اب بھی میرے پاس ہیں۔

تحریک آزادی کے دنوں چترال ایک ریاست تھی۔ ہمارا تعلق در پردہ مسلم لیگ سے تھا۔ اس لئے محمد مظفر الملک مسلم لیگ کو اپنی حکومت کے لئے خطرے کی علامت سمجھتے تھے۔ اس لئے ۱۹۴۶ء میں ہمیں چترال کی تاریخ میں بدترین سزائیں دی گئیں۔

آخر کار ۱۹۴۷ء کو ۱۴ اگست کے دن پاکستان ایک آزاد اور خود مختار ملک کی حیثیت سے وجود میں آ گیا تو پولو گراونڈ چترال میں "نیشنل گارڈز" کی قیادت کرتے ہوئے پہلی مارچ

پاسٹ میں پاکستان کے سبز ہلالی پرچم کو سلامی کا اعزاز مجھے حاصل ہے۔ ۱۹۳۹ء کو مجاہد اعظم مولانا نور شاہدین کی ولولہ انگیز قیادت میں "چترال مسلم لیگ" کی تنظیم عمل میں آئی اس وقت میں نے ایک لاکھ سے زائد افراد کی قیادت کرتے ہوئے جلوس نکالا۔ اور اس وقت کے پولیٹیکل ایجنٹ پیر حسام الدین نے مجھے "سالار اعظم" کا خطاب دیا۔

جب پاکستان وجود میں آیا تو اس وقت کے حکمران مجبوراً یا بخوشی پاکستان کے ساتھ الحاق کا اعلان کیا۔ بہرحال یہاں شاہی خاندان کی حکومت رہی اور مسلم لیگ کے کارکنان پر مظالم کم نہ ہوئے۔

آخر میں میں سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

خطبہ صدارت

سید احمد خان، ایم پی اے

قابل احترام صدر جلسہ و مہمان خصوصی ! میں امیر خان صاحب صدر انجمن ترقی کھوار کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے ہمیں اس اہم تقریب میں شرکت کا موقع دیا۔ یہاں دو ایسی شخصیات موجود ہیں جنھوں نے تحریک آزادی کے دوران تہہ خانوں میں قید و مشقت برداشت کیں اور مصائب جھیل لیں۔ وہ قاضی صاحب نظام اور سالار رحمت الدین ہیں۔ اس محفل میں قاضی عبدالقیوم صاحب اور قاضی محمد نقی صاحب کی کمی محسوس ہو رہی ہے۔ انجمن ترقی کھوار زبان کی ترقی اور کھوار ثقافت اور تاریخ کے لیئے جو کام کر رہا ہے قابل صد ستائش ہے۔

برصغیر میں ۱۸۵۷ء سے تحریک آزادی شروع ہوئی۔ اس وقت سے چترال میں بھی تحریک کی لہر اٹھی تھی۔ انگریزوں کے خلاف روشن علی خان، محمد عیسیٰ اور دانیال بیگ جو پہلی

بار تلوار اٹھائی چترال کی تاریخ میں یاد کرنے کے قابل ہیں
ان کے بارے میں معلومات انگریزوں کی لکھی ہوئی کتابوں سے
ملتی ہیں کہ چترال میں بھی ایسے بہادر جرنیل موجود تھے۔ ان
کے کارنامے آج بھی انگریز یاد کر رہے ہیں۔ مگر یہاں چترال
میں ان کے بارے میں تاریخ اب تک خاموش نظر آتی ہے۔
اس کے بعد چترال میں مظالم سے چھٹکارہ پانے اور آزادی حاصل
کرنے کے لیئے چترال کے عوام نے جو جو بھی قربانیاں دی ہیں اور
جس مقصد کے لیئے انھوں نے تکالیف برداشت کیں اس مقصد
کو اب بھی ہم حاصل نہیں کر سکے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم
چترال کے لوگوں میں اتحاد و اتفاق کا فقدان ہے۔ اپنے بڑوں
کے احترام اور ان کی کاوشوں کے اعتراف میں کچھ کہنا نہیں
چاہتے اور اپنے اہل قلم سے مشورہ نہیں لیتے۔ بہر حال اب تک
پورے پاکستان میں ہم اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ اس وقت
جن حالات میں ہم گولڈن جوبلی منا رہے ہیں ان
حالات کی ابتری اور ہمارے اپنے مقاصد میں ناکامی
کی وجہ ہماری پوری قوم کی بے اتفاقی ہے۔ اب ہمیں
عہد کرنا چاہیئے کہ ہم پوری قوم اتحاد اور اتفاق
سے رہیں گے پھر کہیں جا کر ہم کامیاب قوم بن سکتی

ہیں۔ میں بحیثیت ایم پی اے انجمن ترقی کھوار کے عہدہ داران سے مل بیٹھ کر کوئی پروگرام بناؤں گا۔ کیونکہ ہمارا وزیر اعلیٰ جناب احمد خان چترال کے ساتھ بہت زیادہ محبت رکھتا ہے اور انجمن ترقی کھوار زبان و ثقافت اور ادب کے ساتھ ساتھ ابھی ملک کی ترقی کی تحریک میں ہمہ تن مصروف ہے۔ انشاء اللہ ہم مل کر ملک اور قوم کی خدمت میں جو بھی ہم سے ہوسکے دریغ نہیں کریں گے۔

آخر میں، میں سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

تحریک آزادی چترال میں سب ڈویژن مستوج کا کردار

جاوید حیات

وادی چترال اپنی مخصوص جغرافیائی حالات، انوکھی آب و ہوا پیارے اور مخصوص روایات کے امین باشندوں کی وجہ سے اپنا الگ مقام رکھتا ہے۔ مشرق میں پرسکون جھیل شندور، مغرب میں جنگلات سے ڈھکی پہاڑیاں، جنوب میں لواری جیسا پہرہ دار اور شمال میں ترچمیر جیسی پریوں کی بستی اس کی پہچان ہیں۔ یہاں کی ندیاں اپنی دھن میں مست ہیں۔ یہاں کے پرندے اس کے گن گاتے ہیں۔ یہاں کے پہاڑوں کا سر فخر سے بلند ہے۔ یہاں کے دریا سارا سال رواں دواں ہیں اور یہاں کے باشندے ان پہاڑوں کی طرح مضبوط ان خوش الحان طیور کی طرح نغمہ سنج ان دریاؤں کی طرح متحرک اور ان چوٹیوں کی طرح خود دار ہیں۔ یہاں کے عوام میں وہ ساری صلاحیتیں پوشیدہ ہیں جو اقبال کے "شاہین" میں رومی کے "شاہ ہرد وجہانم" میں اور نیٹشے کے "SUPPER MAN" میں موجود ہیں۔ یہاں کے لوگ

شرافت کے پیکر، عظمت کی چٹان، حوصلے کے بلند، ہمت کے شناور اور ولولوں کے امین ہیں۔

معزز حضرات! اس بات کا ثبوت پیش کرنے کے لئے یہی کافی ہے کہ جب چترال میں آزادی کی ہوا چلی تو اس وقت یہاں کے عوام سیاست سے بے بہرہ اور تعلیم سے عاری تھے۔ ان کے شعور و لاشعور میں سیاسی اور جمہوری سمجھ بوجھ کی بو تک نہیں آئی تھی۔ ان پر سیاستی حکمرانوں کے سائے تھے جن کو وہ سب کچھ تصور کرتے تھے۔ ان کی شرافت مہتران چترال کی تعبداری تک محدود تھی۔ مگر پھر بھی یک لخت چونک اٹھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب چترال کے علاوہ برصغیر میں ۲۰۰ سے زیادہ ریاستیں تھیں جن کی حالت چترال جیسی تھی۔ ان پر بھی علاقائی راہنماؤں کا تسلط ہوتا تھا۔ ان کی بھی زبانیں بند طبیعتیں بوجھل اور ہاتھ شل تھے۔ مگر ان کے شعور کو جھٹکا اس وقت لگا جب برصغیر آزاد ہوا۔ مگر آزادی کے بعد بھی کئی کئی سال تک وہ ظلم کی آگ کی تپش میں تپتے رہے چترالی عوام میں بہت پہلے اس بات کا احساس ہو چکا تھا کہ آزادی جان سے قیمتی ہوتی ہے۔

چترالی عوام میں جہاں آزادی کا لاوا پکتا ہے وہاں ان کی شرافت اور فراست بھی کام آتی ہے۔ محمد عیسٰی اور دانیال بیگ جیسے سورما اٹھتے ہیں۔ ایک طرف انگریزوں سے کے چھکے چھڑاتے

ہیں تو دوسری طرف اپنے رہنما عظیم حریت پسند مجاہد شیر افضل خان کے ہاتھ پکڑ کر چلتے ہیں اور اس کے قدم سے قدم ملاتے ہیں۔ چترالی عوام کی اس شرافت، صداقت، موقع شناسی، نکتہ سنجی اور فراخدلی کا ثبوت یہ بھی ہے کہ جب وہ ریاستی حکمرانوں کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے ہیں، تب بھی کشت و خون، گالی گلوچ ابتذال اور بداخلاقی کا مظاہرہ دکھائی نہیں دیتا۔

۱۸۵۷ء کی ناکام جنگ آزادی کے بعد جب برصغیر پاک و ہند پر انگریزوں کا مکمل قبضہ ہوگیا تو برصغیر کی تمام ریاستوں میں انگریزوں کے اثرات پیدا ہونے لگے۔ بعض ریاستیں براہ راست انگریزوں کے جال میں پھنس گئیں۔ بعض ریاستوں میں مذہبی یعنی نصرانی تحریک باقاعدہ چلنے کے ثبوت بھی ہمیں ملتے ہیں مگر ریاست چترال اس وقت امان الملک کے زریں دور حکومت کا سورج دیکھی تھی۔ اس کا جسم کافی بڑا تھا۔ اس کے پاؤں چاقنسرائے تک پھیلے ہوئے تھے اور بازو گلگت تک۔ باوجود اپنی مالی اور عسکری کمزوریوں کے مہتر چترال اور چترال کے غیور عوام اپنے ہر بت و کہسار کے انچ انچ کے محافظ تھے۔ ۱۸۹۲ء میں امان الملک مہتر چترال فوت ہوئے تو ریاست میں طوائف الملوکی کا دور دورہ شروع ہوا۔ ریاستی انتظامیہ انتشار کا شکار ہوگیا مکار انگریز ہمدردی کا پردہ اوڑھے ہانپتے کانپتے چترال پہنچ

گئے۔ یہاں کے حکمرانوں میں انگریزی قوانین سرایت کرنے لگے
ریاست کی پرانی روایات ختم ہوتی گئیں، شرفاء کی شرافت کو زک
پہنچنے لگا۔ امراء کے اختیارات میں مداخلت شروع ہوگئی۔ اختیارات
کے ناجائز استعمال کا دھندا چلنے لگا اور چترالیوں کو چترال کی
پاک مٹی سے سازش کی بو آنے لگی۔ انگریزوں کی سازش کا
نتیجہ یہ ہوا کہ چترالی ایک دوسرے کو شک کی نگاہ سے دیکھنے
لگے۔ ایک دوسرے پر بھروسہ اٹھ گیا۔ یہ وہی چترالی تھے جو آپس
کی زبانی اطلاع کو سند مانتے تھے ایک آگ کی روشنی دیکھ کر
پروانوں کی طرح ہر خطرے سے نمٹنے کے لئے اکھٹے دوڑتے تھے
انگریزوں نے ان کا شیرازہ بکھیر دیا۔ مہتر چترال بھی انگریزوں
کی چال میں پھنس کر اپنے رعایا پر مظالم ڈھانے لگے۔ بے جا
ظلم کی بدلیاں سرزمین چترال پر منڈلانے لگیں انہی انگریزوں
کی سازشش کا نتیجہ تھا کہ کبھی "دشمان لولی" اور کبھی دروش لولی
نام کی بغاوتیں اٹھیں اور حکومت وقت کو ان بغاوتوں کو دبانے
کے لئے طاقت کا استعمال کرنا پڑا۔ اگرچہ ان تحریکوں کے
بعض مطالبات منوائے بھی گئے مگر ان کو دبانے کے لئے جو
مظالم ڈھائے گئے ان مظالم کے بہت دور رس نتائج برآمد
ہوئے۔

کچھ اثرات شاہی خاندان کے افراد پر بھی پڑے اور ان

گئے۔ یہاں کے حکمرانوں میں انگریزی قوانین سرایت کرنے لگے ریاست کی پرانی روایات ختم ہوتی گئیں، شرفاء کی شرافت کو زک پہنچنے لگا۔ امراء کے اختیارات میں مداخلت شروع ہوگئی۔ اختیارات کے ناجائز استعمال کا دھندا چلنے لگا اور چترالیوں کو چترال کی پاک مٹی سے سازش کی بو آنے لگی۔ انگریزوں کی سازش کا نتیجہ یہ ہوا کہ چترالی ایک دوسرے کو شک کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ ایک دوسرے پر بھروسہ اٹھ گیا۔ یہ وہی چترالی تھے جو آپس کی زبانی اطلاع کو سند مانتے تھے ایک آگ کی روشنی دیکھ کر پروانوں کی طرح ہر خطرے سے نمٹنے کے لئے اکھٹے دوڑتے تھے انگریزوں نے ان کا شیرازہ بکھیر دیا۔ مہتر چترال بھی انگریزوں کی چال میں پھنس کر اپنے رعایا پر مظالم ڈھانے لگے۔ بے جا ظلم کی بدلیاں سرزمین چترال پر منڈلانے لگیں انہی انگریزوں کی سازش کا نتیجہ تھا کہ کبھی "دشمان بولی" اور کبھی دردن لالی نام کی بغاوتیں اٹھیں اور حکومت وقت کو ان بغاوتوں کو دبانے کے لئے طاقت کا استعمال کرنا پڑا۔ اگرچہ ان تحریکوں کے بعض مطالبات منوائے بھی گئے مگر ان کو دبانے کے لئے جو مظالم ڈھائے گئے ان مظالم کے بہت دور رس نتائج برآمد ہوئے۔

کچھ اثرات شاہی خاندان کے افراد پر بھی پڑے اور ان

کی طرف سے عوام کی حمایت شروع ہو گئی۔ یہی وجہ تھی کہ ان کو تخت شاہی کا غدار گردان کر سزائیں دی گئیں۔ اس کی ایک مثال شہزادہ محمد حسام الملک کے قید و بند کی سزا تھی۔ اگرچہ اس کی اور بھی کئی وجوہات تھیں۔

بہرحال شاہی خاندان کے ان حریت پسندوں کو دیکھ کر عوام کی خفتہ احساس آزادی بیدار ہو گئی۔ حکمران وقت ان تحاریک کو دباتے رہے۔ مگران کو مزید تقویت ملتی رہی اور ایک دن ایسا بھی آیا کہ شاہی خاندان کے خلاف باقاعدہ آواز اٹھائی گئی۔

اگرچہ تحریک پاکستان کا اثر جزوی طور پر چترال میں بیدار ہو چکا تھا ولئ چترال محمد ناصرالملک جو تحریک پاکستان کے حامی لیڈروں میں سے تھے انھوں نے ۱۹۴۰ء سے قبل یہ محسوس کیا تھا کہ پاکستان بن جائے گا اس نے شاہی قلعے کے دروازے پر پیتل کا چاند تارا نصب کروا کر اس کے نیچے یہ فارسی شعر لکھا تھا۔

چو پاکستان شود حاصل
تو نشان آں باشی

انھوں نے اپنے درباریوں سے ذکر کیا تھا کہ ایک ایسی حکومت معرض وجود میں آنے والی ہے جس کا قومی نشان چاند تارا ہو گا۔ یہ ناصرالملک کی اعلیٰ سیاسی بصیرت تھی۔ پاکستان بننے کے بعد

قائد اعظم محمد علی جناح نے یہ اعلان کیا کہ جو ریاستیں پاکستان کے حصے میں آتی ہیں ان کے داخلی امور میں مداخلت نہ کی جائے۔ وہاں کے حکمرانوں کو اپنے داخلی امور خود نمٹانے اور عوام کو مطمئن اور خوشحال رکھنے کی مکمل آزادی دی گئی۔ ریاست چترال بھی اپنے پرانے طریقے سے چلنے لگی۔ مگر چترال میں آزادی کی لہر آئی ہوئی تھی۔ آزادی کا احساس بیدار ہو چکا تھا۔ یہ بیداری آتش فشاں نہ بنی بلکہ پھول کی خوشبو کی طرح پھیلی اور عوام و خواص دونوں کو محسوس ہونے لگی۔ چترال وہ واحد ریاست ہے جو ۱۹۴۹ء میں مسلم لیگ کی قیادت میں مقامی شخصی حکومت سے آزاد ہو گئی۔ یہ چترالی عوام کی سیاسی بیداری کا ثبوت ہے ان کے مقابلے میں دیر، سوات پر ۱۹۶۹ء تک مقامی حکمرانوں کا تسلط رہا۔ ۱۹۶۹ء میں صدر یحیٰی خان نے ان ریاستوں کو پاکستان میں ضم کر دیا۔ جب پاکستان بنا تو چترال کے چند درد مند سپوتوں کو آزادی سے محرومی کا شدید احساس ہونے لگا۔ انھوں نے ریاستی حکومت کو اقتدار سے ہٹانے اور عوام کو آزادی اور سستا انصاف مہیا کرنے کے لئے سروں پر کفن باندھ کر میدان میں اتر آئے۔ ان میں خود شاہی خاندان کے افراد بھی شامل تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ ہر طرف مسائل ہی مسائل تھے۔ وسائل نہ ہونے کے برابر تھے۔ لوگوں کی مالی حالت کمزور تھی۔ تعلیم برائے نام

تھی۔ آمدورفت کا بہت بڑا مسئلہ تھا۔ آجکل کے گھنٹوں کا راستہ اس زمانے میں ہفتوں کا ہوتا تھا۔ ان عظیم سپوتوں کو ایک طرف حکمران کا ڈر تھا۔ دوسری طرف ذاتی مسائل میں گھرے ہوئے تھے مگر منیکہ محرک بھی نہتے تھے اور تحریک بھی۔ اس تحریک کا بانی چترال کا عظیم فرزند مولانا نور شاہدین مرحوم تھے۔ سب سے پہلے آپ نے میدان عمل میں قدم رکھے۔ اس کے بعد انھوں نے چند اور فرزندان آزادی کو ساتھ ملایا جن میں سابق وزیر قادر نواز، سیف اللہ جان لال درویش، قاضی صاحب نظام ایون اور سالار رحمت الدین ایون کے نام قابل ذکر ہیں

چترال میں پہلے سے تخت شاہی کی حمایت میں مسلم لیگ کا وجود قائم تھا۔ اس کا نام اتحادی لیگ رکھا گیا تھا۔ اس کے منشور کے مطابق ریاست میں امور مملکت حسب سابق والیان چترال کے پاس رہتے تھے اور ریاست کا اپنا قانون تھا۔ جس پر تعذیرات پاکستان وغیرہ کا اطلاق نہ ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ ان حضرات کی شمولیت اور کوششوں سے ایک اور مسلم لیگ وجود میں آیا جس کا نام چترال مسلم لیگ رکھا گیا۔ چترال مسلم لیگ کا منشور یہ تھا کہ چترال کے عوام کو مکمل آزادی ملے اور یہاں مکمل اسلامی ریاست قائم ہو جائے جس میں والئ ریاست کے بجائے براہ راست حکومت پاکستان کے قوانین کے تحت حکام بھیجے جائیں

اس طرح مسلم لیگ کے یہ دو دھڑے ایک دوسرے کے مخالف چلنے لگے۔ سادہ لوح عوام جو سیاسی شعور سے محروم تھے یہ نہیں جانتے تھے کہ کونسی مسلم لیگ صحیح ہے۔ اس لئے ان میں سے بعض نہ جانتے ہوئے بھی اتحادی لیگ کے حامی تھے جن کو چترال مسلم لیگ والے طنزاً بخشی لیگ کے نام سے پکارتے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اتحادی لیگ والے اپنی وفاداریاں والیٔ چترال کے دسترخوان تک محدود کر رکھے تھے۔ ان کا کوئی واضح نصب العین نہیں تھا۔

چونکہ نوآزاد پاکستانی ریاستوں میں تحریک چلانے پر پابندی تھی لہذا مسلم لیگ کے فارم رکنیت خفیہ طور پر چھپوا کر لائے گئے تھے۔ چترال مسلم لیگ کے راہنماؤں نے ان فارم رکنیت پر اپنے بااعتماد دوستوں سے دستخط کرا کر ان کو مسلم لیگ کے رکن بنائے۔ مختلف دور دراز علاقوں سے بااعتماد اور بارسوخ لوگوں سے دستخط کرا کر ان کو اپنا نمائندہ مقرر کیا۔ سب ڈویژن چترال کے علاوہ سب ڈویژن مستوج میں آزادی کی تحریک کس طرح چلی کن لوگوں کے ذریعے چلی ان کا اجمالی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

تحصیل مستوج

تحصیل مستوج کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس میں چترال کی

آزادی کی حفاظت کی خاطر بہت سی جنگیں لڑی گئی ہیں خواہ وہ خطائی یا منگول حملہ آوروں سے جنگ ہو یا یارخون دوبند میں لشکر بدخشان کے ساتھ معرکہ آرائی ہو یا نسرگول اور کڑک میں نرنگی اور سکھ ڈوگرہ فوجوں کے ساتھ ٹکر لینے کا واقعہ ہو تورکہو کی سرزمین پر یہ اہم جنگیں صرف آزادی کی حفاظت کے لئے لڑی گئی ہیں۔ اسی طرح ظلم جبر اور ناانصافی کے گھٹاٹوپ اندھیروں سے آزادی حاصل کرنے کی تحریکیں بھی ہمیشہ اس سرزمیں سے اٹھی ہیں۔ یہی وجہ ہے جب برصغیر کے مسلمان قائداعظم کی قیادت میں آزادی کی جنگ لڑ رہے تھے تو پشاور میں مقیم چترالی باشندوں نے پاکستان مسلم لیگ کے جھنڈے تلے اس میں بھرپور حصہ لیا اور چترال مسلم لیگ کی بنیاد انھوں نے پشاور میں رکھی جس کا صدر تورکھو کے مولانا فضل الٰہی تھے اور اس کے تحصیل مستوج کے کئی لوگ شامل تھے۔

مسلمانوں کی جدو جہد کے نتیجے میں ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان وجود میں آیا تو ہزہائی نس سر محمد مظفر الملک نے اس میں شمولیت کا اعلان کیا اور نومبر ۱۹۴۷ء کو معاہدہ الحاق پر باقاعدہ دستخط ہوئے۔ چترال مسلم لیگ جس کی بنیاد پہلے ہی پشاور میں رکھی گئی تھی اس کے پیش نظر یہ نظریہ تھا کہ انگریزوں کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے بعد ایک آزاد

اسلامی ریاست کے سلسلے تلے چترال کے لوگوں کو اس وقت آزادی حاصل ہوگی جب انھیں ریاست کے استحصالی اور فرسودہ نظام سے بھی آزادی حاصل ہو۔ اس مقصد کے لئے پہلی بار مستوج میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی۔ اس کے بانیوں میں محمد سعید خان لال مرحوم، چاد یلو صاحب نگین، سید منور شاہ صوبیدار علی رحمت خان، صوبیدار سیف علی خان، ماسٹر شکور رفیع اور جانان صوبیدار کے نام قابل ذکر ہیں۔ اس طرح مستوج کے علاقہ میں علاقائی لیڈر بنائے گئے۔ چند ایک کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

یارخون سے سید عمران شاہ، سید غلام علی شاہ بیرزور، خان جمعدار، فراست بیگ، مقصد نظار، گل خان نظام اور تیغون جمعدار۔

علاقہ مستوج سے صوبیدار جلال الدین، سید شاہ قزل، منشی خانمان، امیر عالم تاج لال، بلور جمعدار، شاہ سید، سید علی شاہ، ہدی قبول اور لعل خان لال۔

لاسپور سے جانان صوبیدار، ماجم صوبیدار، اقبال امان اور سیف علی خان۔

اس طرح یہ تحریک سنوغر سے ریشن تک پھیل گیا۔

کوہ کے علاقے میں جن معتبر حضرات نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا چند ایک کے نام یہ ہیں۔

سید اولاد حسین المعروف پیر صاحب سرنور، عبدالودود المعروف

سید منور شاہ، شکور رئیع، خانمان، شاہ سید وغیرہ۔ ان کو گرفتار کرکے چترال لایا گیا اور مختلف جیلوں میں ان کو قید بامشقت کی سزا سنائی گئی۔

چترال میں اتالیق سرفراز شاہ کو اس تحریک کا مجرم قرار دیا گیا اور اسے بھی قید میں ڈالا گیا۔ مئی ۱۹۴۹ء میں کرنل شریف خان پولیٹیکل ایجنٹ ملاکنڈ نے اس معاملے کی از سر نو تحقیقات کی اور صوبہ سرحد کی حکومت کی مداخلت پر تمام مسلم لیگی راہنما قید وبند سے آزاد ہوگئے۔ تحقیقات کے نتیجے میں اتالیق سرفراز شاہ بے گناہ ثابت ہوگئے اگست ۱۹۴۹ء کو چترال مسلم لیگ کے قیام کا باقاعدہ اعلان کیا گیا اور مولانا نور شاہدین مرحوم اس کے صدر مقرر ہوئے تو مستوج لیگ کو اس میں شامل کیا گیا۔

تحصیل موڑکھو

تحصیل موڑکھو اپنی انقلابی حیثیت سے ممتاز مقام رکھتا ہے یہاں کے باشندے کبھی ظلم کے سامنے نہ جھکے۔ کئی انقلابات آئے مگر یہ سرزمین حق کی حمایت میں اپنا مقام رکھتی ہے۔ چترال میں تحریک آزادی کی جب لہر آتی ہے تو موڑکھو کے باشندے ان سرفروشوں کی صف اول میں شامل تھے۔ انھوں نے حق کا نعرہ

دلایا اور انصاف کا پیغام گھر گھر پہنچایا اپنی نیندیں حرام کیں اپنے آرام قربان کئے۔ چونکہ ان عظیم سپوتوں کی فہرست طویل ہے تاہم چند ایک کے اسمائے گرامی پیش کئے جاتے ہیں۔

شیر میدان لال ۱۔ آپ تحصیل موڑکھو کے عظیم حریت پسند لیڈر تھے۔ اور چترال مسلم لیگ حلقہ موڑکھو کے صدر تھے۔ آپ ایک با اثر نوجوان لیڈر تھے۔ ان کی ولولہ انگیز قیادت نے باشندگان موڑکھو کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا۔ آپ کا گھر جلسے جلوسوں کا مرکز ہوا کرتا تھا۔ آپ کے گھر پر مسلم لیگ کا جھنڈا لہرایا گیا تھا نیشنل گارڈ کے جوان وہاں پہرہ دیتے تھے ان کا گھر مسلم لیگ کا دفتر ہوا کرتا تھا۔

۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کی تنظیم سازی اور مسلم لیگ کے عظیم الشان اجلاس کے لئے موڑکھو سے جلوس کی قیادت آپ فرما رہے تھے۔ آپ موڑکھو سے پا پیدل جلوس کی قیادت کرکے چترال پہنچے۔ آپ کے رفقاء کار میں جن لوگوں کے نام سرفہرست ہیں ان میں سے چند ایک کے نام گنوائے دیتا ہوں۔

محمد قیوم خان وریجون موڑکھو، قاضی محمد مراد کوشٹ، قاضی محمد نادر شاہ اویر، مرزا متوالی شاہ اویر، مشرف خان سیکرٹری موڑکھو، جہانگیر لال تریچ آپ بھی چوئی کے لیڈر تھے۔ آپ کے گھر پر بھی نیشنل گارڈ پہرہ دیا کرتے تھے۔ آپ بڑے نڈر

اور بہادر تھے۔ ۱۳ اگست کے عظیم الشان اجلاس کے لئے آپ ترتیج سے جلوس کی قیادت کرتے ہوئے بمقام نردیت پہنچے تو آپ کو اطلاع ملی کہ شاہی قلعہ سے جلوس پر توپوں سے گولہ باری کرنے والے ہیں آپ جان کی پروا کئے بغیر جلسہ گاہ کی طرف روانہ ہوئے۔

قاضی بدرالدین ترتیج، زرانہ زار خان ترتیج، مولانا میر حسن خان ترتیج، مولانا عبدالکریم ترتیج آپ بھی عظیم سرفروشوں میں سے تھے۔ آپ جید عالم دین بے باک مقرر اور نڈر لیڈر تھے۔ قیدوبند کی صعوبتیں جھیلیں، مار پیٹ برداشت کی مگر راہِ حق سے نہ ہٹے۔ نور علی خان ترتیج، صوبیدار عبدالعزیز ترتیج اور قاضی محمد نادر شاہ سدک موڑکھو۔

تحصیل تورکھو

تورکھو وہ سرزمین ہے جہاں اسلام کی روشنی سب سے پہلے پڑی۔ ۶۵۷ء میں حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں مسلمان آگے بڑھے، داغستان اور ترکستان میں داخل ہوئے اس وقت مسلمانوں کا ایک دستہ چترال کے علاقہ تورکھو میں داخل ہوئے۔ یہاں کے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔

تحصیل تورکھو کو اپنے عظیم فرزند محمد عیسیٰ خان پر فخر ہے جس نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا۔ انھوں نے انگریزوں کو چترال سے نکالنے کے لئے جان کی بازی لگادی۔ آپ کا نواسہ ماسٹر مصطفیٰ کمال تورکھو میں چترال مسلم لیگ کے بانی راہنماؤں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ آپ پشاور میں طالب علمی کے زمانے سے تحریک آزادی کے سرگرم کارکن تھے۔ تعلیم مکمل کرکے چترال پہنچے تو چترال مسلم لیگ کی گرما گرمی تھی۔ آپ نے اپنی ملازمت کو داؤ پر لگادیئے اور باقاعدہ تحریک شروع کی۔ آپ بڑے شعلہ بیان مقرر تھے اور نڈر لیڈر تھے۔ تورکھو میں مسلم لیگ کو منظم کیا اور باقاعدہ تحریک شروع کی۔ آپ پر کئی بار قاتلانہ حملے بھی ہوئے مگر آپ کو آپ کے چنے ہوئے راستے سے کوئی ہٹا نہ سکے۔ آپ سے پہلے تورکھو کا ایک عظیم فرزند مولانا فضل الٰہی میژپ تورکھو نے پشاور میں چترال مسلم لیگ کی بنیاد رکھ کر کام شروع کیا تھا اور اس کا صدر تھا۔

یہ وہ دور تھا جسمیں تورکھو کے بارسوخ افراد شاہی خاندان کے حامی تھے۔ مگر یہ چند گنے چنے افراد نے جان کی بازی لگاکر تورکھو میں چترال مسلم لیگ کو کامیاب بنایا۔ ان میں قاضی محمد ساقی ہژپ تورکھو، بلور خان ماسٹر ہستارو، فیروز خان کھوت، پھوکر خان کھوت، مرید حسن ورکوپ تورکھو۔ قاضی صاحب اور دیر تورکھو

نوردست خان شوتخار، قاضی عبدالقیوم شاگرام محمد علیم اجنو، کروُسے خان اجنو، چوڑاک زانگلشٹ، قاضی فضل الٰہی ہرپ جو پشاور میں چترال مسلم لیگ کے صدر تھے۔

یہ قابل اعتماد قائدین اپنے مرکزی لیڈروں کی اطلاع پر اپنے اپنے علاقوں سے جلوسوں کی قیادت کر کے ۱۳ اگست اور ۱۴ اگست کی درمیانی رات کو چترال پولو گراؤنڈ پہنچ گئے۔ اسی رات تنظیم سازی ہوئی۔

مولانا نور شاہدین صدر، قاضی صاحب نظام نائب صدر، ظفر احمد خان جنرل سکریٹری، میاں نور الاکبر ناظم اعلیٰ، قادر نواز نگران اعلیٰ رحمت الدین سالار اعلیٰ اور گل نواز نیشنل گارڈ چترال کا کپتان مقرر ہوا۔ غلام حسین پولیس کپتان نیشنل گارڈ مقرر ہوئے۔ شکری احمد خان سرور الدین چترال اور محی الدین چترال آفس سکریٹری مقرر ہوئے۔

اس اجتماع کو بظاہر ۱۴ اگست یوم آزادی کے جشن کے نام سے کیا گیا تھا مگر باطن میں یہ مہتر چترال کے خلاف ایک انقلاب تھا جس کے لئے چترال مسلم لیگ کے نام سے ۱۴ اگست کے دن کا انتخاب کیا گیا رات کو پرچم کشائی کی تقریب کا اہتمام ہوا صبح ہوئی تو ہزاروں کی تعداد میں لوگ جمع تھے مہتر چترال کو حیرانگی ہوئی۔ یہ عظیم جلوس جنالی سے روانہ ہوکر

بازار پل سے مشرق کی طرف دو منزلہ عمارت کو مسلم لیگ کا دفتر بنایا۔ مہتر چترال نے شاہی قلعے کا دروازہ بند کردیا۔ اس دوران مسلم لیگ کے دو دھڑوں میں غلط فہمی بھی دور ہوگئی اور اتحادی لیگ کے لوگ بھی چترال مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔

۱۷ ستمبر ۱۹۴۹ کو چترال مسلم لیگ کا پولوگراؤنڈ میں ایک عظیم الشان جلسہ ہوا۔ شرکاء شاڈوک کے راستے سے لانگ مارچ کیا اور مہتر چترال کو اپنی مجبوری کا احساس ہوا۔ اتحادی لیگ کے پاؤں اکھڑ گئے۔ چترال مسلم لیگ کے رہنماؤں نے عوام کو ریاستی لیگ سے آزادی تو دلادی تھی مگر قانونی طور پر کام ابھی باقی تھا۔ اس لئے چترال مسلم لیگ کے چند لیڈر جناب قادر نواز کی قیادت میں اس وقت کی صوبائی مسلم لیگی لیڈر چودھری خلیق الزمان کے پاس گئے اور چترال مسلم لیگ کو صوبائی مسلم لیگ میں ضم کرنے کی اپیل کی۔ مگر انھوں نے معذرت ظاہر کی اس لئے کہ یہ سراسر جرم تھا اسلئے کہ حکومت کی طرف سے ریاستوں کو آزادی تھی۔

مسلم لیگی راہنما ہمت نہ ہارے۔ دوبارہ ۱۹۵۲ء میں صوبہ سرحد کے گورنر شہاب الدین سے ملنے قادر نواز صاحب کی قیادت میں ایک وفد پشاور چلا گیا۔ یہ جولائی ۱۹۵۲ء کا واقعہ ہے۔ اس زمانے میں کشمیر میں شورش جاری تھی۔ جنگ

کشمیر میں باڈی گارڈ چترال کی بھی ضرورت پڑ رہی تھی۔ اس لئے حکومت یہ محسوس کر رہی تھی کہ عنقریب ریاست میں شورش کو ہوا نہ دے۔ قادر نواز صاحب جوکہ وفد کے سربراہ تھے نے گورنر سرحد کی توجہ اس امر کی طرف دلائی کہ چترال کے ۹۸٪ عوام چترال مسلم لیگ میں شامل ہیں۔ باقی ۲٪ کشمیر میں کس طرح جنگ لڑیں گے۔ آپ نے گورنر سے مطالبہ کیا کہ آپ بہ نفس نفیس چترال آکر دیکھیں۔ گورنر نے یہ مطالبہ قبول کیا اور خود چترال تشریف لائے۔ اس کے استقبال کے موقع پر ایک عظیم الشان جلسے کا اہتمام کیا گیا۔ گورنر نے یہ بات مان لی کہ اب چترال میں مہتری توانین کا نفاذ ناممکن ہے اس لئے وہ گورنر جنرل غلام محمد کو جملہ حالات سے آگاہ کیا۔ اس نے گورنر کے مشورے سے چترال نرم ایکٹ کا نفاذ کیا جس کی رو سے مہتر چترال ہمیشہ کے لئے ریاستی امور سے بے دخل کر دیا گیا۔ اس ایکٹ کے ذریعے باقاعدہ ریفرنڈم کے ذریعے ایک ایڈوائزری کونسل قائم کی گئی۔ اس کونسل کے پانچ منتخب اراکین تھے۔

تحصیل دروش سے سیف اللہ جان لال
تحصیل چترال سے مولانا نور شاہدین
تحصیل لوٹکوہ سے سید نادر شاہ
تحصیل مستوج سے چارویلو صاحب نگین

تحصیل موڑکھو اور تورکھو سے ظفر احمد خان اس کونسل کے رکن منتخب ہوئے۔

مہتر چترال کی طرف سے بھی پانچ ارکان منتخب ہوئے۔ مہتر چترال کو ۹۵۰۰۰ روپے سالانہ وظیفہ مقرر کیا گیا۔ اس طرح جملہ انتظامیہ ودھرے عہدوں و اسے حکمران پولیٹیکل ایجنٹ کے ہاتھ آگئے جو وزیر اعظم بھی تھے۔ اس طرح تحریک آزادی چترال اختتام کو پہنچا۔

ہر دور پُرآشوب میں چند ایسے شناور عزم و ہمت صفحہ ہستی پر نمودار ہوتے ہیں جو خود مٹتے ہیں مگر دوسروں کو مٹنے سے بچاتے ہیں، خود جلتے ہیں دوسروں کو آگ سے نجات دلاتے ہیں۔ خود روتے ہیں مگر دوسروں کو خوشیاں تحفے میں دیتے ہیں۔ ہماری تاریخ بھی ایسی ہستیوں کے کارناموں اور قربانیوں سے عبارت ہے۔ ان کی قدر نہ کرنا بہرحال عیب ہے۔

تحریک آزادی میں سب ڈویژن چترال کا کردار

مولانا نگاہ نگاہ

لکھنے کے لئے مجھ کو جو مضمون ملا ہے
فرہاد تہی دست کو بیستون ملا ہے
مطلوب کشت دخون ہے در وقت آزادی
یہ گلشن چترال مجھے بے خون ملا ہے

جناب صدر محفل ! مہمان خصوصی، مہمانان گرامی و دیگر سامعین کرام السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، گو کہ مجھے مقالے کا موضوع ایسا ملا ہے کہ جس پر مجھے اتنی دسترس حاصل نہیں ہے کیونکہ سیاست سے میرا تعلق نہیں رہا ہے۔ لیکن میں نے اس موضوع پر مقالہ تیار کرنے میں ان معزز حضرات سے مدد لی جنھوں نے بنفس نفیس تحریک آزادی میں حصہ لیا ہے۔ ان حضرات میں قادر نواز صاحب سابق صوبائی وزیر دروش، قاضی نظام صاحب ایون، اور سالار اعظم چترال نیشنل گارڈ رحمت الدین صاحب ایون قابل ذکر ہیں۔ اگرچہ میں نے ان سے اپنے مقالے کے موضوع کے حوالے

سے بہت سے سوالات پوچھے ہیں اور انھوں نے اس کی پوری وضاحت کردی ہے تاہم میرا قلم ان کے اچھوتے خیالات اور جذبات کی صحیح ترجمانی کرنے سے قاصر ہے۔ اس لئے اگر کسی طرح کسی خیال کو زیر قلم لانے میں کوتاہی مجھ سے ہوئی ہو میں معافی کا خواستگار ہوں۔ محترم سامعین و حاضرین! میرا موضوع ہے

"تحریک آزادی میں سب ڈویژن چترال کا کردار"

متحدہ ہندوستان میں پاکستان کی آزادی کے وقت تقریباً ۲۶۵ ریاستیں تھیں۔ ان میں سے ایک ریاست، ریاست چترال بھی تھی مگر عوام چترال تمام ریاستوں کے عوام سے بڑھ کر ہوشیار، پُرعزم اور موقع شناس واقع ہوئے ہیں کہ "سانپ مرے نہ لاٹھی ٹوٹے"۔ یعنی ہمارے اسلاف اور پیشروؤں نے شجاعت و بہادری کا پیکر ہوتے ہوئے ہمیشہ نکتہ سنجی اور فراخدلی کا عملی ثبوت دیا ہے۔ اور سوائے مخصوص حالات کے کبھی بھی کشت و خون اور جنگ و جدل سے کام لینے کی کوشش نہیں کی ہے۔ حالانکہ اس وادی سبزہ زار اور دامن کوہسار میں محمد عیسیٰ اور دانیال بیگ جیسے شہ زور اور بہادر حضرات بھی گذرے ہیں اور روشن علی خان جیسے جنگجو اور تیغ زن بھی۔ ان کے لئے اپنے حکام وقت کے خلاف آواز اٹھانا یا اقتدار پر قبضہ جمانا مشکل نہیں تھا۔ مگر انھوں نے اپنی شرافت کو کسی بھی

وقت ہاتھ سے جانے نہ دیا اور قانون مروّجہ کی بالادستیوں کو
ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھا۔ اگرچہ ان کے زمانوں میں چترال کا کوئی
تحریری آئین نہیں تھا اور اس کے کسی ششتق کے حوالے سے کسی
کو غدارِ حکومت قرار دینا محال تھا۔ پھر بھی تہذیب وتمدن
کا علمبردار ہوتے ہوئے ان کی کسی ناشائستہ حرکت کا ذکر تاریخ
میں مذکور نہیں جو حکام وقت کی خوش قسمتی ہے یا ان کی حکومت
عملیوں کی خوش اسلوبی۔ حالانکہ آج کل کسی ملک کا منظم اور تحریری
آئین موجود ہوتے ہوئے بھی وہاں کے عوام آئے دن حکام وقت
کے احکامات سے عملی روگردانی کرتے ہیں۔ اور بعض اوقات کسی
ملک کا تختہ الٹنے سے بھی باز نہیں آتے۔ بعض ناسمجھ افراد
چترال کی اس تہذیب کو جو گلستان کے لئے جوئے نغمہ خواں اور
کوہ وبیابان کے لئے سیل تندرو ہے کم ہمتی سے بھی منسوب
کرتے ہیں جو ان کی حماقت ہے۔ باشندہ گان چترال کے
دلوں میں خلوص ومحبت، شرافت وموقع شناسی اسلاف
سے لے کر اخلاف تک موجزن نظر آتے ہیں۔ اگرچہ اب چترال
پاکستان کا ضلع ہے اور پاکستان کا قانون اس میں نافذ العمل
ہے تاہم چترالیوں کی تہذیب باقی تمام علاقوں کے مقابلے
میں محفوظ ہے اور ہمیشہ تابندہ ودرخشندہ ہے جس کا گئی
غیر چترالی زبانیں بھی اقرار کرتی ہیں۔

چترالی قوم وہ قوم ہے جو دیگر ریاستوں کی طرح خلاف قانون اور ناشائستہ حرکات وسکنات سے گریزاں ہے اور ہمیشہ قانون کی بالادستی کو تسلیم کرتی ہے حالانکہ یہ آج بھی ہمارے وطن پاکستان میں شامل اکثر ریاستوں کے مقابلے میں غیر ترقی یافتہ اور پسماندہ ہے۔ یہاں قتل و غارت گری، جھگڑا وفساد اور قانون شکنی کبھی نظر نہیں آتی مگر آج کل چترالی قوم کے بعض ناسمجھ افراد چترال میں نووارد اقوام کی دیکھا دیکھی اپنی مالوف تہذیب سے ہٹتے ہوئے نظر آتے ہیں جو ان کا تجاہل عارفانہ ہے یا تغافل عامیانہ حالانکہ ان پر یہ بات واضح ہے کہ ایسی تہذیب و تمدن کی گود میں انھوں نے زندگی گذاری ہے جہاں اتفاق و یگانگت کو ہمیشہ فروغ حاصل ہوتا آیا ہے اور اسی کی مدد سے عوام چترال میں بغیر کسی خونریزی کے اپنی مطلوبہ آزادی حاصل کی ہے۔ اس طرح چترال کے مخصوص تہذیب مستقبل میں بھی اپنے فرزندوں کے لیئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ کہیں ہنس کی چال چلنے سے کوا اپنی چال بھی بھول نہ جائے۔ یہ بات واضح ہے کہ اس تہذیب نے اپنی گود میں ہمیں پروان چڑھایا اب اختلاطی تمدن کے دور میں ہمیں چاہیئے کہ اس کو اپنی گود میں محفوظ طریقے سے پالیں اور اس کے سہرے سے اپنی ترقی کے ایام کو بھی مزین بنائیں۔ ورنہ ہماری طرف سے بے انصافی ہوگی۔

سامعین محترم! جس طرح تہذیب کے حوالے سے ذکر ہوا طوالت کی معافی چاہتے ہوئے عرض گذار ہوں کہ اگرچہ برصغیر پاک وہند پر انگریزوں کی عملداری ۱۸۹۵ء سے کئی سال پہلے ہوتی تھی مگر اس وقت کے حکمرانوں نے اپنے قلمرو پر ان کے قدم کو بڑھتے ہوئے نہیں چھوڑا تھا جو ان کی حکمت عملی اور فنون اقتدار کو سمجھنے کا بیّن اور منہ بولتا ثبوت ہے۔ حالانکہ برصغیر کی تقریباً تمام ریاستیں سازش و تسلط سے محفوظ و مامون نہ رہ سکیں اور یہاں تک کہ اکثر ریاستوں میں نصرانیت کی پرچار بھی کھل کر ہوتے تھی۔ اسوقت ریاست چترال آج کل کی حدود سے بڑی حد تک متجاوز تھی اور گلگت سے لیکر چاقنسرائے تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس وقت کے شاہانِ چترال باوجود مالی اور عسکری کمزوریوں کے اپنی ایک ایک انچ سنگلاخ قطعہ ارضی پر کڑی نظر رکھنے پر مجبور رکھتے تھے۔ اس لئے انھوں نے سرزمین چترال کو تسلط افرنگ سے محفوظ رکھنے میں کامیابی حاصل کی۔ ۱۸۹۲ء میں وفاتِ مہتر امان الملک کے بعد سر شجاع الملک تخت نشینی اس وقت ہوئی جب چترال میں طوائف الملوکی کا دور دورہ ابھی گذرا تھا اور انگریزوں کی سازشوں کے جال سے بچنے کے لئے کوئی حکمران بطور رہنما موجود نہ تھا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انگریزوں نے ہمدردی کا لبادہ اوڑھ کر ریاست چترال میں قدم رکھا

اس طرح چترال کی حکومت سازش افرنگ کا شکار ہونا شروع ہوگئی اور یہاں بھی انگریزی قوانین نافذ ہوگئے۔ تاہم جزوی طور پر شاہان چترال، چترال میں اپنی پرانی روایات کو اپناتے رہے۔ یہ انگریزوں ہی کی سازش تھی کہ وہ عوام چترال جو اپنے وطن کو بیرونی حملوں سے بچانے کے لئے ایک دوسرے کی زبانی اطلاع پر متفق ہوئے تھے ایک دوسرے سے متنفر ہونے لگے۔ اونچ نیچ ذات پات اور امیروغریب کے بت چترال وارد ہوئے جس پر خواص نے اپنے آپ کو بالاتر اور عوام نے کمتر سمجھنا شروع کیا اس جذبے نے شاہان چترال کو اپنے ملک کے غریب عوام پر مختلف قسم کی جانی اور مالی اذیتیں اور مظالم ڈھانے پر راغب کیا۔ اور پہلے کے مقابلے میں شاہی خاندان اور رعایا میں منافرت کو فروغ ملا۔ اسی منافرت نے وقتاً فوقتاً چترال کے گوسے گوشے کے صاحب بصیرت اور ہوشیار افراد کو تخت شاہی کے خلاف قدم اٹھانے پر مجبور کیا۔ اور اس طرح غیر منظم تحریکیں شروع ہوئیں۔ ان تحاریک کو بھی "دردس یولی" اور "دشمان یولی" کے نام سے پکارا گیا اور ان کو دبانے کے لئے تختِ شاہی پر متمکن افراد نے اپنا زور استعمال کیا۔ تاہم مختلف اوقات میں ان تحریکوں کے بعض مطالبات تسلیم بھی کئے گئے مگر منافرت کی فضا برقرار رہنے کی بناء پر نت نئے مظالم بھی ڈھائے جانے لگے۔ جس کا نتیجہ یوں

ہوا کر خود شاہی خاندان کے بیشتر افراد نے بھی عوام کی حمایت کرنا شروع کیا۔ مگر ان کو تخت شاہی کا غدار گردان کر مختلف اوقات میں قید و بند کی سزائیں دی گئیں جن میں سے ایک مثال شہزادہ محمد حسام الملک مرحوم کی قید و بند بھی ہے۔ شاہی خاندان کے ان جمہوریت پسند حضرات کی ایما پر عوام کی خفتہ تحریک کو روز افزوں فروغ ملا اور عوام میں آزادی کی تحریک ابھرنے لگی۔ دوسری طرف تاجداران چترال نے اپنے مظالم کا احساس نہ کرتے ہوئے اِن تحریکوں کو خلاف قانون گردانا جس پر رعایا میں تخت شاہی کے خلاف آواز اٹھانے کی مجبوری پیش آئی۔

چونکہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرض وجود میں بھی آیا تھا مگر اس وقت چترال میں پاکستان کے قوانین پھر بھی نافذ نہ ہو سکے اور چترال کے عوام اسی گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ہی رہے۔ حالانکہ پاکستان کی تحریک سے سر محمد ناصر الملک پوری طرح باخبر ہو چکے تھے اور اسی بنا پر انھوں نے ۱۹۴۰ء سے قبل ہی شاہی قلعہ کے دروازے پر پیتل کا چاند تارا نصب کروایا تھا اور اپنے مصاحبین کو بتایا ہوا تھا کہ ایک ایسی حکومت بننے والی ہے جسمیں قومی نشان پر بھی چاند تارا ہوں گے۔ جس پر سادہ لوح لوگوں نے پاکستان بننے کے بعد یہ تاویل کی کہ سر محمد ناصر الملک نجومی تھے۔ مگر دوسری طرف

وہ اپنے حکمران کی سیاسی بصیرت سے بے خبر تھے۔

پاکستان بنتے ہی قائد اعظم نے بحیثیت گورنر جنرل یہ حکم دیا تھا کہ جو ریاستیں پاکستان کو ملی ہیں ان کے داخلی امور میں مداخلت نہ کی جائے اور وہاں کے حکمرانوں کو اپنے داخلی امور از خود نمٹانے اور عوام کو مطمئن اور آسودہ بنانے کا اختیار ہے۔ یوں ۱۹۴۷ء کی آزادی کے بعد بھی چترال کی حکومت اپنے پرانے طرز پر چلنے لگی۔ مگر عوام چترال کے دلوں میں جذبۂ آزادی خفتہ آتش فشاں کی مانند کروٹ بدلتا رہا۔ آخرکار ۱۹۴۹ء میں آتش فشاں اُبل پڑا۔ مگر اس کے دھانے سے تباہ کن لاوے کی بجائے نکہت آزادی اور بھائی چارے کی فضا ابل پڑی۔ جس پر عوام اور خواص دونوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ یوں صوبہ سرحد کی ریاستوں میں چترال وہ واحد ریاست ہے جو ۱۴ اگست ۱۹۴۹ء کو چترال مسلم لیگ کی قیادت میں شخصی حکومت سے آزاد ہوئی اور مملکت خداداد پاکستان کا باقاعدہ حصہ بن گئی۔ اس کے مقابلے میں دوسری ریاستوں مثلاً دیر اور سوات پر ۱۹۶۹ء تک اندرونی طور پر والیان علاقہ کا تسلط جاری رہا۔ اس لحاظ سے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ جس آزادی کو بیس برس پیشتر چترال کے عوام نے اپنی جدوجہد سے حاصل کیا تھا۔ اس کا تصور بیس برس بعد دوسری ریاستوں میں پیدا نہ ہو سکا تھا۔

اگر ۱۹۶۹ء میں یحییٰ خان مرحوم ان ریاستوں کو پاکستان میں ضم کرنے کا اعلان از خود نہ کرتے تو عین ممکن ہے کہ ان ریاستوں کے انتظامی امور آج بھی داخلی والیانِ ریاست کے رحم و کرم پر رہتے ۔

عوام چترال کی سیاسی بصیرت کی حمایت میں یہی ایک ثبوت کافی ہے کہ انھوں نے شاہان چترال کے ساتھ سربراہانِ حکومت پاکستان کی حمایت کے باوجود بھی اپنی جان ہتھیلی پر رکھ دی اور جمہوری و شخصی دونوں حکومتوں کے مقابلے میں اپنی تحریک کو عملی جامہ پہنایا ۔ یہ کوئی آسان کام نہیں دل گردے کی بات ہے ۔ جسے سمجھنے والے لوگ ہی محسوس کر سکتے ہیں ۔

تحریک آزادی کی وجوہات

مختلف ادوار میں ایک دوسرے سے بڑھ کر رعایا پر مظالم ڈھائے جانے لگے ۔ اس طرح عوام ارباب اختیار کے مظالم سے بیزار ہوئے ۔ نیز پاکستان بننے کے بعد بھی جب عوام چترال کو آزادی کی نعمت سے محروم رہی تو تحریک آزادی مزید زور پکڑتی گئی اور " سر کٹا سکتے ہیں لیکن جھکا سکتے نہیں " کا جذبہ عوام کے دلوں میں ثبت ہوتا گیا ۔ مگر سوال پیدا ہوتا ہے

کہ ایک ایسی عظیم تحریک از خود چلی؛ خارجی اشارات سے چلی؛ دولت و ثروت کے بل بوتے پر چلی؛ حکام کی کمزوریوں سے چلی؛ ہرگز ہرگز نہیں، تاریخ گواہ ہے کہ جس طرح مملکت پاکستان ہمارے چند اسلاف کی قیادت سے چلی جن میں قائد اعظم محمد علی جناح، ڈاکٹر محمد اقبال سمیت ملک کے نامور شخصیات کا واضح کردار ہے اس طرح تحریک آزادی چترال میں بھی چند ایک نامور شخصیات نے اہم رول ادا کیا جن میں مولانا نور شاہدین مرحوم کا اسم گرامی سرفہرست ہے جس نے خاص چترال دروس اور ایون کے چند نامور حضرات کو اپنا ہم خیال بنایا اور تحریک آزادی شروع کی جن میں وزیر صاحب قادر نواز دروش سیف اللہ جان لال دروس، قاضی صاحب نظام ایون اور سالار رحمت الدین وغیرہ شامل ہیں۔

واقعات تحریک آزادی

خاص چترال میں ان چند حضرات کی تحریک سے جب لوگ مسلم لیگ میں شامل ہونا شروع ہوگئے تو اس کا نام چترال مسلم لیگ رکھا گیا جبکہ دوسری طرف تخت شاہی کی حمایت میں انکاری مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا جو قائد اعظم مسلم لیگ کی

ذیلی جماعت تھی جس کے منشور کے مطابق ریاست میں امور
سلطنت حسب سابق والیانِ ریاست کے پاس رہنے تھے اور
ریاست کا اپنا الگ قانون ہوتا تھا جس پر تعذیرات ہندو پاک
کا اثر انداز نہ ہوتا تھا۔ ایک طرف چترال مسلم لیگ کا یہ منشور
تھا کہ چترال کے عوام کو مکمل آزادی ملے اور یہاں مکمل اسلامی
جمہوری حکومت قائم ہوجائے جس پر والئ چترال کی بجائے
براہ راست قوانین پاکستان کی رو سے حکام بھیجے جائیں۔
اس طرح مسلم لیگ کے دونوں مخالف دھڑوں میں ہر علاقہ
سے لوگ جوق در جوق شامل ہونے لگے۔ ان پڑھ اور دیہاتی
لوگوں کے لیئے یہ سمجھنا مشکل تھا کہ کونسی مسلم لیگ ان کے
لیئے فائدہ مند ہے۔ اگر کوئی سمجھ بھی جاتا تھا تو ان کو مہتر چترال
کی رضامندی مطلوب تھی اور وہ شاخ نازک پر آشیانہ بنانے
کی کوشش میں تھے۔ ان پڑھ عوام کیلئے دونوں کے فرق کو
واضح کرنے کے لیئے چترال مسلم لیگ کے راہنماؤں نے اتحادی
مسلم لیگ کو طنزاً "بختی لیگ" کا نام دیا۔ جس کا مطلب
یہ تھا کہ اتحادی مسلم لیگ کی وفاداری والئ چترال کے
دستر خوان تک محدود رہے۔ اس سے بڑھ کر ان کا کوئی
نصب العین نہیں ہے۔

چترال مسلم لیگ نے فارم رکنیت خفیہ طریقے سے بڑی

ذیلی جماعت تھی جس کے منشور کے مطابق ریاست میں امور
سلطنت حسب سابق والیانِ ریاست کے پاس رہنے تھے اور
ریاست کا اپنا الگ قانون ہوتا تھا جس پر تعذیرات ہندو پاک
کا اثر انداز نہ ہوتا تھا۔ ایک طرف چترال مسلم لیگ کا یہ منشور
تھا کہ چترال کے عوام کو مکمل آزادی ملے اور یہاں مکمل اسلامی
جمہوری حکومت قائم ہوجائے جس پر والئ چترال کی بجائے
براہ راست قوانین پاکستان کی رو سے حکام بھیجے جائیں۔
اس طرح مسلم لیگ کے دونوں مخالف دھڑوں میں ہر علاقہ
سے لوگ جوق در جوق شامل ہونے لگے۔ ان پڑھ اور دیہاتی
لوگوں کے لئے یہ سمجھنا مشکل تھا کہ کونسی مسلم لیگ ان کے
لئے فائدہ مند ہے۔ اگر کوئی سمجھ بھی جاتا تھا تو ان کو مہتر چترال
کی رضامندی مطلوب تھی اور وہ شاخ نازک پر آشیانہ بنانے
کی کوشش میں تھے۔ ان پڑھ عوام کیلئے دونوں کے فرق کو
واضح کرنے کے لئے چترال مسلم لیگ کے راہنماؤں نے اتحادی
مسلم لیگ کو طنزاً "یخنی لیگ" کا نام دیا۔ جس کا مطلب
یہ تھا کہ اتحادی مسلم لیگ کی وفاداری والئ چترال کے
دسترخوان تک محدود ہے۔ اس سے بڑھ کر ان کا کوئی
نصب العین نہیں ہے۔

چترال مسلم لیگ نے فارم رکنیت خفیہ طریقے سے بڑی

تعداد میں چھپوا کر لائے تھے کیونکہ ریاستوں میں نو آزاد پاکستانی قانون کے مطابق تحریک چلانے کی آزادی نہیں تھی۔ اسطرح چترال مسلم لیگ کے رہنماؤں نے اِن فارموں کے ذریعے قابلِ اعتماد افراد کی خفیہ ممبرسازی شروع کردی اور مختلف علاقوں کے با اعتماد افراد بڑی تعداد میں چترال مسلم لیگ میں شامل ہوئے اور اپنے اپنے علاقوں کی بھرپور قیادت کی۔ اس وقت تحریک آزادی میں سب ڈویژنوں کا سوال تک نہ تھا اور پورے چترال کے لوگ اپنے قائدین پر اعتماد کرتے ہوئے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے کی ٹھانی تھی۔ تاہم ابتدائی محرکین سب ڈویژن چترال کے علاوہ مندرجہ ذیل حضرات اپنے اپنے علاقوں میں تحریک آزادی کے علمبردار تھے۔ انھوں نے مصائب و آلام سے بھرپور دور میں اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر کام کیا۔ ایک طرف والئ چترال کی جانب سے ان کو خوف تھا تو دوسری طرف نو آزاد پاکستان کے قانون کی خلاف ورزی میں عتاب کا خوف، مگر امید آزادی دونوں پر سبقت لے گئی تھی۔

صف اول کے حضرات میں چارویلو صاحب نگین مستوج قاضی حضرت الدین مستوج، سید منور شاہ جوغور موہیدار علی رحمت خان دیزگ یارخون، مولانا شکور رفیع پرکوسپ، مستوج شیر سیدان لال ورکوپ موڑکھو، محمد قیوم خان ورکوپ، جہانگیر لال

ترتیچ، قاضی بدرالدین صاحب ترتیچ، ژرانہ زار خان ترتیچ، مولانا میر حسین خان ترتیچ، مولانا عبدالکریم دریموں "ترتیچ"، نور علی خان شاگروم ترتیچ، قاضی محمد مراد کوشٹ، قاضی محمد نادر شاہ مداک مرزا صاحب محمد اقبال زئیت (مستوج) مرزا متوالی شاہ ادیر موڑکھو سالار عبدالکریم ادیر موڑکھو، شیر مجم لال ورکپ تورکھو، مولانا عبدالقیوم شاگرام تورکھو، مصطفیٰ کمال اجنو تورکھو، (جو ملازم ہوتے ہوئے بھی تحریک آزادی میں شامل تھے) صوبیدار عبدالعزیز ترتیچ (جو مولانا عبدالکریم صاحب دیٹرنو کے بھائی ہیں جو صف اول کے رہنماؤں یعنی مولانا شہاب الدین وغیرہ کے ساتھ ابتداء میں ہی شامل تھا) ان کے علاوہ دیگر بہت سے حضرات نے سب ڈویژن مستوج سے آزادی کا نعرہ بلند کیا۔ جن میں مشرف خان کشم بابو سردار علی شاہ کشم، مولانا عبدالباقی سٹرپ، پھوکا خان کھوت مولانا عبداللہ ترتیچ، صوبیدار سیف اللہ خان لاسپور وغیرہ بے شمار جانثار شامل تھے۔

سب ڈویژن چترال میں تحریک آزادی کے علمبرداروں میں اشرف خان دروس، رحیم بیگ ایون، غازی خان ایون سے شیر گل خان ایون (جو اصلاً مداک کے باشندے ہیں) عبدالمجید دروس، میر حسام الدین چترال، میاں نور الاکبر چترال، گل نواز خان چترال، غلام حسین چترال، مظفر احمد خان چترال، شکری احمد خان

برنس، مہترجو فضل قادر ریشن، مہترجو رحمت زمان خان ایون
مہترجو رحمت کریم کیسو، عبدالواحد لال ایون، مولانا محمد مقبل چترال
محراب نواز خان لال ایون، غلام یوسف ایون، گوار خان ایون
مولانا عبداللہ دروش وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

مختلف علاقوں کے مندرجہ بالا قابل اعتماد حضرات نے اپنے
ابتدائی قائدین کی اطلاع پر اپنے علاقوں کے لوگوں کی قیادت
کرتے ہوئے ۱۳ اگست ۱۹۴۹ء کو چترال خاص پہنچ گئے۔ اس
اجتماع کو بظاہر یوم آزادی کے جشن کے نام سے دکھایا گیا تھا مگر
باطن میں یہ مہتر چترال کے خلاف ایک فیصلہ کن انقلاب تھا
جس کے لئے چترال مسلم لیگ کے متبرک نام اور ۱۴ اگست کے
مبارک دن کا انتخاب کیا گیا تھا۔ بہرحال قائدین نے ۱۳ اور
۱۴ اگست ۱۹۴۹ء کے درمیانی رات کو پرچم کشائی کی تقریب
کا اہتمام خفیہ طور پر ہو چکا تھا۔ جب مذکورہ بالا حوصلہ مند
اور انقلابی حضرات اپنے اپنے علاقے جلوس کے ساتھ پروگرام
کے مطابق ۱۳ اگست کو پولو گراؤنڈ چترال پہنچ گئے تو چترال
میں ہزاروں کی تعداد کا عظیم الشان اجتماع نظر آیا۔ جس کو
دیکھ کر مہتر چترال ہکا بکا رہ گئے۔ انھوں نے بغاوت کے خوف
سے چیو پل بند کرنے کا بندوبست کیا مگر ناکام رہے۔ کیونکہ
اچانک یکجا ہونے والے جم غفیر پر قابو پانا مشکل تھا۔ دوسری

طرف شاہی باڈی گارڈ کے افراد بھی باغی ہو کر چترال مسلم لیگ میں شامل ہو گئے تھے اور مہتر کے احکامات پر پوری طرح عمل پیرا نہ تھے۔ اس وقت چترال مسلم لیگ نے نیشنل گارڈ کے لیئے وردی کے لیئے سبز رنگ کی وردی کی منظوری دی جو اس وقت ہتی تنظیم تھی اور ان کے ہاتھوں میں پریڈ کے لیئے موٹی اور بندوق نما لاٹھیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ چترال مسلم لیگ نے باڈی گارڈ کے عہدیداروں اور سپاہیوں کو رسید دیکر ان کی بندوقیں اپنے پاس جمع کرانے کی تاکید کی تھی۔

۱۳ اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کی درمیانی رات کو پولو گراؤنڈ کے ساتھ والی مسجد میں روشنی کا بندوبست کرکے جھنڈے کی سلامی پریڈ کی تیاریاں مکمل کی گئیں۔ نیز مرکزی عہدیداروں کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔ مولانا نور شاہدین صاحب کو ان کی دیرینہ خدمات کے صلے میں صدارت کا عہدہ سونپا گیا، قاضی صاحب نظام نائب صدر، ظفر احمد خان جنرل سکرٹری، میر حسام الدین جائنٹ سکرٹری، میاں نور الاکبر ناظم اعلیٰ اور قادر نواز خان نگران مقرر ہوئے۔ اسی وقت رحمت الدین ایون سالار اعظم مقرر ہوئے جبکہ گل نواز خان چترال کو نیشنل گارڈ کا کپتان مقرر کیا گیا۔ اور غلام حسین پولیس کپتان نیشنل گارڈ مقرر ہوئے۔ شکری احمد خان اور مہتر جو رحمت زمان خان کو رئیس اعظم کے خطابات

ملے۔ ان عہدیداروں میں سرور الدین چترال اور محی الدین چترال وغیرہ آفس سکرٹری کے عہدوں پر فائز ہوئے۔

اگرچہ مسلم لیگ اس تاریخ سے دو دھڑوں میں بٹی ہوئی تھی مگر اس اجتماع نے ان کی آپس کی غلط فہمیاں دور کردیں۔ اور اتحادی مسلم لیگ اور چترال مسلم لیگ کا فرق باقی نہ رہا اور دونوں نے مل کر مکمل آزادی کا مطالبہ کیا۔ حالانکہ بعض با اثر افراد بظاہر مہتر چترال کے حامی تھے۔

مختصر یہ کہ ۱۳ اور ۱۴ اگست کی درمیانی رات کو ۲ بجے تمام تر انتظامات کو آخری شکل دی گئی اور ۱۴ اگست ۱۹۴۹ء کی صبح اپنے جوبن کے ساتھ آئی اور چترال مسلم لیگ نے اپنی کارروائی شروع کی۔ چونکہ چترال مسلم لیگ کی تحریک جنگل کی آگ کی طرح اندرون سے لے کر بیرون تک آن کی آن میں پھیل گئی تھی اس لیئے تمام علاقوں سے لوگ کثیر تعداد میں چترال خاص وارد ہوئے تھے۔ چترال مسلم لیگ نے جبراً بازار پل کے مشرق کی طرف دو منزلہ شاہی مکان کو مسلم لیگ کا دفتر بنایا جس کا ردعمل یہ ہوا کہ اس اچانک تبدیلی سے مہتر چترال بے دست و پا ہوکر رہ گئے۔ اور والئ چترال مہتر سیف الرحمٰن مرحوم نے قلعہ چترال کا صدر دروازہ بند کردیا۔

اس طرح چترال وہ واحد ریاست ہے کہ جس کے عوام نے

باہمی اتفاق سے اس وقت کے وزیر اعظم خان لیاقت علی خان اور اس کے طفیلی والئ چترال دونوں کے احکامات کو پس پشت ڈال کر اپنی ریاست کی عملی آزادی کا اعلان کیا۔ وزیر اعظم کا صریح تحریری حکم تھا کہ پاکستانی ریاستوں میں سیاسی سرگرمیوں پر مکمل پابندی ہے۔ چونکہ عوام یکطرفہ طور پر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے تھے پھر بھی، مہتر چترال اپنی طاقت دکھانے کے لیئے اتحادی مسلم لیگ کا سہارا لینے والے تھے۔ مگر اتحادی مسلم لیگ اپنے پاؤں پر کھڑی ہونے کی سکت سے محروم ہو گئی تھی۔ اس لیئے مہتر چترال کی کوششیں رائیگاں گئیں۔

چونکہ چترال مسلم لیگ کے رہنما چترال کے عوام کو عملی طور پر آزادی دلانے میں کامیاب ہو چکے تھے تاہم اس کو قانونی حیثیت دینے کا کام ابھی باقی تھا اور رہنماؤں نے اس کو پاکستان مسلم لیگ میں ضم کرکے چھوڑنے کا عزم صمیم کیا تھا اس لیئے چترال مسلم لیگ کا ایک وفد سابق صوبائی وزیر قادر نواز خان کی قیادت میں اس وقت کے صوبائی صدر مسلم لیگ چودھری خلیق الزمان سے ملنے کے لیئے سرکٹ ہاؤس پشاور گیا۔ وفد نے پاکستان مسلم لیگ کے صدر سے چترال مسلم لیگ کو پاکستان مسلم لیگ میں ضم کرنے کی درخواست کی۔

انھوں نے یہ کہہ کر معذرت ظاہر کی کہ چونکہ حکومت پاکستان

نے ریاستوں میں تحریک چلانے کی قطعی طور پر ممانعت کردی ہے اس لئے چترال مسلم لیگ کو پاکستان مسلم لیگ میں ضم کرنا سراسر قانونی جرم ہے۔ ان کے اس انکار پر مسلم لیگی رہنماؤں نے ہمت نہ ہاری بلکہ پہلے سے بھی زیادہ شوق و لگن سے اپنی تحریک چلانے کا مصمم ارادہ کر دیا۔ اس دوران چترال مسلم لیگ اور برائے نام اتحادی مسلم لیگ چترال میں شانہ بشانہ چلتی رہیں چنانچہ عملی طور پر چترال میں مخلوق خدا کو آزادی تو مل چکی تھی مگر سرپرستوں کے سروں پر تلوار منڈلاتی رہی کیونکہ انھوں نے خلاف آئین اپنی سرگرمیاں جاری رکھی ہوئی تھیں۔ اس میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حکومت پاکستان نے مہتر چترال کی طرفداری کرتے ہوئے چترال مسلم لیگ پر مظالم کی۔ کئی ایک معرکے مہلک دیواریں گرائی تھیں، کئی ایک قتل ہوئے تھے اور بہتوں کو قید و بند کی صعوبتیں جھیلنی پڑی تھیں۔ جس میں اس وقت کے پولیٹکل ایجنٹ کا اشارہ کار فرما تھا جو حکومت پاکستان کا نمائندہ تھا۔

طوالت کے خوف سے یہاں یہ کہنا ضروری ہے کہ بالآخر اپنا مطالبہ منوانے کے لئے صوبہ سرحد کے گورنر شہاب الدین سے ملاقات کے لئے ایک وفد ۱۹۵۲ء میں پشاور گیا۔ یہ جولائی ۱۹۵۲ء کا واقعہ ہے کہ گورنر صوبہ سرحد نے کشمیر کی لامتناہی لڑائی کے پیش نظر تحریک چلانے کی اجازت نہ

نے ریاستوں میں تحریک چلانے کی قطعی طور پر ممانعت کر دی ہے
اس لیئے چترال مسلم لیگ کو پاکستان مسلم لیگ میں ضم کرنا سراسر
قانونی جرم ہے۔ ان کے اس انکار پر مسلم لیگی رہنماؤں نے ہمت
نہ ہاری بلکہ پہلے سے بھی زیادہ شوق و لگن سے اپنی تحریک
چلانے کا مصمم ارادہ کر دیا۔ اس دوران چترال مسلم لیگ اور
برائے نام اتحادی مسلم لیگ چترال میں شانہ بشانہ چلتی رہیں
چنانچہ عملی طور پر چترال میں مخلوق خدا کو آزادی تو مل چکی تھی مگر
سرپرستوں کے سروں پر تلوار منڈلاتی رہی کیونکہ انھوں نے خلاف
آئین اپنی سرگرمیاں جاری رکھی ہوئی تھیں۔ اس میں یہ بات قابل
ذکر ہے کہ حکومت پاکستان نے مہتر چترال کی طرفداری کرتے ہوئے
چترال مسلم لیگ پر مظالم کی۔ کئی ایک معزز مہلک دیواریں گرائی
تھیں، کئی ایک قتل ہوئے تھے اور بہتوں کو قید و بند کی
صعوبتیں جھیلنی پڑی تھیں۔ جس میں اس وقت کے پولیٹکل
ایجنٹ کا اشارہ کارفرما تھا جو حکومت پاکستان کا نمائندہ تھا۔

طوالت کے خوف سے یہاں یہ کہنا ضروری ہے کہ بالآخر
اپنا مطالبہ منوانے کے لیئے صوبہ سرحد کے گورنر شہاب الدین
سے ملاقات کے لیئے ایک وفد ۱۹۵۲ء میں پشاور گیا۔ یہ
جولائی ۱۹۵۲ء کا واقعہ ہے کہ گورنر صوبہ سرحد نے کشمیر کی
لامتناہی لڑائی کے پیش نظر تحریک چلانے کی اجازت نہ

دی۔ گو کہ جنگ کشمیر میں باڈی گارڈ چترال بھی مطلوب تھا اور اب بھرپور اتفاق کے وقت ایک ضلع کے اندر تحریک چلانے اور نفاق پیدا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وفد کے سربراہ جناب قادر نواز خان نے گورنر شہاب الدین کو یہ بات ذہن نشین کرائی کہ چونکہ ۹۸٪ عوام چترال مسلم لیگ میں شامل ہیں تو مہتر چترال باقیماندہ دو فیصد عوام کی مدد سے کشمیر میں کیسے جنگ لڑ سکتا ہے۔ جب تک ۹۸٪ عوام اس میں حصہ نہ لیں اس وقت چترال کے مایہ ناز فرزند قادر نواز خان نے بطور چیلنج گورنر شہاب الدین سے کہا کہ وہ بہ نفس نفیس چترال تشریف لاکر دیکھے کہ آیا یہ دعویٰ چترال مسلم لیگ کا کہاں تک درست ہے۔ یہ بالفاظ دیگر گورنر صاحب کو چترال آنے کی دعوت بھی تھی۔ اس بات پر گورنر بہت متاثر ہوئے اور اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ایک پسماندہ ریاست کے عوام میں جذبہ آزادی کتنا موجزن ہے۔ چنانچہ انھوں نے چترال آنے کا پروگرام بنایا۔

گورنر کی چترال آمد ۱۹۵۳ء میں ہوئی۔ گورنر کی آمد کے موقع پر چترال مسلم لیگ نے بڑی حکمت عملی سے کام لیا اور عین گورنر کی آمد کے موقع پر لیڈروں نے اتحادی لیگ کے ہاتھوں میں بھی چترال مسلم لیگ کی جھنڈیاں تھمادی اور

ان کو بتایا کہ گورنر کا استقبال اس طرح پُررونق ہوسکتا ہے اور وہ اس خوشی میں چترال کے عوام کو بڑا فائدہ پہنچاسئے گا۔ اس پر سادہ لوح عوام مان گئے اور اتحادی مسلم لیگ کے عوام بھی جو دل میں چترال مسلم لیگ کے حامی تھے اپنا ظاہری نظریہ چھوڑ کر بیک آواز چترال مسلم لیگ زندہ باد کا نعرہ بلند کیا جس پر گورنر کو یقین آیا کہ اتنے ہجوم کے سارے لوگ جب چترال مسلم لیگ کے حامی ہیں تو پھر اتحادی لیگ کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

اس حقیقت سے یہاں انکار کرنا جرم ہے کہ چترال کے عوام سیاسی شعور کتنا دیرینہ اور قابل ستائش ہے کہ عین حصول مطلب کے وقت اپنے مخالفین کو بھی اپنا حامی بنا کے رکھدیا۔ حقیقت میں یہ چترال مسلم لیگ کے پُرعزم اور موقع شناس رہنماؤں کا تاریخی کردار ہے جس کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

چترال سے گورنر موصوف یکطرفہ ذہن لے کر پشاور واپس ہوا کہ اب چترال کی ریاست میں مقامی بہتری قوانین کا نفاذ برقرار رہنا بالکل محال ہے۔ اس کے اس دورۂ چترال کا بالآخر یہ نتیجہ نکلا کہ اس نے پاکستان کے گورنر جنرل غلام محمد مقیم کراچی کو چترال کے جملہ حالات سے تفصیلاً آگاہ کیا اور گورنر کے مشورے سے چترال ان ٹرم ایکٹ نافذ کردیا گیا جس

کی رو سے مہتر چترال ہمیشہ کے لئے امورِ ریاست سے بے دخل کر دیئے گئے اسی ایکٹ کی رو سے باقاعدہ الیکشن کے ذریعے ایڈوائزری کونسل کا قیام عمل میں آیا۔ ۱

اس کونسل کے پانچ منتخب اراکین تھے اور مہتر چترال کی طرف سے اس کونسل کے لئے پانچ افراد کو نامزد کیا گیا یوں دس رکنی ایڈوائزری کونسل تشکیل پاگئی جو امورِ ریاست چلانے میں سرگرم عمل ہوئی۔ مہتر چترال کو ۹۵۰۰۰ روپے سالانہ حکومت پاکستان کی طرف سے وظیفہ مقرر ہوئے اس طرح جملہ انتظامیہ دوھرے عہدوں والے حکمران پولیٹیکل ایجنٹ کے ہاتھ آگئی جو وزیراعظم بھی تھے۔ اس طرح شاہی خاندان چترال کی ساڑھے تین سو سالہ حکومت ہمیشہ کے لئے ناپید ہوگئی اور ظلم کی جانگاہ گھاٹیوں سے عوام کو نجات ملی۔

ایڈوائزری کونسل کے منتخب اراکین درج ذیل تھے۔

۱۔ تحصیل دروش سے سیف اللہ جان لال صاحب
۲۔ تحصیل چترال سے مولانا نور شاہدین صاحب
۳۔ تحصیل لٹکوہ سے سید نادر شاہ صاحب
۴۔ تحصیل مستوج سے چارویلو صاحب نگیں صاحب
۵۔ تحصیل موڑکھو اور تورکھو سے ظفراحمد خان ظفر صاحب

ایڈوائزری کونسل کے قیام کے وقت تک چترال میں دفتری زبان فارسی تھی جس کا ثبوت آجکل بھی سرکاری دستاویزات میں ملتا ہے۔ یوں ۱۹۵۳ء میں چترال کے رعایا قانونی طور پر اپنے مطالبات منوانے میں کامیاب ہوئے اور ریاست چترال اپنی قلیل آبادی اور دور افتادگی کے باوجود اپنے سے بڑے اور گنجان آباد ریاستوں پر بیس سال پہلے بزور بازو سبقت لے گئی جس پر آنے والی نسلیں یقیناً فخر کرنے کی مستحق ہیں۔

تحریکِ آزادی چترال کا جو خاکہ پیش کیا جا رہا ہے اسمیں غیر منظم تحاریک کے ساتھ ساتھ منظم تحریک کی باقاعدہ ابتدا ۱۹۴۶ء میں اس وقت ہوئی جب تحریک آزادی پاکستان سے عوام کسی حد تک واقف ہو چکے تھے مگر ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو قیام پاکستان کے وقت بھی عوام باقاعدہ تحریک نہ چلا سکے۔ شاید انھیں یہ امید دامنگیر تھی کہ ریاست چترال میں بھی پاکستان کی آزادی اپنی خوشبو بکھیرے گی۔ مگر قائداعظم نے تمام ریاستوں کو داخلی خود مختاری دیکر عوام چترال کے اس خواب کو شرمندۂ تعبیر ہونے نہ دیا جس پر منتظر حریت عوام کے دلوں میں اشتعال پیدا ہوا۔ اس طرح ۱۹۴۹ء میں باقاعدہ تحریک کا آغاز ہوا۔ اس تحریک کے چار سال بعد ۱۹۵۳ء تک قائدین چترال پر جو تکالیف گذریں ان کے بیان سے نوک قلم لرزاں

ہے۔ آفرین ہے ان قائدین کی صلاحیتوں پر جس نے کبھی اپنے نامور معمار صاحب نظام کو مہتر چترال سے سرد جنگ لڑنے پر مجبور کیا اور کبھی سالار رحمت الدین کے قابل رشک اقدام دکھائے۔ سالار رحمت الدین، عبدالواحد لال اور غازی خان ساکنان ایون اکتوبر ۱۹۴۷ء سے لے کر مئی ۱۹۴۸ء تک جیل میں رہے۔ یہ قید و بند اس جرم کی پاداش میں ہوئی کہ جسمیں دروش سے آنے والے جلوس کو شہزادہ حسام الملک مرحوم کی سازش گردانا گیا تھا۔ سالار رحمت الدین، زیور تعلیم سے بے بہرہ ہوتے ہوئے بھی اتنی سیاسی بصیرت اور دلچسپی کے مالک ہیں کہ ان کے پاس قائد اعظم میموریل فنڈ کا دس روپے کا ٹکٹ اب بھی محفوظ ہے جس پر خواجہ ناظم الدین کے دستخط ہیں۔ نیز سالار رحمت الدین کے پاس ایک اہم دستاویز اور بھی محفوظ ہے جو تین اکتوبر ۱۹۴۹ء کی وہ تحریر ہے جسمیں مہتر سیف الرحمٰن مرحوم نے چترال میں ذمہ دار حکومت کے قیام کا وعدہ کیا ہے۔ جس پر اس وقت کے اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ کے توثیقی دستخط بھی ثبت ہیں۔ تحریر مذکور کی ہو بہو نقل ذیل میں دی جاتی ہے۔

۴۸۶

۳ اکتوبر ۱۹۴۹ء

ممبران مسلم لیگ

حضور اینجانب بہ شمایان یقین میدہند. مطالبہ کہ برائے قیام ذمہ دار اسلامی حکومت در ریاست چترال بحضور اینجانب پیش بود، آنرا حضورِ اینجانب منظور نمودند.

تشریح وصورت آنرا بعد از عیدالاضحیٰ نمائندگان لیگ واہل وطن بعد از مشورہ فیصلہ خواہند کرد، واجراء خواہد شد۔

انگریزی دستخط

ہز ہائی نس سیف الرحمٰن والئ چترال

مذکورہ تحریر میری موجودگی میں ہوئی ہے

توثیقی دستخط

اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ چترال

محمد حسام الملک

محمد دلارام خان

برہان الدین خان

اصلاً اس دستاویز سے بہت سے نتائج اخذ کئے جا سکتے
ہیں ایک تو یہ کہ اپنی مرضی کا حکمران ہوتے ہوئے عوام کو اقرار
نامہ دینا مجبوری کی علامت ہے۔ اور اس طرح چترال میں قائد
اعظم مسلم لیگ اور چترال مسلم لیگ کے اتفاق کا ایک خاکہ
پیش کرتا ہے۔ دوسری طرف اس وقت کے متزلزل مقتدرِ
چترال کے اس شاہانہ جذبے کی عکاسی ہوتی ہے کہ انھوں نے
باوجود مجبوری کے حاکمانہ جملے استعمال کئے ہیں جو مزاج شاہانہ
کے منہ بولتے ثبوت ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ عوام کی سابقہ
مظلومیت نکھر کر سامنے آتی ہے کہ آخری تاجدار چترال نے
بھی اپنے اقتدار کے آخری ایام میں گل ہوتے چراغ کو
محسوس کرنے کے باوجود جب ہوشیار لوگوں سے اتنی بے باکی
کا سلوک کیا ہے تو اس کے با اختیار آبا و اجداد نے یقیناً پسماندہ
عوام کو ظلم کا نشانہ بنایا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ ان سرزد شدہ
مظالم میں صرف والیانِ ریاست ہی کو موردِ الزام نہیں ٹھہرایا
جا سکتا بلکہ ان کے دستِ راس معاصبین نے بھی اپنی قربت
کو دوام بخشنے اور والیانِ چترال کی کرم نوازیوں سے مزید
مستفید ہونے کے لئے مظالم میں دوچند اور سہ چند اضافہ
کیا ہے۔ اگر والیانِ چترال اپنے طفیلی اور پانی پر نقش جیسے
مصاحبین کی نیتوں کو بروقت بھانپ جاتے تو یقیناً وہ خفیف

سے خفیف زیادتی بھی نہ کرتے اور خود دھوکہ نہ کھاتے۔ والیان ریاست کا قصور یہ ہے کہ یہ مظالم ان کے ہلکے اشارے پر مصاحبین کی جانب سے ڈھائے جاتے تھے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مہتران چترال کے عہدیدار جو ہر قبیلے سے چنے گئے تھے اپنے اپنے قبیلوں کی نفسیات بخوبی جانتے تھے کہ وہ کتنے پانی میں تھے اور ان کو کس انداز سے زیردست بنایا جاسکتا ہے یوں گویا خود ہر قبیلے کا فرد اپنے قبیلے کا ظالم ہے اور بعد میں ان کی کرتوتوں کی بناء پر ظلم و زیادتی بڑھتی گئی۔ والیان ریاست سے صرف اس بات کو طاقِ نسیان کرنے کا گلہ ہے کہ سب نے اگر " سلطان ۔بیضہ ستم روا دارد زنند لشکریانش ہزار مرغ بہ سیخ" کی اہمیت کو نظر انداز کر دیا گیا اور موردِ الزام ٹھہرے۔ حالانکہ انہی قبیلوں کے لوگ ظالم بھی خود تھے اور مظلوم بھی۔ ایک بھائی زرین باندھ کر خدمت میں استادہ ہوکر نان جویں کھانے والے خاک نشین کی زمینیں ناجائز مہتری قوانین بنواکر چھین لینے سے بھی نہیں کتراتا تھا۔

عوام کی بھرپور شکایات کی بھرمار میں یہ بات ذہن میں جاگزیں ہوتی ہے کہ اگر خود اور فقط مہتر اتنے ظالم تھے تو عوام کو ان کی سرپرست حکومت کی مخالفت پر ابھرآنا کیونکر ممکن بنا جبکہ آج کے جمہوری دور میں کسی معمولی ذیلی عدالت میں بھی

اسی جیسی مخالفت کو غداری اور تخریب کا نام دیا جاتا ہے اور مرتکب افراد کو کیفر کردار تک پہنچایا جاتا ہے۔

مہتران چترال کے عہد میں قاضی صاحب نظام کی وہ دو[۲] باتیں قابل ذکر ہیں جس میں ایک دفعہ انھوں نے مہتر چترال کے وعدۂ نفاذ شریعت کو کرخت انداز میں مسترد کر دیا اور کہا کہ "یا تہ تخت بیر یا مہ سور بیر" یعنی یا تخت شاہی ختم ہوگا یا میرا سر قلم ہوگا۔ دوسری بار انہی صاحب نے پولیٹکل ایجنٹ رحیم داد خان کو مہتر چترال کی حمایت پر دھمکی دیتے ہوئے وہ الفاظ کہے جو آج کل ایک معمولی کانسٹیبل بھی برداشت نہیں کرسکتا اس نے رحیم داد خان سے کہا کہ "چترال چترالیوں کا ہے تمہارا اس میں کیا کام ہے یہاں سے فوراً بھاگ جاؤ" اور پھر قاضی صاحب نظام نے اپنے ہمرکاب عمائدین سے مشورہ کے بعد درخواست دیکر اسے چترال سے چلتا کیا اور اپنی مرضی سے میر عجم خان کو پولیٹکل ایجنٹ مقرر کرانے میں کامیاب ہوئے۔

شاہی خاندان سے وابستہ بہت سے خاندان تحریک آزادی میں عوام چترال کے ساتھ دوش بدوش شریک تھے۔ ان میں مہتر جوان وینین اور کیسو خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

آخر میں بطور خلاصہ یہ بات سامعین کرام سے عرض کرونگا کہ درحقیقت تحریک پاکستان میں اس وقت ہز ہائی نس محمد

ناصر الملک مرحوم عملی طور پر شامل تھے اور ان ہی کے ساتھ نشست و برخاست کے بل بوتے پر پہلے خواص اور عوام میں آزادی کا جذبہ موجزن ہوتا گیا۔ جس نے قوم چترال کی صلاحیتوں کو اجاگر کیا۔ ان کو یہ احساس تھا کہ تختِ شاہی جو ۱۸۹۵ء کو غیر ملکیوں کی مداخلت سے آلودہ ہوا تھا ایک نہ ایک دن ضرور جمہوریت کی کرنوں سے چمک اٹھے گا۔ ان کے بعد ان کے جانشینوں نے اپنے پیشرو بھائی کے خیالات کو عملی جامہ پہناتے ہوئے پاکستان کے ساتھ الحاق کا اعلان کر دیا۔ جس کی بدولت قوم چترال کا سر صوبہ سرحد کی باقی تمام ریاستوں کے مقابلے میں فخر سے بلند ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومین کو جوار رحمت میں جگہ دے اور جو بقید حیات ہیں ان کو ہماری رہنمائی کے لئے عمرِ نوح عطا فرمائے۔ آمین۔

پاکستان زندہ باد

پیغام

قاضی عبدالقیوم تورکھوڑ

جناب صدر محفل، مہمان خصوصی، منتظمین اور معزز سامعین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

آزادی کے حوالے سے گولڈن جوبلی کے سیمینار کی پروقار محفل میں شرکت کی دعوت دیکر مجھے آزمائش میں ڈالا گیا۔ میرے تو اعصاب مضمحل ہیں۔ پیرانہ سالی، نقاہت اور بیماری نے سفر یا محفل میں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بیٹھنے کے قابل نہیں چھوڑا ہے۔ میں نے تفصیلی مضمون اس سے پہلے بھیجدیا تھا اور ساتھ ساتھ اپنے بیٹے عطاء اللہ بخاری ایڈوکیٹ کو اس مختصر پیغام کے ساتھ اپنی جگہ محفل میں شرکت کے لئے بھیج رہا ہوں۔

میں ۱۹۳۴ء کو حصول علم کی غرض سے دہلی چلا گیا۔ مفتی اعظم اور جمعیت علماء ہند کے امیر حضرت مفتی کفایت اللہ مرحوم کے مدرسہ امینیہ میں داخلہ لیا۔ ہمارا مدرسہ تحریک آزادی کے بڑے مراکز میں سے ایک تھا۔ دوران تعلیم اساتذہ کرام کی معیت میں تحریک آزادی میں

حصہ لیا. تعلیم کے ساتھ ساتھ تحریک کے وہ تمام گر بھی سیکھ لئے تھے. تعلیم سے فراغت اور دستار بندی کے بعد حضرت مفتی اعظم نے مجھے نصیحت فرمائی کہ اب تک تم لوگ آزاد تھے. کوئی ذمہ داری یا بوجھ تم پر نہیں تھے. لیکن اب تمہارے کندھوں پر بھاری ذمہ داری عائد ہوگئی ہے. تمہارے ملک میں غلط رسومات ہیں، تحریک کے ساتھ ساتھ ان کے خلاف بھی آواز اٹھاؤ. بات نرمی سے کرو اور لوگوں کو سمجھاؤ ترش روئی اختیار کروگے تو کوئی تمہارے پاس نہیں آئیگا۔

اسی طرح اپنے قابل فخر استاذ کی نصیحتوں پر عمل کرنے کے ارادے سے چترال پہنچے تو اس وقت کے مہتر جناب محمد ناصر الملک مرحوم سے ملاقات اور تعارف ہوا. اس قلیل مدت کی ملاقات میں مہتر مرحوم بہت متأثر ہوئے اور انعام واکرام کے ساتھ وظیفہ مقرر کرکے دوبارہ آنے کی ہدایت کی. کچھ عرصہ بعد شاہی فرمان کے ذریعے دوبارہ چترال بلوایا گیا. بڑی خاطر مدارت کے بعد قاضی اور معلم مقرر کرکے یونی بھیجنے کی پیشکش کی. مجھے سرکاری اعزازات پسند نہ تھے میں مختلف بہانے سے واپس گاؤں جانا چاہا تو مزید وظائف مقرر کرکے مجھے رخصت کیا۔

اس زمانے میں جناب مظفر الملک گورنر تورکھوڈ تھے. مجھے مقام تورکھوڈ شوتخار میں معلم مقرر کرکے مزید وظائف مقرر کیئے. کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی اور میں نے اپنے اساتذہ کی

نصیحتوں پر عمل کرتے ہوئے تحریک کا آغاز کیا۔ مولانا نور شاہدین صدر چترال مسلم لیگ کی قیادت میں ہم نے ظلم، بیگار اور غیر اسلامی قوانین کے خلاف آواز اٹھائی اور تورکھوؤ کے لوگوں نے میری آواز پر لبیک کہا اور مجھے چترال مسلم لیگ تورکھوؤ کی صدارت و قیادت سونپی گئی۔ میرے معاونین میں دوسرے لوگوں کے علاوہ قاضی محمد ساقی ہیڈ ماسٹر، مصطفیٰ کمال اُجنو، صوفی صاحب اجنو، ماسٹر بلاوُر خان استارو، پھوکہ خان اسقال، فیروز خان کھوت، صوفی عبدالحسن ورکپ قاضی صاحب اوویر، سورُم خان اور نہر مست خان شوتخار قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ بھی بے شمار اصحاب نے ہراول دستے کا کام کیا۔

تحصیل تورکھوؤ میں سب سے پہلے مقام شوتخار میں مسلم لیگ کا جھنڈا لہرایا گیا۔ تحریک کے شروع میں لوگوں کے سامنے دو قسم کی مشکلات تھیں۔ ایک تو ریاستی دیرینہ دباؤ کہ ملک میں سربرآوردہ لوگوں کی اکثریت سابقہ ریاست کی حامی تھی۔ دوسری تحریک کو چلانے کے طریقہ کار سے ناواقفیت۔ چونکہ بندہ کو ان دونوں قسم کی مشکلات سے نمٹنے کا تجربہ مفتی اعظم ہند کی قیادت میں ہو چکا تھا۔ اپنی تحریک تمام تر قسم کی مشکلات کے باوجود بخیر و خوبی انجام دیتے رہے۔ تحریک کی آغاز سے کچھ عرصہ بعد جناب ماسٹر مصطفیٰ کمال صاحب مرحوم تعلیم سے فارغ ہو کر پشاور سے چترال پہنچے۔ پیشتر ازاں بھی وہ پشاور سے خطوط بھیجکر حوصلہ افزائی کرتے اور ہمت دیتے رہے

جب مرحوم موصوف تورکھوڈ پہنچے تو اس تحریک میں اور بھی جان سی پیدا ہوئی۔ شاہی قلعہ شاگرام کے سامنے میدان میں ایک عوامی جلسے میں مصطفیٰ کمال مرحوم کی تقریر کا وہ جملہ اب بھی میرے کانوں میں گونجتی ہے جس میں انھوں نے اپنی گرجدار آواز میں قلعے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ" گورنر تورکھوڈ نے اس قلعے میں جو کارندے مسلم لیگ کے پودے کو ہلانے اور سکھانے کے لئے پال رکھے ہیں ہوشیار رہیں کہ مسلم لیگ کے پودے اب تناور درخت بن گئے ہیں۔ اب ان کو ہلایا اور سکھایا نہیں جا سکتا۔ (الفاظ بہت سخت اور روایتی قسم کے تھے لیکن مترجم نے ان کو دوسرے نرم انداز میں پیش کیا ہے)۔ اس کے تورکھوڈ میں مسلم لیگ کی طرف کسی نے میلی آنکھوں سے دیکھنے کی ہمت نہیں کی۔

جب ضلعی مرکزی قائدین مولانا نور شاہدین، ظفر احمد خان، قادر نواز، مولوی صاحب وریژنو وغیرہ تشریف لائے تو تورکھوڈ کی حالات دیکھ کر بخوشی اور مطمئن واپس ہوئے۔

اپنی اس تحریک کے دوران آپس میں تنازعات کے فیصلے کا کام بھی ہم نے خود نمٹانا شروع کیا۔ لوگ مطمئن ہوئے اور قلعوں کے دروازوں تک جانے کی نوبت نہ آئی۔

جب کبھی سرکار کا نمائندہ علاقے کا دورہ کرتا تو ریاستی نمائندوں کے بجائے مسلم لیگی رہنما اس کی خاطر تواضع، خوش آمدید

وغیرہ کا کام اپنے کندھوں پر لیتے۔ ورنہ یہ کام ریاستی نمائندہ یعنی گورنر وغیرہ کا ہوا کرتا تھا۔

منجملہ ان میں ایک دلچسپ واقعہ اس وقت کے پولیٹیکل ایجنٹ میر عجم کا دورہ تورکھو تھا۔ ریاستی انتظامات بھی تھے لیکن مسلم لیگی کارکنوں کا استقبال دیدنی تھا۔ لوگوں کا جم غفیر امڈ آیا تھا۔ سڑک کے دونوں کناروں پر کھڑے کارکن تالیاں بجا کر مہمان کو خوش آمدید کہے۔ ڈھولک کی تھاپ، بندوقوں سے استقبالیہ فائرنگ سے فضا گونج اٹھی تو مہمان کی توجہ ان کی طرف مرکوز ہوئی۔ جلسہ گاہ میں مہمان نے بجائے ریاستی عہدیداروں کے مجھے اپنے ساتھ سٹیج پر بٹھا کر اپنی تقریر کا ترجمہ مجھ سے کروایا۔ مسلم لیگ کے کارکن زندہ باد کے نعرے بلند کئے اور مہمان مسلم لیگ تورکھو کی قیادت اور تحریک سے متأثر ہو کر رخصت ہوئے اور ریاستی حکام کا سارے کا سارا منصوبہ دھرے کے دھرے رہ گیا۔

ہمارے اس تحریک کے نتیجے میں جو جزوی طور پر ریاستی جبر و استبداد سے نجات اور چترال کا الحاق پاکستان کی صورت میں پورا ہوا لیکن ہمارا اصل مقصد ملک میں شریعت محمدی کا نفاذ تھا۔ ہماری تمنا تھی کہ اسلامی قوانین کا بول بالا ہو۔ لیکن افسوس ہے کہ وطن عزیز کی کسی بھی حکومت نے ہمارے اس مقصد کو پورا نہیں کیا۔ ہماری تمام قومی مشکلات کی وجہ صرف

یہی ہے ۔ آج بھی اس ملک میں شریعت کا قانون نافذ ہو تو ہمارے تمام مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

آپ نوجوانوں نے ایسی پروقار مجالس میں تحریک پاکستان کے اپنے بزرگوں کو یاد کرکے اور ان کو شمولیت کی دعوت دیکر جس طرح حوصلہ افزائی کرتے ہیں یہ قابل تحسین ہے اور میں یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں کہ آج کا نوجوان بھی اسلام اور وطن عزیز کے لیئے قربانی دینے کے لیئے درد رکھتا ہے۔ آج بھی نوجوانوں کے خون میں وہ گرمی موجود ہے جو ان کے بزرگوں سے ورثے میں ان کو ملی ہے۔ آپ کو اپنے نیک مقاصد کے حصول کے لیئے خداوندکریم حامی و ناصر ہو۔ "آمین"

۲۵ مئی سنہ ۱۹۹۷ء

تحریک آزادی چترال میں خواتین کا کردار

محکم الدین محکم

اس مقالے کی حساسیت سے شاید آپ بھی انکار نہیں کر سکتے کہ ہمارے علاقے میں مذہبی پابندیوں اور روایتی بندشوں کی وجہ سے اس موضوع پر قلم اٹھانا انتہائی مشکل کام ہے اور ان ہی روایتی حدود و قیود کی وجہ سے آج تک خواتین کی خدمات کی پذیرائی معاشرے میں صحیح طور پر نہ پہلے کی جا چکی ہے اور نہ اب کسی خاتون کی خدمات کے اعتراف کا ہمارے معاشرے میں رواج ہے۔ اس نامناسب رویہ کی بنیادی وجہ چترال کی محدود وادی میں خواتین کے حقوق کو ریاستی دور میں سلب کیا جانا ہے۔ جس کی چھاپ اب بھی ہمارے ذہنوں پر موجود ہے۔ موضوع کی حساسیت کے باوجود میں نے تحریک آزادی کی ان ماؤں کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے اپنی دلچسپی سے قلم اٹھانے کی کوشش کی ہے جس میں خاص گھرانوں کے علاوہ پورے چترال کا اجمالی خاکہ پیش کرنے کی مقدور بھر کوشش کی ہے

تحریک آزادی چترال میں جہاں مردوں نے نمایاں کارنامے سرانجام دیئے وہاں چترال کی ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کی قربانیوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور آزادی کی جدوجہد میں ان کی شرکت تاریخ کا وہ انمول باب ہے جسے تحریر میں لائے بغیر آزادی کی یہ تاریخ نہ صرف ادھوری رہے گی بلکہ اس کو تاریخی ناانصافی کے زمرے میں شمار کیا جائے گا۔ ان خواتین نے تحریک آزادی میں حصہ لینے والی اہم شخصیات اور کارکنوں کی کامیابی اور کامرانی کے لئے ماؤں کی حیثیت سے بارگاہ الٰہی میں ہاتھ پھیلائے اور بہنوں، بیٹیوں کی حیثیت سے محبت ایثار اور خدمت گذاری میں اپنا آرام اور سکون قربان کردیا۔ آزادی سے متصادم حکومت کی طرف سے کئے جانے والے مظالم سے پھوٹنے والے غم کے سمندروں کو مسرت و شادمانی کے موقع پر بہنے والے آنسوؤں میں تبدیل کرکے تحریک کے رہنماؤں اور کارکنوں میں ایک نیا ولولہ اور جوش و جذبہ پیدا کیا۔ جس کی بناء پر معاشی ناہمواریوں کے باوجود تحریک کے کارکنوں کو اپنی جدوجہد جاری رکھنے کا موقع ملا۔ چترال کی مائیں، بہنیں اور بیٹیاں اگرچہ شرعی حجاب کی پاسداری کرتے ہوئے تحریک آزادی میں براہ راست حصہ نہ لے سکیں لیکن تحریک کو کامیاب بنانے میں ان کی پس پردہ کوششیں روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ حکومت

وقت کے سخت اقدامات، معاشی کمزوریوں، تعلیم کے فقدان اور حجاب کی پابندیوں کے باوجود تحریک آزادی کی تاریخ میں ایسی خواتین کا تذکرہ ملتا ہے جس میں قائدانہ صلاحیتیں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔

۱۹۱۶ء میں تحریک آزادی مستوج میں بونی سے تعلق رکھنے والی ایک خاتون کا تذکرہ ملتا ہے جنھوں نے پہلی بار چترال کی خواتین میں یہ بیداری پیدا کی کہ جدوجہد آزادی صرف مردوں کا ہی کام نہیں بلکہ چترال کی تمام ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کو بھی اس گوہر نایاب کے حصول کے لئے حتی الوسع کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔ ۱۹۴۶ء میں جب چترال میں اپنے جائز حقوق حاصل کرنے کی غرض سے تحریک شروع ہوئی تو مردوں کے شانہ بشانہ خواتین کی فعال تحریک نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ سماجی ناانصافیوں اور ظلم و زیادتیوں کے خلاف ہر مظاہرے میں خواتین کی نہ صرف تائید و حمایت مردوں کو حاصل رہی بلکہ کئی ایک مقامات پر خواتین حکومت وقت کے خلاف میدان میں نکل آئیں جن میں سے دروش میں خواتین کا احتجاجی جلوس سرفہرست ہے جس کی قیادت معروف تحریکی خاتون "حوران نان" نے کی۔ اسی طرح تحریک آزادی کی نامور شخصیت سالار رحمت الدین کے بقول ۱۹۴۹ء میں ایون سین کے مرحوم رحمت نیاز خان کی والدہ

ماجدہ کی قیادت میں خواتین کے ایک جلوس نے حکومت وقت کے حامی ایوان کے ایک گھرانے میں مسلم لیگ کا پرچم لہرانے کی کوشش کی۔ جو خواتین کی طرف سے تحریک میں دلچسپی اور آزادی کے لئے قربانی دینے کے جذبے کا پتہ دیتی ہے۔ اِن کے علاوہ ایثار اور خدمت گذاری کی اور بھی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ تحریک آزادی کی ہوا چترال پہنچنے کے بعد کارکنان تحریک آزادی کی طرف سے مستقبل کے لئے لائحہ عمل مرتب کرنے کی غرض سے جگہ جگہ اجلاس منعقد کئے جاتے۔ لیکن ایک طرف ریاستی حکومت کے خوف اور دوسری طرف چترال شہر کے اندر ہوٹلوں کا مناسب رواج نہ ہونے کی وجہ سے تمام تر اجلاس اور پروگرام مسلم لیگ کے قائدین اور رفقاء کے گھروں میں خفیہ طور پر انجام پاتے جس کی وجہ سے تحریک کے سربراہوں اور کارکنوں کے قیام و طعام کا بندوبست بھی اسی گھرانے میں کیا جاتا۔ جس کی تمام تر ذمہ داری صاحب خانہ پر ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ ایسے حکومت مخالف افراد جو سزا کے طور پر پابند سلاسل کئے جاتے۔ تحریک سے تعلق رکھنے والی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے تیار کردہ کھانے کسی نہ کسی طریقے سے ان تک پہنچائے جاتے۔ سابق وزیر تجارت الحاج میر غیاث الدین آف گولدور اور ان کے فرزند میر حسام الدین جائنٹ سکرٹری چترال مسلم لیگ۔ ظفر احمد خان سکرٹری

مسلم لیگ چترال اور اتالیق جعفر علی شاہ کے خاندان کی خواتین اور تحریک آزادی کے ممتاز رہنما صدر چترال مسلم لیگ الحاج مولانا نور شاہدین کی اہلیہ کی طرف سے مسلم لیگی کارکنوں کے نان و نفقہ، تحفے اور تازہ پھلوں کا انتظام قابل ذکر ہیں۔

مسلم لیگ چترال کے پبلسٹی سیکرٹری غلام محی الدین کی والدہ ماجدہ کی خدمات بھی تحریک آزادی کی تاریخ میں سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہیں۔ اپنے فرزند ارجمند کو نہ صرف تحریکی کاموں پر مامور کیا بلکہ خود بھی براہ راست تحریک سے وابستہ رہیں۔ موصوفہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انھوں نے پہلی مرتبہ مسلم لیگ کے لئے سبز ریشمی دھاگے سے چاند تارا کی سلائی کرکے جھنڈا تیار کیا جو کہ آج بھی محفوظ ہے۔ جبکہ عام حالات میں سبز کپڑے پر سفید کپڑے کی پیوند کاری کرکے چاند تارے کا نشان بنایا جاتا تھا۔ اس سے تحریک آزادی کی اس نامور خاتون کی ہنرمندی اور تحریک کے لئے خدمات سرانجام دینے کا جذبہ عیاں ہے۔ اس کے علاوہ اپنے فرزند کے ہمعصر مسلم لیگی بیٹوں کی خاطر مدارات کرتیں اور ان کے لئے طعام اور قیام بندوبست کرکے خوشی محسوس کرتیں۔

تحریک آزادی میں الحاج لفٹننٹ عبدالرحمان کی اہلیہ منفرد مقام رکھتی ہیں۔ انھوں نے نہ صرف تحریک کے کارکنوں کے قیام

حصہ دار تھے۔ موصوف خزانچی سرور الدین نے والدہ کی ہدایت کے مطابق معینہ مقدار میں چندہ جمع کر کے مسلم لیگ کے عہدیداران الحاج مولانا نور شاہدین، ظفر احمد خان اور میر حسام الدین کے دستخطوں پر مشتمل رسید لاکر والدہ محترمہ کو پیش کی۔ یہی خلوص اور تحریک کے ساتھ معاونت کا جذبہ تھا جن کی بنا پر مادر مسلم لیگ یعنی" مسلم لیگو نان" کے نام سے مشہور ہوئیں۔ ان کے علاوہ چترال کے طول و عرض سے تحریک آزادی سے وابستہ ہر گھرانے کی خواتین نے اپنی بساط کے مطابق تحریک کے کارکنان کی خدمت گزاری میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ حتیٰ کہ تحریک سے وابستہ افراد جو کہ عام طور پر چترال میں مسلم لیگی گھرانوں کے مہمان ہوتے صاحب خانہ خواتین خود بھوکی رہ کر بھی ان مہمانوں کے لئے خوراک قیام اور ان کے کپڑے دھونے تک کی سہولت پہنچانے کو اپنا فرض سمجھتیں۔ یہی وہ انمٹ مثال قربانیاں تھیں جن کی بدولت تحریک آزادی کے سپاہیوں کو کھل کر حقوق کے حصول کی جنگ میں کامیابی ہوئی۔ اور مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو کر بیگار کے خاتمے اور اپنی جائیدادوں کے خود مالک بننے کا جو خواب دیکھا گیا تھا شرمندہ تعبیر ہو کے رہ گیا۔ خداوند کریم تحریک سے وابستہ بقید حیات ماؤں کو اپنی امان میں رکھے اور جو وفات پا چکی ہیں ان کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے (آمین)

خطابِ مہمان خصوصی

زین العابدین
(سابق ایم پی اے)

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم، اما بعد

جناب قابلِ احترام صدرِ مجلس اور معزز حضرات! سب سے پہلے میں انجمن ترقی کھوار کے عہدیداروں اور کارکنان کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے آج کے اس عظیم پررونق محفل کے مہمان خصوصی کے لئے مجھے منتخب کئے۔ اس کے بعد میں معزز مقالہ نگاروں جو اس سیشن میں مقالہ پیش کئے جناب مولا نگاہ صاحب، جاوید حیات اور محکم الدین صاحب کو کامیاب مقالہ پیش کرنے پر خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔ انھوں نے اپنے اپنے مقالے میں تحریک آزادی میں حصہ لینے والوں کی کاوشوں قربانیوں کا جو ذکر کیا ان میں جو جو زندہ ہیں خداوند تعالیٰ ان کی عمر دراز کرے اور جو وفات پا چکے ہیں خدا ان کو اپنی جوار رحمت میں!

بگردے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چل کر زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے: آمین۔

تحریک آزادی کے سلسلے میں چترال نے جو کردار ادا کیا اس کے متعلق مقالہ نگاروں کے مقالے کافی ہیں۔ میں تحریک آزادی پاکستان کے بارے میں چند گزارشات سامعین کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔

انگریزوں نے انتہائی چالاکی سے ہندوستان پر قبضہ کیا تو مسلمانوں نے ان کی چالاکیوں کو بھانپ کر ہندوستان کے چند اہم مقامات میں ۱۸۵۷ میں انگریزوں کے خلاف آواز اٹھائی اور تحریک شروع کی۔ انگریز اور ان کے درباریوں نے اس جنگ کو غدر کا نام دیا اور ہندوستان کے مسلمانوں نے اس جنگ کو جنگ آزادی کے نام سے موسوم کیا اور ہماری تاریخ میں یہ جنگ جنگ آزادی کے نام سے جگہ لی۔ ۱۸۹۵ء میں ہندوستان کے رہنے والے ہندو بھی مسلمانوں کے ساتھ مل کر انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کا نعرہ بلند کیا اور انھوں نے مل کر اس مقصد کے لئے ایک تنظیم بنائی۔ اس کو انڈین نیشنل کانگریس کا نام دیا۔ مگر اس تحریک میں ہندوں نے مسلمانوں کی تہذیب اور ثقافت کو پس پشت ڈال کر اپنی تہذیب و ثقافت کو فروغ دینے میں کوشاں رہے۔ مسلمانوں نے ان کی مکاری کو بھانپ کر

اپنے لیۓ ایک علٰحدہ تنظیم تشکیل دی۔ اس تنظیم کو آل انڈیا مسلم لیگ کا نام دیا گیا۔ ۱۹۰۶ء میں یہ تنظیم عمل میں آئی اور انھوں نے اس بات کی وضاحت کی کہ اس سے پہلے ہم ہندوستانیوں کو ایک قوم سمجھتے تھے اب ہمیں معلوم ہوگیا کہ ہندوستان میں دو قومیں آباد ہیں۔ ان کے اصول اور طور طریقے علٰحدہ علٰحدہ ہیں وہ مل کر نہیں رہ سکتیں۔ اس زمانے میں مسلم لیگ کا پہلا صدر سر سلطان محمد شاہ مرحوم تھے۔ انھوں نے صدارت قبول کرکے مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کی کوشش کی۔ ۱۹۱۲ء تک مسلم لیگ کا صدر رہے۔ اس وقت قائد اعظم محمد علی جناح پاکستان میں موجود تھا اس لیئے سر آغا خان قائد اعظم کو مسلم لیگ میں شامل کرکے مسلم لیگ کا باگ ڈور سنبھالنے کے لیئے کہا۔ محمد علی جناح نے یہ بات قبول کی اور مسلم لیگ کا صدر بن گیا۔ اس وقت سر محمد شاہ آغا خان اور محمد علی جناح کے باہمی کوششوں کو دیکھ کر ڈاکٹر سر محمد اقبال نے کہا

سلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ ؛ جو نقش کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

نقش کہن کو مٹانے، مسلمانوں میں یکجہتی پیدا کرنے اور مسلمانوں کے لیئے ایک علٰحدہ مملکت بنانے کی یہ ایک تحریک تھی۔ اس تحریک میں قائد اعظم کی ولولہ انگیز قیادت اور انتہائی جدوجہد اور مسلمانوں کی کوششوں کے نتیجے میں ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو

پاکستان وجود میں آیا۔ قائد اعظم جب دہلی سے کراچی پہنچا تو پاکستان زندہ باد کے نعروں سے ان کا استقبال کیا گیا۔ اس سے پہلے پاکستان زندہ باد کا نعرہ کوئی نہیں لگایا تھا۔ اب کے بعد پاکستان زندہ باد ہمارا قومی نعرہ بن گیا۔ اب بھی ہم کسی بھی ضرورت کے وقت اس نعرے سے کام لیتے ہیں۔ یہ تھا پاکستان کی تاریخ کا ایک حصہ۔ اب چونکہ یہ سمینار پاکستان کے پچاس سال پورا ہونے پر گولڈن جوبلی کے طور پر منایا جا رہا ہے اور اس میں چترال میں تحریک آزادی کے سلسلے میں یہ باتیں ہو رہی ہیں۔ اب ہم دیکھیں گے کہ قرارداد لاہور میں مسلمانوں کے بارے میں جو ضمانت دی گئی ہے اس کے مطابق ہم کس حد تک اس پر عمل پیرا ہیں کس حد تک کامیاب ہو چکے ہیں۔

یہ بات آپ کو بخوبی معلوم ہے کہ ۱۹۷۰ء تک ہمارا یہ علاقہ چترال پر پولیٹیکل راج رہا۔ پھر مارشل لاء کا شکار رہا۔ جمہوری حکومتیں آئیں تو بہت کم وقت میں ختم ہو گئیں۔ ۱۹۵۷ء سے ۱۹۶۸ تک ایوب خان کی حکومت رہی۔ سیاسی مشکلات کی وجہ سے اس کو حکومت سے ہٹایا گیا تو یحییٰ خان کا دور آ گیا۔ اس وقت دوسری ہمسایہ ریاستوں کے ساتھ چترال کی ریاست کو بھی حکومت میں ضم کر دیا گیا۔ یہاں حکومت کا ذمہ دار ڈپٹی کمشنر ہو گیا۔ مگر ابھی چترال کے لیئے کیا کچھ کیا گیا۔ پاکستان بننے کے بعد

چترال میں صرف ایک ہائی سکول وجود میں آ گیا تھا۔ چترال کے ناساعد حالات کے باوجود ہمارے بچے تکالیف برداشت کر کے پشاور جا کر تعلیم حاصل کئے۔ اپنی کوشش اور محنت سے کوئی ڈاکٹر بن گیا، کوئی انجینئر اور کوئی ماہر تعلیم پھر چترال آ کر قوم کی خدمت میں مصروف ہیں۔

میں اس سیمینار کی وساطت سے یہ صرف میری بات نہیں بلکہ تمام چترالیوں کا مطالبہ ہے کہ قرارداد لاہور میں تمام شہریوں کے لئے جن جن حقوق کا تذکرہ ہے وہ چترالیوں کو حاصل نہیں ہیں۔ چترال ایک پسماندہ علاقہ ہے۔ پاکستان کے ساتھ ریاست چترال کی شمولیت غیر مشروط طور پر ہوئی تھی اب ہم یہ کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ کاش یہ مشروط طور پر پاکستان کے ساتھ شامل ہوتا تو ہماری تعلیمی حالات اور معاشی حالات اگر بہتر نہ ہوتے تو کم از کم ۵۰ یا ۶۰ فیصد کام تو ہو جاتا۔

لیکن ہم میں سے جو لوگ پاکستان کو تسلیم کئے تھے اس سے ہمیں یہ ایک عظیم فائدہ حاصل ہوا کہ ہم انگریزوں اور انگریزوں کے درباریوں کے غلامی سے آزاد ہوئے۔ آزاد فضا میں تعلیم حاصل کر سکے۔ اب بھی ہمارے ارادے مضبوط ہیں۔ ہماری منزل انگریزوں کی غلامی سے آزادی حاصل کرنا تھا وہ ہمیں حاصل ہو گیا۔ انگریزوں کے زمانے میں، ان کے درباریوں

کے زمانے میں چند نفوس کے علاوہ کسی کو تعلیم حاصل کرنے کا موقع ہی فراہم نہیں کیا جاتا تھا۔ اگر ہم عوام میں کسی ایک چند کو بھی تعلیم حاصل کرنے کا موقع فراہم ہوتا تو آج ہمیں شکوہ نہ ہوتا کہ کبھی ہم بھی تعلیم یافتہ تھے اور یہ ہماری تعمیر کے لیئے بنیاد بن جاتا۔ اب تک ہم اپنی منزل کو نہ پا سکے۔ ہمارے جغرافیائی اور ناسا عد حالات کے پیش نظر اب تک حکومت ہماری مشکلات کو حل کرنے میں نا کام رہی ہے۔ اب بھی ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ دوسرے شہریوں کی طرح ہمارے حقوق ہمیں دینے کی طرف توجہ کرے۔ کیونکہ ہم نے ہر مشکل وقت میں ملک کے ساتھ وفاداری کا ثبوت پیش کیا ہے۔ ہم نے شمال کی طرف سے بھی اس ملک کی حفاظت کی ہے اور مشرق کی طرف سے بھی حفاظت میں کمی نہیں کی ہے۔ ہم ہر وقت ملک کی حفاظت کے لیئے ہر طرف سے قربانیوں کے لیئے تیار ہیں اور حکومت سے بھی ہم پر زور درخواست کرتے ہیں کہ حکومت بھی ہماری مشکلات دور کرنے کی طرف توجہ دے۔

جو بھی حکومت اب تک برسر اقتدار آئی ہے پہلا اعلان یہ کرتی ہے کہ ہم پسماندہ علاقوں کی ترقی کی طرف توجہ دیں گے مگر اب تک چترال کی طرف کوئی بھی توجہ نہیں دی ہے۔ یہاں چترال میں پیدل چلنے کے بھی راستے نہیں ہیں۔ اگر بارش

یا بادل ہو تو ہوا میں بھی راستے مسدود ہو جاتے ہیں ۔ جب لاداری بند ہو جاتا ہے تو ہم چترال سے اپنے بیماروں کو اسپشلسٹ کو دکھانے پشاور نہیں لے جاسکتے ۔ جبکہ چترال میں اب تک ایک اسپشلسٹ بھی نہیں اس لئے ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ ہمارے بچوں کو اور جو ڈاکٹر چترال میں ہیں ان کو اسپشلائزیشن کا موقع فراہم کیا جائے ۔ چترال کے لئے اسپشلسٹوں کا بندوبست کیا جائے ۔ لاداری ٹنل کے متبادل راستے کا بندوبست کیا جائے ان مخدوش اور نامساعد حالات کے باوجود ہم اب بھی پاکستان زندہ باد کا تاریخی نعرہ بلند کرکے آئے ہیں ۔ یہ ہماری وفاداری کا بیّن ثبوت ہے ۔ آخری بار ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ ہمارے حالات کی طرف توجہ مبذول کیا جائے ۔

آپ سب کا شکریہ

والسلام

خطبہ صدارت

میجر ریٹائرڈ احمد سعید

جناب مہمان خصوصی و صدر انجمن ترقی کھوار چترال ،
اقبالؒ کا ایک شعر جو بار بار پڑھا جا رہا ہے میں اس میں تھوڑا تبدیل کرکے "اقبال کی روح سے معذرت کے ساتھ" یہ کہونگا۔

سلطانی جمہور کا آیا ہے زمانہ
جو نقش کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

سامعین کرام : پاکستان کے بچاس سالہ زندگی کے سلسلے میں جو گولڈن جوبلی تقریبات جس میں مقامی دانشوروں کے اہم مقالات کے ساتھ تحریک آزادی کے اس وقت کے لیڈروں میں سے اہم شخصیات جو یہاں موجود ہیں جیسے قاضی صاحب نظام ؒ محی الدین مولدہ ، سرور الدین صاحب اور گرم چشمہ سے ہمارے بزرگ جو ہندوستانی میکی کے نام سے مشہور ہے جنھوں نے تحریک آزادی میں اہم کردار ادا کئے یہاں موجود ہیں ۔ ان محفلوں میں سے ایک نشست کے لئے مجھے صدارت کا

جو شرف بخشدیا گیا ہے میں انجمن ترقی کھوار چترال کا انتہائی مشکور ہوں

سامعین! آج یا کل سے یہاں جو مقالے پڑھے جارہے ہیں یقیناً مقالہ نگاروں نے بہت کاوشیں کی ہیں وہ قابل تحسین ہیں میں ان مقالہ نگاروں کو خراج عقیدت پیش کرتا ہوں. لیکن میں جو باتیں کہتا ہوں آپ سب سے معذرت کے ساتھ میرا نکتہ نگاہ تھوڑا سا مختلف ہوگا یہ میری ذاتی رائے ہوگی اور یہ بھی ضروری نہیں کہ آپ بھی میری رائے سے اتفاق کریں۔

۱۹۴۷ء سے پہلے برصغیر کے حالات یا ۱۹۴۷ء سے پہلے اور بعد میں چترال کی حالات بعض تاریخی میرے مطالعے اور سوچ کے مطابق ذرا مختلف ہیں. جیسا کہ مہمان خصوصی نے فرمایا انگریزوں نے اپنی چالاکی بل بوتے ہندوستان پر قبضہ کیا۔ میں اس بات سے متفق نہیں ہوں یہ انگریزوں کی چالاکی نہیں تھی بلکہ ہم سو رہے تھے۔ ہندوستانی قوم غفلت کی نیند میں تھی کہ دشمن نے شب خون مارا اور ہمیں زیر دست کر لیا۔ ورنہ اگر ہم بیدار ہوتے تو انگریز اتنا چالاک نہیں تھا کہ وہ آسانی سے ہم پر تسلط جما لیتا۔

آزادی کے سلسلے میں میری نظر میں آزادی کا جو مفہوم ہے یقیناً ہم نے آزادی حاصل کی ہے مگر یہ آزادی فزیکل

انڈپنڈنس۔ ہے یعنی جسمانی آزادی ہے۔ ذہنی طور پر ہم آج بھی پوری طرح آزاد نہیں ہیں۔ ہم معاشی اور فکری طور پر آزاد نہیں۔ ہمیں بولنے کی آزادی نہیں۔ نقلی حاکموں اور بادشاہوں کے پنجے سے باہر نہیں نکل سکے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو تب کہیں جاکر ہم آزاد ہوئے ہوتے اس طرح آزادی کی نعمتوں سے ہم آج بھی محروم ہیں۔

آج سے پچاس سال پہلے ہمارے متعلق اقبال نے کہا تھا۔

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے ٭ ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

کل کے خبروں میں' میں نے سنا کہ دنیا کی تو میں' مریخ پر تو ان کا جہاز لنگر انداز ہوگیا اور ہم آٹے کی بوری اٹھا کر پن چکیوں کا چکر لگا رہے ہیں کہ آیا آٹا ملے گا بھی کہ نہیں اب بھی ہم غفلت کی نیند میں سوئے ہوئے ہیں۔ اور خوش فہمی میں ہیں کہ ہم آزاد ہیں۔ اسی طرح رہے گا تو ہم دن بدن غلامی کی ان دیکھی زنجیروں میں جکڑے جائیں گے اور کبھی بھی ہم آزاد نہیں ہو سکیں گے۔

تحریک آزادی کے حوالے سے قائداعظم' علامہ اقبال' سر سلطان محمد شاہ آغا خان' لیاقت علی خان' عبدالرب نشتر ہندوستان کی آزادی کے بڑے بڑے رہنما تھے جن کو خراج عقیدت پیش کرتا ہوں لیکن ہمارا تعلق ایسے علاقے سے ہے جو برصغیر

سے کٹا ہوا ایک چھوٹا سا علاقہ ہے جس میں جن بزرگوں نے ہمیں آزاد ہونے کا شعور دیا وہ بھی کسی سے کم نہیں اور وہ قابل صد تحسین ہیں۔ ہمیں مولانا نور شاہدینؒ قاضی صاحب نظام، مولانا محمد عقیل، مولانا عبدالقیوم، مولانا عفرت الدین، مولانا عبدالکریم پر فخر ہے کہ ان بے باک رہنماؤں نے ایسے دور میں جب ہم دوہری غلامی میں جکڑے ہوئے تھے۔ ایک طرف انگریز کی غلامی، دوسری طرف والیان ریاست کی غلامی سے۔ ہمیں آزادی کا احساس دلایا، آزادی کی شمع ہمارے لئے روشن کی۔ ہمیں راستہ بتایا مگر افسوس کہ ان کے بتائے ہوئے راستے پر آج بھی صحیح طریقے سے نہیں چل سکے۔

یہاں میں بعض مقالہ نگاروں کی رائے سے متفق نہیں ہوں یہ میری ذاتی رائے ہے کہ جو تاریخ کا طالب علم ہے یا تاریخ سے تھوڑی سی لگاؤ ہے تو شاید یہ پڑھا ہوگا کہ لارڈ کرزن جو وائسرائے ہند رہ چکے ہیں انھوں نے یادداشت لکھی ہے۔ اس میں انھوں نے مہتر امان الملک کی وہ ایگریمنٹ کا ذکر کیا ہے جو انھوں نے ۱۸۸۶ء میں انگریزوں کے ساتھ کیا تھا تاکہ ان کی حکومت برقرار رہ سکے اور چترالی قوم کو صدیوں تک محکوم کر سکے۔ معاہدہ نامہ کے الفاظ کچھ یوں شروع ہوتے ہیں

I am the eater of the salt of the english — will serve them body and soul. Should any enemy of their attempt to pass through this Quarter I will hold the roads and passes with my lions girts until they sent me help.

اردو میں اس کا ترجمہ یہ ہے " کہ ہم نمک خوران تاج برطانیہ لکھ کر دیتے ہیں کہ ہم انگریزوں کے تمام مفادات کا تحفظ کریں گے اور چترال کے راستے کسی بھی یلغار کو روکنے کے لئے ہم اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہادیں گے " وغیرہ وغیرہ ۔
یہ وہ الفاظ ہیں جو سر امان الملک گریٹ مہتر نے انگریزوں کے ساتھ غلامی کا پہلا معاہدہ کیا ۔
اس طرح یہاں ایک مقالہ نگار نے کہا کہ شیر افضل خان آزادی کا سپاہی ہے ۔ حالانکہ سر شجاع الملک قلعے میں محصور تھا ۔ شیر افضل عمرا خان کو ساتھ لے کر یلغار کیا ۔ میرے نزدیک وہ جنگ چترالی قوم کی آزادی کے لیۓ نہیں تھی بلکہ کم سن شجاع الملک سے تخت چھیننے کے لیئے لڑی جا رہی تھی ۔ اگر مہتر شیر افضل خان کامیاب ہوتا تو والئ چترال ہوتا ۔ چترالی قوم والی چترال نہ ہوتی ۔
ایک مقالہ نگار نے کہا ۔ ایک اسلام پسند یا آزادی پسند

والئ چترال نے کالام، کوہستان سوات وغیرہ کو ان لوگوں کی
درخواست پر آزاد کر دیا حالانکہ کوہستان کو ہم بشقار کہتے ہیں
جس کو ۲۵ یا ۲۲ ہزار روپے میں فروخت کر دیا گیا ہے۔ اس رقم
کے عوض پشاور میں اپنے لئے چترال ہاؤس خریدا۔۔ اس طرح
آئندہ نسل کو تاریخ کی صحیح موڑ پر نہیں ڈالیں گے تو ہم اسی
کیشگری میں رہیں گے اور آزادی حاصل نہیں کر سکیں گے۔

سر ناصر الملک کو ہم سلام پیش کرتے ہیں انھوں نے نیک
نیتی سے اس قوم کو آزادی دینے کا خواب دیکھا۔ ان کے شعور
کو بیدار کرنے کے لئے اس نے یہاں سکول کی بنیاد ڈالی۔ اس
طرح قوم کٹور میں مہتر ژاؤ ان دینین اور کیسو وغیرہ بھی قابل
تحسین ہیں۔

مظفر الملک نے جو پاکستان کے ساتھ الحاق کیا اس بات
کے ساتھ میں متفق نہیں ہوں کیونکہ ناصر الملک کی وجہ سے
پہلے ہی سے لوگ آزادی کے طرفدار بن چکے تھے۔ وہ جانتے
تھے اگر میں نے انکار کیا تو قوم مجھے نہیں چھوڑے گی۔
مظفر الملک نے ایک وفد ہندوستان بھیجا وہ وفد کانگریسی
لیڈروں سے بھی ملے اور مسلم لیگی لیڈروں سے مل کر
ان کی رائے معلوم کی۔ کانگریسی لیڈروں نے کہا کہ ہم شروع
ہی سے ریاستوں کو ختم کر دیں گے تو مسلم لیگ کے قائدین نے

ریاستوں کو برقرار رکھنے کا عہد کر لیا۔ اس میں ریاستی حکمرانوں کی ذاتی مفاد شامل تھی۔ اسی لئے انھوں نے مسلم لیگ کے ساتھ الحاق کیا۔ نہ کہ وہ چترالی قوم کی ترجمانی کر رہا تھا۔

میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ انجمن ترقی کھوار چترال' چترال کی تاریخ مرتب کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کرکے دقیق نظر سے حقائق کو پرکھ کر ایک صحیح تاریخ مرتب کرنے کا بندوبست کرے جس سے ہماری آنے والی نسلیں فائدہ اٹھا سکیں اور اس میں مصلحتوں کا شکار نہ ہو کیونکہ اب

؎ سلطانیٔ جمہور کا آیا ہے زمانہ ؛ جو نقش کہن تم کو نظر آئے مٹادو

علامہ اقبال کے اس قول کے مطابق حقائق کو چھپانے کے لئے مصلحتیں نقش کہن کا لبادہ اوڑھ کر انسانی شکل میں نظر آئیں' بھائی چارے کی لباس میں آئیں' مسلمانی کی صورت میں آئیں' جمہوریت بن کر آئیں لیکن اگر نقش کہن ہیں تو ان کو مٹا دینا چاہیے۔ اقبالؒ پھر فرماتے ہیں۔

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
ملاّ کی آذان اور مجاھد کی آذان اور
پرواز ہیں دونوں کی جو ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہان اور

شکریہ

والسلام

کھوار ادب میں آزادی کا ذکر

محمد چنگیز خان طریقی

یہ آزادی ہی کی برکت ہے کہ آج کھوار ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ ذکر آزادی کے لحاظ سے کھوار ادب کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ یعنی قیام پاکستان سے پہلے کا ادب اور قیام پاکستان سے اب تک کا ادب۔ قدیم کھوار ادب ہو یا جدید دونوں میں قوم کی اجتماعی سوچ اور ذہنی رجحان کار فرما ہے۔ حصول آزادی سے پہلے کا ادب اگر کسی حد تک مختصر ہے لیکن نہایت اہمیت کا حامل، معلوماتی اور پُر مغز ہے۔

قدیم زمانے میں چترال کے دانشوروں کو اپنے ادبی تخلیقات و نگارشات کو مجتمع و محفوظ کرنے کے مواقع و سہولتیں اگر میسر ہوتیں تو آج ہمارے پاس قدیم ادب کا عظیم سرمایہ ہوتا لیکن افسوس کہ ان کے ادبی تخلیقات کا بیشتر حصہ دستبرد زمانہ کی نذر ہوگیا اور

ان کے زرین خیالات پر طویل زمانے کی دبیز گرد پڑ گیا۔ کھوار ادب کا جتنا حصہ اب ہمارے پاس ہے۔ اس کا بیشتر حصہ لوک گیتوں، کہانیوں، سینہ بہ سینہ منتقل کہاوتوں اور زبان زدِ عام مقولوں کی صورت میں ہے۔ یا پھر دورِ جدید میں چترال کے اہلِ قلم کو اپنے ماضی کی تلاش ہوئی تو تحقیق و جستجو کے نتیجے میں بعض جواہر ریزے ہاتھ لگے۔ لیکن یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ جدید کھوار ادب کے دامن میں دیگر اصنافِ سخن کے علاوہ آزادی سے متعلق بھی بہت کچھ ہے۔

پہلے چترال کی معلومہ تاریخ سے آزادی سے متعلق ادبی تاریخ اور تحقیق و جستجو کا حاصل پیش کیا جاتا ہے۔

۱۸۶۸ء میں میر محمود شاہ والئ بدخشان نے جب لشکر جرار کے ساتھ دربند یارخون کے راستے چترال پر حملہ کیا اور چترالی لشکر کے ہاتھوں عبرتناک شکست سے دوچار ہوا تو اس وقت کے چترال کے مسلم الثبوت، بدیہہ گو اور قادر الکلام شاعر "جبین" باشندہ بونی نے میر محمود شاہ والئ بدخشان کی ان الفاظ میں مذمت کی۔

محمود شاہ اسے تہ ارمانہ ؎ تمار نولیس تہ فرمانہ
کلیسر ڈوم اسے تہ دربنہ ؎ ڈائی راؤ اوشو ڈاسے میرتہ
دوڑ دکو یوگیاک بیرتہ

ترجمہ :- اے محمود شاہ ہم تیرے آنے کی تمنا ہی کر رہے تھے "طنزاً" واقعی والیٔ چترال کا نواسہ تیرے تابع فرمان تھا۔ (تیرے خیال کے مطابق) اور دربند میں تیری فوج کی لاشوں کے انبار لگ گئے تو چترال کے لوگوں کو باغی سمجھ رہا تھا اور سمجھا ہوا تھا کہ کاری ضرب سے یہ گھٹنے ٹیک دیں گے۔ کیا واقعی ہم نے گھٹنے ٹیک دیئے؟ (بلکہ نہیں)

محمود شا گریان خوشانو ٭ باریئے انگویان گھشانو
آبرو ادچھت بدخشانو ٭ ژلمئے راؤ اوشوؤ ژائی بیرتہ
دوڑ دِکو یو گیاک بیرتہ

محمود شاہ بڑا خوش آ رہا ہے (کہ ملک چترال فتح کر لوں گا) اپنے ساتھ بیڑیاں بھی لا رہا ہے (تاکہ قیدیوں کو باندھ لے جائے) حالانکہ صورت حال اس سے مختلف ہو گئی۔ الٹا بدخشان کی عزت خاک میں مل گئی۔ تو تو ہمیں باغی سمجھ رہا تھا کہ کاری ضرب سے گھٹنے ٹیک دیں گے کیا واقعی ہم نے گھٹنے ٹیک دیئے؟ یعنی نہیں۔

پھرار کھیوتے ہاؤ ہاٹیری ٭ محمود شاہ بیراؤ گدیری
کاغان ادچہ شونھوان ژیری ٭ ژائی راؤ اوشوؤ ژائی بیرتہ
دوڑ دِکو یو گیاک بیرتہ

محمود شاہ تو بدخشان سے یہاں کیوں آیا تو تو پاگل ہی تھا

جو اس طرف منہ کیا یہاں تو تیری فوج کی لاشوں سے میدان بھر گیا۔ اور ان لاشوں کو نوچنے کے لیئے درندوں، کوؤں اور گدھوں کی عید ہوتی ہے۔

محمود شاہ کوسئے خوشانیو ٭ اسپہ تھویک روشانیو

بیچھی بھر تیام پیشانیو ٭ ژائی راؤ او شوئ ژائی بیرتہ

دوڑ دِکو یو گیاک بیرتہ

محمود شاہ واقعی فتح کا جشن منائے گا (لیکن کیونکہ) ہماری بندوقیں تو روشنی والی ہیں نشانہ لگا لگا کر ایک بدخشی کی پیشانی پر گولی ماردی۔ تو ہمیں باغی سمجھ رہا تھا کیا ہم واقعی باغی تھے۔ تو سمجھ رہا تھا کہ کاری فریب سے گھٹنے ٹیک دیں گے کیا واقعی ہم نے گھٹنے ٹیک دیئے بلکہ نہیں۔

جیین کے یہ اشعار چترال بھر میں زبان زد عام ہیں۔

۱۸۵۷ء کے دوران جس وقت جنوبی ایشیا کے مسلمان ہندوستان میں جنگ آزادی لڑ رہے تھے ادھر ۱۸۵۲ء سے مشہور مجاھد خوشوقتیہ حکمران گوہر امان گلگت میں ڈوگروں سے برسرپیکار تھا اور وہ شمالی علاقوں کو ڈوگروں کے ناپاک وجود سے پاک کرنے کے لیئے مسلسل لڑائیوں میں مصروف تھا۔ اس نے گلگت اور ملحقہ علاقے فتح کرتے ہوئے ڈوگروں کی فوج کے کشتوں کے پشتے باندھ دیا تھا۔ مہتر گوہر امان کے اس کردار نے گلگت

اور چترال کے مسلمانوں کو غلبہ، حوصلہ اور جذبہ بلند عطا کیا تھا۔ تو ایک کھوؤ شاعر نے گوہر امان کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا جن کا یہ مصرع چترال بھر اور گلگت میں زبان زدِ عام ہے۔

کھ گوہر امان بو جم موش ادشوئے سیکھان لریر دَرانو

ترجمہ گوہر امان کتنا بہادر انسان تھا جس نے سکھ اور ڈوگرہ فوج کے کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ یاد رہے کہ مہتر گوہر امان کی وفات ۱۸۶۲ء تک ڈوگروں کو گلگت کی طرف منہ کرنے کی ہمت نہ رہی تھی۔

۱۸۹۵ء کے ایام میں جب انگریزی حکومت کا عفریت جنوبی ایشیا کا بیشتر حصہ نگل لینے کے بعد شمالی و شمال مغربی علاقوں کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا تو اس وقت کے چترال کے حکمران امان الملک نے پہلے ڈوگرہ راج کشمیر کے ساتھ اور پھر فرنگی سامراج کے ساتھ دوستی کے معاہدے کئے۔ اور انھیں چترال آنے کی دعوت دی۔ بعد ازاں ان سے پیسے لے کر ان کا وظیفہ خوار اور کٹھ پتلی بننا قبول کیا جس کے بدلے میں انگریزی حکومت نے چترال کی اسوقت کی مملکت (جو اس وقت گلگت سے چغانسرائے تک پھیلی ہوئی تھی) حصے بخرے کر دیئے۔ چترالی عوام کی اکثریت اُس کی اِس طرز عمل سے ناراض تھی لیکن چترال کے حکمران اور ان کے موقع شناس اور مفاد

پرست ساتھی انگریزوں کو ہاتھوں ہاتھ لے رہے تھے تو شہزادہ شیر افضل کی سرکردگی میں چترال کے عوام نے انگریزوں کے خلاف تلوار اٹھائی۔ محمد عیسیٰ، دانیال بیگ اور دوسرے چترالی سورما اور چترالی عوام کی اکثریت اپنے ملک کو انگریز کے وجود سے پاک رکھنے کے لئے برسرپیکار ہوئے۔ چترال کے طول و عرض میں مختلف مقامات پر انھوں نے انگریز فوج کے دانت کھٹے کئے۔ اگر اس وقت کے چترال کا حکمران عاقبت اندیشی سے کام لیتا اور ان کے ساتھی بھی چترالی مجاہدین کا ساتھ دیتے تو شاید چترال کی پیشانی پر غیروں کو اپنے اوپر مسلط کرنے کا داغ باقی نہ رہتا۔ ان حالات میں چترالی قوم کی جذبات واحساسات کی ترجمانی علاقہ اویر "کلاں" تحصیل موڑکھو کا ایک شاعر المعروف "شوُت" نے ان الفاظ میں کی۔ وہ انگریز پرستوں کو یوں مخاطب کرتا ہے۔

ﻫ فرنگی پِسہ پیر پِسہ ہوردمریدلوا بہ جنتوتے ریک پِسہ تے بُریدلوا۔

ترجمہ:۔ فرنگی تو تمہارا پیر ہے اور تم اس کے مرید ہو۔ (اور وہ تو کافر ہے اور مسلمان تو کافر سے دوستی نہیں کرتا اور نہ کافر مسلمان کا حقیقی دوست بن سکتا ہے) اس لئے کافر کے ساتھی بن کر تمہارا جنت کی خوشبو تک سونگھنا ایک امر محال ہے۔

پھر چترالی عوام اور شیر افضل کی لشکر نے انگریزی فوج

اور ان کے ساتھیوں کا قلعہ چترال میں محاصرہ کیا اور باہر ان کی پٹائی ہو رہی تھی۔ اس واقعے کو "شوت" نے یوں بیان کیا۔

کافر بیئے بیری لیسے بیری تہ دِک بیتی شیرؤ
مرداران کھوڑان سورا رُوؤ رینیان ای بریک بیتی شیر

ترجمہ: اے کافر کے بچے! ذرا باہر نکل کر دیکھو کہ باہر تیری کیسی پٹائی ہو رہی ہے۔ تمہاری فوج کی مردہ لاشوں پر کتے اور لومڑیاں لڑ رہے ہیں۔

درہ کڑک میں عبرتناک ہزیمت اٹھانے کے بعد انگریزوں نے وقتی فائدہ اٹھانے کے لئے اپنی روایتی مکاری اور حکمت عملی سے چترالی فوج کو پولو گراؤنڈ ریشن میں مصالحت کی پیش کش کی یہاں معاہدہ صلح سے پہلے محمد عیسیٰ نے انگریزوں کو ایسا دبایا کہ چترال میں یہ مقولہ مشہور ہے محمد عیسیٰ نے انگریزوں کے پہلو میں تلوار جھونک دی۔ پھر ان میں سے تین تین کو لے کر اپنے بغلوں میں ایسا دبایا کہ ان کی ہوکیں نکل گئیں۔ "شوت" نے اس واقعے کو یوں بیان کیا ہے۔

تان تتو ژاؤ محمد عیسیٰ تان دشمنو پھوشکی ویرو
ریشنو جنالیہ ددسی فرنگیانن کوشکی دیرو
بیندیان انگیکو نیچے اسپہ اُفیں آسوسی
محمد عیسوتے عمر شکی اللہوت خوسی آسوسی

ہَسے وَ جوان ۔ بیرایہ شوڑیوگی دو لو پراسے
زرینہ شیر افضل توریکو تہ اِستاری ڈوکو پراسے

ترجمہ اے باپ کا بہادر بیٹا محمد عیسیٰ اپنے دشمن کے پیٹ میں تلوار جھونک دی ۔ جولان گاہ ریشن میں اس نے انگریزوں کو اپنے بغل میں دبایا کہ ان کی ہڈیاں نکل گئیں ۔

قیدیوں کو لانے کے لئے ہم پر امیدہیں ۔ محمد عیسیٰ کی عمر دراز ہو ۔ ہم خدائے بزرگ و برتر سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ ہمیں فتح نصیب کرے ۔

واہ وہ بھی کیسا جوان مرد تھا جس نے انگریز بچے کو دبوچ لیا (یہاں شاعر نے فرنگی کو شوڑی کے توہین آمیز لفظ سے یاد کیا ہے کیونکہ انگریز ختنہ نہیں کرتے) ۔

جوانمرد شیر افضل کے پہنچنے پر ان کی قسمت کا ستارہ ڈوب گیا ۔

جنگ کڑک کے بارے میں ریشن یا اس کے ملحقہ علاقوں میں رہنے والے کسی نامعلوم شاعر کا طویل کلام کافی پہلے تک موجود تھا لیکن افسوس کہ بڑے بوڑھے جو یہ کلام سنا سکتے تھے اب اس جہاں میں نہیں رہے ۔ ویسے اس کلام کے کچھ بکھرے ہوئے حصے مجھے کسی عزیز کی زبانی معلوم ہوئے ۔ وہ انگریز سے

کہتا ہے:

گرا کا ژانگ کوریکو ویزولیشو موداره ہچھُ

دوسی انگوم شرجوانو دوسی دوسے بشقاره پت

تہ ژاغر لنداہ شیر

ترجمہ:۔ گرک میں جب جنگ ہوئی تو انگریز کے ساز و سامان لکڑی کے ہتھیار ثابت ہوئے یعنی غیر مؤثر ثابت ہوئے۔ میں اپنے سورما کو آگے لاؤں گا جو تیری پٹائی کرتے ہوئے بشقار تک تیرا پیچھا کریگا (بشقار اس وقت بہت دور کی مسافت اور مشکل سفر خیال کیا جاتا تھا)

تیرا یہاں کیا کام ہے تیرا ٹھکانہ تو لندن میں ہے۔

انگریزوں کے ہاتھوں چترال فتح ہونے کے بعد بھی چترالی قوم کی انگریزوں کے ساتھ سخت نفرت رہی اور انگریزی اقتدار و اختیار کو کبھی دل سے قبول نہیں کیا۔ اور وہ انگریزوں کو شُوڑی، دیوس وغیرہ کے برے القاب سے یاد کرتے رہے۔ جبکہ چترال میں ایک مشہور عشقیہ نغمے کا بول زبان زد عام ہے "فرنگی دیوس کیہ عسابو روسئے۔" یعنی فرنگی قوم بے غیرت بڑوسے کی مثال ہے اور وہ ہماری نظروں میں چبھنے والا کوٹ ہے۔

انگریزوں کی حکومت ملک میں قائم ہونے کے بعد جس

صاحب دل نے انگریزی تسلط کے خلاف اپنے دلِ ناشاد سے فریاد کیا وہ موڑکھو کا گل اعظم خان گل تھا۔ فرنگی تسلط کے لئے ایک سانحۂ جانکاہ تھا اور حالات اس کے لئے سیاسی لحاظ سے محرومی کا باعث اور ناموافق ہوگئے۔ وہ اپنے جذبات کو ان الفاظ میں سمویا ہے۔

ملک انگریزو بیرد مرحم روئے تو کیانی بوس: جوانو کمدستیو پوشی شیر۔ بریان تہ ہوش
وطن ہتے نا تھان ملکو روئے بیرو یاغی: صفتان کوری لسی نزیکو بیسران ہہ ڈاقی

گلؔ اپنے مخاطب سے جو اس کا محبوب ہے کہتا ہے۔

ملک پر تو انگریز کا قبضہ ہوگیا اور میرے تیرے لئے حالات ناساز گار ہوگئے۔ ورنہ وصال کی صورت شاید نکل آتی۔ لیکن اب کیا کیا جاسکتا ہے۔ میری مجبوریوں کو دیکھ کر تیرا شوہر بھی دلیر ہورہا ہے (شاید اس کا رقیب انگریزوں کا طرفدار تھا)

ملک کے حالات میرے لئے نامساعد ہوگئے اور لوگ بگڑ گئے ہیں۔ اگر میں تیری خوبیاں گننے اور لکھنے بیٹھوں توشاید عرصہ اتنا طویل ہوگا کہ تیری خوبیاں ابھی مکمل نہ ہوئی ہوں گی۔ اور میری جوانی اسوقت تک میرا ساتھ چھوڑ دیگی۔

لاسپور کے ایک شاعر غزل خان ۱۹۴۶ء میں سرینگر کشمیر میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہا تھا جبکہ اس وقت تحریک آزادی فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہوچکی تھی اور زوروں پر تھی۔

ہندوستان کی تقسیم کا مطالبہ مسلمانان جنوبی الشیا کا مشترکہ نصب العین تھا۔ ادھر ہندو تقسیم کو ناکام بنانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ مسلمانوں کے لیئے آزاد وطن کے مطالبے کو سنکر غزل خان کے جذبات شدت اختیار کر گئے اور اس کے دل کی تمنا دعا بن کر نکل رہی تھی۔ وہ اپنے جذبات کو کھوار ادب کے مشہور صنف اشور جان کی ایک بند میں یوں ظاہر کرتا ہے۔

الف زیرو سورہ کاف زبرو سورہ "ہ" بوژین کہ بوئی
مہ فقیرو سوال لوٹ نیمیو درگاہا بتی قبول فرشتو قلمہ نیویشین کریوئے

ترجمہ:۔ الف زیر کے ساتھ اور کاف زبر کے ساتھ "ہ" یعنی ہندوستان کاش تقسیم ہو جائے۔ اور مجھ فقیر بے نوا کی درخواست خدائے بزرگ و برتر کی بارگاہ میں قبولیت کا شرف حاصل اور سروش غیب اسے اپنے قلم سے لکھ دے۔

ان کے علاوہ سابقہ مظالم ریاست چترال کے خلاف بھی بعض حضرات فریاد کرتے رہے ہیں اور آوازیں اٹھائیں۔ ان میں گولدور کا باشندہ خدائے رحمت اپنی جلاوطنی اور قید و بند کے خلاف احتجاج کرتا رہا ہے۔

زیارت خان زیارت عرف ستو غرو ملنگ جو کہ ریاستی حکمرانوں کا شاکی اور معتوب تھا اس نے بھی اپنے ابتلا پر ریاستی افسرل

کی مذمت کی۔

ملکو موژی مشکی ژ ہیوسیان فلکو ثماران

کو تیروے اسپہ نو لیسیا ملکو اُہتران

ترجمہ۔ ہم اپنے گھروں سے دور در در کی بھیک مانگ کر گذارہ کرتے ہیں اور ملک کے حکام تو ہمارے خون کے پیاسے ہیں۔

مستوج کے چارویلو صاحب نگین نے بھی ریاستی حکمرانوں کو کانگریس کا وفادار اور غدار قرار دیا ہے۔

شہزادہ محمد حسام الملک نے مظالم چترال ہر کتابچہ شائع کروایا اور ریاست چترال کے خلاف علم بغاوت بلند کیا جسے انگریز کی مدد سے فرو کیا گیا۔ کسی نامعلوم شاعر نے اس واقعے کو یوں بیان کیا ہے۔ دول بشئے ژا انگوت بیران لوٹ کوہ کمپنی۔ تھویکان گاردہ دیتی ژانگ کوریکو نو لاکو یان ویلوس فرنگی۔

ترجمہ۔ ترانہ جنگ بجاتے ہوئے لوٹ کوہ کمپنی جا رہی ہے۔ لیکن بھڑوا انگریز بندوقوں کو اسلحہ خانے میں بند کر کے جنگ سے روک رہا ہے۔

گورنر کو بتو اسپرو ہو ہوشین نو بوئے

انگریزی قلمو سورہ بینو لیشین نو بوئے

گورنر ایک نایاب اور ہمہ صفت انسان ہیں الیاس آدمی قوم کو آسانی سے دستیاب نہیں ہوتا اور وہ انگریزوں کا

آلۂ کار نہیں

۱۹۴۸ء میں تقسیم ہند کے بعد بھارت نے پاکستان کی شہ رگ کشمیر پر غاصبانہ قبضہ کیا جس کے خلاف ملک بھر سے مجاہدین نے کشمیر میں جہاد کا آغاز کیا جن دنوں مجاہدین کی تشکیل ہو رہی تھی اور مجاہدین کشمیر کی طرف جا رہے تھے تو اس دوران دروش کا باشندہ نور محمد لیساڈل نے مجاہدین کشمیر کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا اور انہیں حوصلہ دیا۔ لیساڈل کا کلام سننے سے تعلق رکھتا ہے جو کہ رزمیہ گیت کے طور پر پیش کیا گیا۔

ژانگوتے بیسیان اِسپہ لوکم روئے ٭ پرواہ مو کورور اللہ مدد کوئے
کشمیر چھترارو ہوستہ فتح بوئے

چھترارو جوان کل لبلنہ سنُور ٭ پرواہ مو کورور لوٹ نیمی اسور
شہید کہ ہوتم جنت اِسپہ دور ٭ لوٹ نیمی اللہ تو کورے منظور

ترجمہ:۔ ہم قلیل تعداد کے ساتھ جہاد پر روانہ ہیں لیکن ہمیں پرواہ نہیں کیونکہ اللہ ہمارا حامی و ناصر ہے۔ کشمیر ضرور چترال کے ہاتھوں فتح ہوگا۔

چترال کے جوانوں کی بہادری کا ساری دنیا میں چرچا ہے کچھ پرواہ نہیں کہ خدائے برتر ہمارا ساتھی (کیونکہ آیت قرآنی

کے مطابق جہاد میں نصرت الٰہی یقینی ہے)۔

اگر ہم اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے مارے گئے تو ہمیں شہادت کی نعمت ملے گی اور جنت ہمارا گھر ہوگا۔ اے اللہ تو ہماری آرزو پوری فرما۔

قیام پاکستان کے بعد جولائی ۱۹۴۹ء میں مغلاندہ کے کپتان گل نواز نے پولو گراؤنڈ چترال میں ایک عظیم الشان جلسے میں ایک نظم پیش کی جس کا ایک شعر کھو یوں ہے۔

ملکو پاکستان اریتم مو غار فرنگی بغائے
موژد پورُم ہے تن سور تو خرٹنگی بغائے

ترجمہ:۔ ہم نے آخر کار پاکستان حاصل کیا اور انگریز یہاں سے بستر بوریا باندھ کر چلا گیا۔

ہماری اسلامی روح اور تہذیب وہی ہے جو مسلمانوں کا طرّہ امتیاز ہے انگریز جو ہمارا ظاہری حکمران تھا یہاں سے رخصت ہوا۔

آزادی سے پہلے کا کھوار ادب آزادی اور حریت سے متعلق ہے اور سامراجی طاقتوں کے خلاف غیض وغضب کا اظہار ہے۔ آزادی سے بعد کا کھوار ادب آزادی کی تاریخ اور حفاظت اور ملک کے استحکام سے تعلق رکھتا ہے۔ اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ حصول آزادی جتنا اہم کام ہے اس کی حفاظت

اور اس کا استحکام اس سے کہیں زیادہ ضروری امر ہے۔ فوجی مادی یا کسی بھی ذریعے سے کسی ملک کا حصول غیر یقینی ہوگا جس وقت تک اس قوم کے افراد اور نئی نسل میں اس مملکت کی حفاظت و استحکام کے لئے فکری بیداری و ذہنی انقلاب برپا نہ ہو اور یہ فریضہ ملک کے اہل قلم و اہل و اہل علم کا ہے۔

آزادی کے بعد چترال کے دانشوروں کو آزادی اظہار کا موقع ملا۔ علوم و فنون کی ترویج و اشاعت کے مواقع فراہم ہوئے طباعت و اشاعت کی سہولتیں بہم پہنچیں۔ انجمن ترقی کھوار کا قیام عمل میں آیا۔ ریڈیو پاکستان پر کھوار پروگرام کا اجراء ہوا۔ کھوار میں کتابیں، رسالے اور اخبار منظر عام پر آئے۔ اس طرح کھوار کے جدید اہل قلم کو مضامین، شاعری، گیتوں، تقریروں اور فن موسیقی کے ذریعے آزادی کی تاریخ اور اس کی حفاظت اور اس کے استحکام کے بارے میں نئی نسل کی تربیت کا موقع ملا اور کھوار میں دیگر اصناف کے علاوہ صرف آزادی سے متعلق قابل قدر اور ضخیم سرمایہ جمع ہوا کہ جن کا اقتباس پیش کرنا بھی طوالت کا باعث ہوگا۔ مشتے از خروارے چند نمونے پیش خدمت ہیں۔

یہ مضامین اور نظم صرف رسالہ جمہور اسلام و دوسری کھوار کتابوں سے ماخوذ ہیں۔

لفظ پاکستان کا خالق (مضمون) از شاہ خیر اللہ

مہ وطن (میرا وطن) ،، از گل نواز خاکی

تحریک پاکستان ،، از محمد شہاب الدین

آزادیو کوشش اوچے عورتان حصہ (آزادی کی تحریک میں عورتوں کا حصہ)

،، از امیر الدین

بیلوغ آزادی (وطن کی آزادی) از غلام محمد ۱۹۸۰ء

تاریخ پاکستانو تاریخی پس منظر (تاریخ پاکستان کا تاریخی پس منظر)

از محمد دوست

اسلامی نظام کیچہ بیتی نافذ بوئے (اسلامی نظام کیونکر نافذ ہو سکتا ہے)

از عصمت عیسیٰ خان

آزادیو سفر (آزادی کا سفر) از گل محمد

قائد اعظمو تحفہ (قائد اعظم کا تحفہ) از وزیر علی شاہ ۱۹۷۶ء

دروزنگار سفر (آزادی کا طویل سفر) از غلام محمد ۱۹۸۶ء

تحریک پاکستان از ہمایوں رومی

پاکستانو سلامتیو مضمرات (پاکستان کی سلامتی کے مضمرات)

از ڈاکٹر رسول بخش شاہین ترجمہ شیر نواز نسیم

یوم پاکستان چھترارہ بیرو تقریباتن تفصیلی رپورٹ

(چترال میں منعقدہ تقریبات کی تفصیلی رپورٹ) از یوسف شہزاد ۱۹۸۵ء

آزادیو پون (آزادی کا راستہ) از سید احمد خان ۱۹۷۶ء

تاریخ پاکستان ۔ تاریخی عوامل از غلام محمد ۱۹۹۱ء

قیامار استحکامہ پت (قیام سے استحکام تک) ادارہ جمہور اسلام کھوار ۱۹۷۷

آزادیو داستان (داستانِ آزادی) از غلام محمد ۱۹۷۶ء

مہ وطن نظم (میرا وطن) از اقبال الدین سحرؔ

بابائے قومو خدمتہ (بابائے قوم کی خدمت میں) نظم رحمت اکبر خان رحمتؔ

مبارک پسہ تے اے مہ قام پاکستان مبارک ۔

(اے میری قوم تجھے پاکستان مبارک ہو۔ نظم شیر ولی خان اسیرؔ

خوش وطن (پیارا وطن) (نظم) شیر نواز خان نسیمؔ

مسو چہر استاری شینی عظمتو نشانہان ہمو ۔

(چاند تارا اس کی عظمت کی نشانیاں ہیں ۔ محمد چنگیز خان طریقیؔ

اوریئی نو بیدار آسوم (سویا نہیں بلکہ جاگ رہا ہوں) " " "

پروفیسر اسرار الدین جن کی کھوار زبان کے رسائل کا اجراء ریڈیو پاکستان میں کھوار پروگرام کا آغاز کرتے میں نمایاں کردار رہا ہے ۔ آزادی کے بارے میں بھی ان کی مساعی جلیلہ سے انکار ممکن نہیں ۔

گل نواز خاکیؔ صاحب زبان کھوار کے فنکار، موسیقار بلکہ بڑے اہل قلم جس نے سب سے پہلے بانئی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کے بارے میں کتاب " میر کارواں لکھا ۔ نیز آزادی سے متعلق ان کی مسحور کن آواز میں متعدد گیت سمعہ نواز ہوتے

رہے ہیں۔

استاد میر گل اور استاد مبارک خان کی آواز میں متعدد قومی گیت ریڈیو پر گونجتے رہتے ہیں۔ اس طرح کھوار کے ادیبوں میں ایسا کوئی نہیں جس نے آزادی سے متعلق اپنے جذبات کا اظہار نہ کیا ہو۔ لیکن ان سب کا بیان طوالت کا باعث ہے غرض کھوار کے جدید ادب میں آزادی سے متعلق اتنا کچھ ہے کہ جس کے بیان وتفصیل کے لئے صفحہ قرطاس تنگ اور وقت پا بہ زنجیر ہے۔ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صرف دسمبر ۱۹۷۵ء کے رسالہ جمہور اسلام میں تیرہ ۱۳ قومی گیت اور نظم ومضمون آزادی سے متعلق ہیں۔ ان کا بہت مختصر اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

چترال کے بزرگ شاعر بابا ایوب اس شمارے میں اپنے ایک قومی نظم میں قائد اعظم کو یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

قامو آزادیو نیحے قائد پریشان اوشوئے ؛ لعقب ہورو قائد اعظم مفکر انسان اوشوئے
قامو یکجا کوریتائے اتفاقو ڈنگ اریر ؛ ای ہوستہ کھونگور کوریتائی ای ہوستہ قرآن اوشوئے

ترجمہ ومطلب :- قائد اعظم قوم کی آزادی کے لئے بے چین تھے قوم نے انہیں قائد اعظم کا لقب دیا۔ وہ بڑے مفکر انسان تھے اس نے بکھری ہوئی قوم کو یکجا کیا اور اسے متحد کیا۔ ان کے ایک ہاتھ میں تلوار تھی اور دوسرے ہاتھ میں قرآن۔

خداے رحمت وطن (خدا کی رحمت وطن) کے عنوان سے رحمت اکبر خان رحمتؔ صاحب نے آزادی کے لیئے مسلمانوں کے ارمانوں، ان کی قربانیوں، اتحاد و اتفاق، اقبال اور قائد اعظم کے کردار پر روشنی ڈالی ہے۔

تہ پہ ارمان پہ ژران و مال قربان پہ شکیت یک زبان پہ مسلم ریاست وطن
اقبال و خوشبو تعبیر جناح و ہوستو تعمیر پہ شہیدانو لیہ اوبہ غازیانو محنت وطن
ہیرہ رحمت خدا تہ پہ موسرو دعا تہ پہ تہ پہ قیامتہ پہت زندہ سلامت وطن

ترجمہ :۔ بڑے ارمانوں اور بڑی قربانیوں کے بعد مسلمانوں نے یک زبان ہو کر تجھے حاصل کیا جو کہ ایک مسلم ریاست کے طور پر معرض وجود میں آیا۔ تو اقبال کے خواب کی تعبیر ہے اور جناح کے ہاتھوں کی تعمیر ہے۔ تو ہمارے شہیدوں کے لہو سے سرسبز و شاداب ہے۔ تجھ میں ہمارے غازیوں کی محنت شامل ہے۔ رحمت تجھ پر قربان ہے اور مومن کی ہر وقت یہ دعا ہے کہ تو قیامت تک زندہ و سلامت رہے۔

گل مراد خان حسرتؔ صاحب کی نظم کا عنوان ہے "شیلی پاکستان" (خوبصورت پاکستان) اس نظم میں حسرت صاحب نے تحریک آزادی کا پس منظر پیش کیا ہے قوم کی قربانیوں کا ذکر کیا ہے۔ اس کی حفاظت کی تدبیریں بتائی ہیں۔ آزادی کی برکات سے قوم کو آگاہ کیا ہے۔ اتفاق و اتحاد کا درس دیا ہے صحیح معنوں

میں آزادی کے خدوخال بتائے ہیں۔ سب سے اہم بات یہ
ہے کہ پاکستان کے وجود و استحکام کی بقاء کے لیئے الحاق کشمیر
اور جہاد کشمیر کی ضرورت پر زور دیا ہے۔

ازگار و سینو موژین بی وطنئے تہ گیتم
دیتی شیرین ژُ نو دِ دی ارزان کرتیئتم

ترجمہ:۔ اے وطن ہم نے آگ کے دریاؤں کو عبور کر کے تجھے پایا ہے اور اپنی عزیز جانوں کا نذرانہ دیکر تجھے حاصل کیا ہے۔ تیرے حصول کو اپنی جانوں کے بدلے ہم مہنگا سودا نہیں سمجھتے بلکہ اسے سستا سودا خیال کرتے ہیں۔

آزادی آ ارزوان سمم ملاقاتوای نام
آزادی جمہوریت عدل و مساواتوای نام

ترجمہ:۔ آزادی کیا چیز ہے۔ آزادی اپنی تمناؤں کے ساتھ ملاقات کا نام ہے۔ آزادی جمہوریت، عدل و مساوات سے عبارت ہے جو تیری برکت سے ہمیں میسر آئی۔

ایک دو اور شعر ہے

نوغ جوشش نوغ عزم بیدار مسلمان ہنون
یقین، اتحاد، تنظیم نوغ پاکستان ہنون
ای ہتی منزلو دیشکی اِسپہ سف روانے ہنون
پنجابی، سندھی، بلوچی پٹھان ہنون

ترجمہ ومطلب :۔ آج ہم بیدار ہیں اور نئی عزم و ولولے کے ساتھ منزل کی جانب رواں ہیں، یقین اتحاد تنظیم نئے پاکستان کے لیئے مشعل راہ ہیں۔ ہم سب ایک ہوکر منزل کی طرف رواں ہیں۔ خواہ ہم پنجاب سے ہوں سندھ سے ہوں، بلوچستان سے ہوں یا پٹھان یا ملک کے کسی دوسرے حصے کے باشندے، کشمیر کے بارے میں حسرت صاحب کا یہ شعر بے حد اہم اور وقت کی آواز ہے۔

ہیہ کا فو درستیئی رسے ارمان کویان کشمیر
ازگاردچر لیئی اے جنت نظر تہ تقدیر

ترجمہ ومطلب :۔ آج کشمیر پکار رہا ہے کہ لفظ پاکستان میں ک (کاف) کی تکمیل کے بغیر پاکستان کی تکمیل کا مقصد پورا نہیں ہوگا اور لفظ پاکستان میں (ک) کی شمولیت کا مطلب ہے مملکت خداداد پاکستان میں ریاست کشمیر کو شامل کرنا۔ ایسا کرنا پاکستان کے مسلمان کا مقدس فریضہ ہے۔ کشمیر جنت نظیر کی تقدیر میں آگ اور لہو شامل ہے۔ ابھی جہاد کے بغیر کشمیر کا حصول اگر ناممکن نہیں مشکل ضرور ہے۔

ناجی خان ناجی صاحب اپنی نظم ((اے شیئلی پاکستان)) (اے میرے خوبصورت پاکستان) میں وطن کے ساتھ اپنی عقیدت کا یوں اظہار کرتے ہیں۔

بہچار تہ چمنہ ہمیشہ بہسار ٭ تہ ورِیلو سورا مست وَدی چھترار
پرورش تہ آوانہ کھوؤ کیہ کھوار ٭ ناجی دعاگو تہ اللہ مہربان

ترجمہ:۔ تیرے چمن ہمیشہ بہار رہے۔ تیری خوشبو سے وادئ چترال مہک اٹھے۔ تیرے دامن میں کھوؤ یعنی چترالی قوم پھلے پھولے اور کھوار زبان پروان چڑھے۔ ناجی کی یہ دعا ہے کہ خدا تیری حفاظت کرے۔

شیر ولی خان اسیر صاحب نے اپنے کلام میں جس کا عنوان ہے "اے پاکستان مبارک" پاکستان کے لئے قائد اعظم کی محنت پاکستان کے وجود وسالمیت، استحکام، جمہوریت، آزادی کے برکات۔

ساوز بیتائی آزاد وطن اِسپتے قائد اعظم اِسپہ
اِسپہ پاک جمہوری وطنہ مذہب اسلام اسپہ
آزادیو خالو گنی لیتام آرام اِسپہ
محنت ہر دیار آریتم طاقتو پیغام اسپہ

ترجمہ:۔ ہمارے قائد اعظم نے ہمارے لئے ایک آزاد وطن بنایا یہ وطن جمہوریت کے اصولوں پر استوار ہے اور اس کا مذہب اسلام ہے۔ آزادی کے فیوض و برکات سے ہم نے چین وسکھ کا سانس لیا۔

ہم بھی بھر کر محنت کرتے ہیں اور اسی میں ہماری طاقت کا

پیغام مضمر ہے۔

اسی دسمبر ۱۹۷۵ء کے جمہور اسلام میں سید احمد خان صاحب نے "آزادیو پون" (آزادی کا راستہ) کے عنوان سے تاریخ و تحریک آزادی پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

ولی زار خان وفی مرحوم اپنے مضمون "اقبال تن کلا موار شتیہ" (اقبال اپنے کلام کی روشنی میں) میں حکیم الامت علامہ اقبال کے کردار کو نمایاں کیا ہے۔

فدار الرحمٰن فدا صاحب کی نظم ہے "خوش وطن" (پیارا وطن) چند اشعار یہ ہے۔

خوش وطن آزاد ہنون ہردی یو خوشان اسپہ
پاک رو یان ہیہ پاک زمین شیلی پاکستان اسپہ
آزادیو ہیہ باغہ ہر ولٹی پرواز کو سیان
مدام سرسبز بہچار ہیہ گلستان اسپہ
مس استاری اوچ جھنڈا نشان آزادیو شینی
ڈانگ ہیہ ہیش بہچار ہیہ شیر ارمان اسپہ

ترجمہ و مطلب :- آج پیارا پیارا وطن آزاد ہوا۔ ہمارے دل آج بہت خوش ہیں۔ یہ پاک لوگوں کا وطن ہے۔ لہذا انتہائی خوبصورت بھی۔ (یہ اس آزادی کی برکت ہے) کہ آج ہم اس باغ میں آزادی کے ساتھ آزاد پرندوں کی طرح جس طرف بھی چاہیں پرواز

کرتے ہیں۔

ہمارا یہ باغ ہمیشہ سرسبز و شاداب رہے چاند ستارہ اور سبز جھنڈا ہماری آزادی کی علامتیں ہیں۔ یہ جھنڈا ہمیشہ اونچا رہے اور یہی ہماری تمنا ہے۔

مختصر یہ کہ آزادی سے متعلق کھوار ادب میں کیا کچھ نہیں اس میں قدیم ہو یا جدید مختلف ادوار میں بقائے آزادی کے لئے چترالی شعراء واہل قلم کے احساسات وترجمانی قوم کی درخشندہ مثالیں بھی ہیں۔ تاریخ و تحریک آزادی کا پس منظر بھی۔

آزادی کے تحفظ و استحکام کے لئے قومی ضمیر کو بیدار کرنے کی کاوشیں بھی ہیں۔ اس میں مجاہدین آزادی کا لہو بھی رواں ہے اور نئی نسل کا عزم جوان بھی نمایاں۔ ماضی کے زرین روایات کی یاد و بالت بھی کی گئی ہے اور مستقبل کی صورت گری بھی۔ مصور پاکستان علامہ محمد اقبال کا حیات آفرین پیغام بھی ہے اور بانئے پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کی بے لوث قیادت کا قابل تقلید کردار بھی۔

کھوؤ (چترالی) اہل قلم کل بھی حب الوطنی، حریت پسندی اور قوم کی رہنمائی و تربیت کے جذبے سے سرشار

تھے اور آج بھی ہیں ۔ وہ آج بھی قوم میں ذہنی بیداری پیدا کرنے اور فکری انقلاب لاکر پاکستان کو اوجِ ثریا تک پہنچانے کے آرزومند اور اپنے فریضے سے آگاہ ہیں ۔ اور یہی کھوار ادب کا طرّہ امتیاز ہے ۔

اس مقالہ کی تیاری میں جناب ڈاکٹر عنایت اللہ فیضی صاحب جناب گل نواز خاکی صاحب اور محمد ولی کاظم صاحب نے میرے ساتھ قابل قدر تعاون کیا ۔ مواد بہم پہنچانے میں ان کا بے حد ممنون ہوں ۔

الحاق پاکستان میں والئ چترال کا کردار

رحمت اکبر خان رحمت

سفو سار پردشئ پاک وطنو سم الحاق اِسپہ متار اَریر
عوام دی تفاق کوری خوشانی اظہار اَریر

واقعی یہ فخر چترال کو حاصل ہے کہ تقسیم ہند کے وقت اس خطے کے تمام والیان سے پہلے والئ چترال ہز ہائی نس محمد مظفر الملک نے پاکستان سے الحاق کا فیصلہ کیا۔ اس سے پہلے اس کے بڑے بھائی ہز ہائی نس محمد ناصر الملک بھی وجود پاکستان کا خواب دیکھ رہا تھا۔ انھوں نے پاکستان بننے سے چند سال پہلے شاہی قلعۂ چترال کے بڑے دروازے پر اسلامی پرچم لگایا اور اس پر کتبہ کندہ کراتے وقت پاکستان کے یقینی ظہور کے متعلق فارسی میں ایک شعر اپنی زبان سے کہا۔

چو پاکستان شود حاصل
تو نشانِ آن باشی

ہزہائی نس ناصرالملک نے علامہ اقبال اور دوسرے مسلم لیگی رہنماؤں سے ملاقات کرکے آزادی کی تحریک میں حصہ لیا تھا. وہ بلند خیال سیاستدان اور جمہوریت پسند حکمران تھے. اس کے بعد ۲۹ جولائی ۱۹۴۳ء میں اس کا چھوٹا بھائی محمد مظفر الملک جب تخت نشین ہوئے انھوں نے قائد اعظم محمد علی جناح کے ساتھ مسلسل رابطہ رکھا اور قیام پاکستان سے پہلے لیگی رہنماؤں سے بات جیت کی. اس کے بعد ہزہائی نس محمد مظفر الملک نے اپنی کابینہ کے اراکین، وزراء اور معتمد افراد کو بلاکر الحاق سے متعلق مشورہ کیا. اس میٹنگ میں فرمان اکبر خان حاکم مستوج بھی موجود تھے. مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حاکم موصوف اس میٹنگ کے بعد جب اپنے گھر چپاڑی آئے تو علاقے کے معتبرات حاکم سے ملنے آئے. حاکم نے یہ خوشخبری ان کو سنائی کہ ہزہائی نس صاحب نے الحاق کے بارے میں میٹنگ بلائی تھی. ہزہائی نس خود اور شرکائے میٹنگ کی اکثریت نے پاکستان سے الحاق پر اتفاق کیا. کسی کے پوچھنے پر حاکم نے بتایا کہ بعض افراد نے کشمیر سے الحاق کے بارے میں خیال ظاہر کیا اور کہا کہ ہم چترال سے تحائف لے کر مہاراجہ کشمیر کی خدمت میں پیش ہو چکے ہیں (یعنی ہم پہلے بھی کشمیر کے زیر اثر تھے ہنوز بھی اسی علاقے سے الحاق کرنا چاہیے). حاکم صاحب نے ان کانگریس نواز

افراد کی نشاندہی بھی کی مگر ان کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ الحاق پاکستان کے فیصلے کی اطلاع سنکر معتبرات نے خوشی کا اظہار کیا اور حاکم صاحب کو مبارکباد دی۔

یہ بات واضح ہے کہ گلگت کے بڑے حصے یاسین کے حکمرانوں اور عوام کا قدیم سے چترال کے ساتھ روابط رہے۔ یہ دنیا کو معلوم ہے کہ یہ علاقہ ۱۸۹۵ سے قبل کشمیر کے زیر تسلط نہیں تھا۔ البتہ ۱۸۹۵ء کے بعد کشمیر کا کچھ اثر برطانوی حکومت کے اشارے سے چترال پر رہا۔ والیان چترال اور مہاراجہ کشمیر کے مابین محض خط وکتابت و تحفہ تحائف کا سلسلہ تھا۔

۱۹۴۷ء کے اوائل میں جبکہ قائد اعظم محمد علی جناح انگریزی حکومت اور ہندو لیڈروں کے ساتھ سیاسی میدان میں لڑ رہے تھے اور مسلمانان ہند کا فیصلہ کن انجام ہونے والا تھا تو ہزہائی نس محمد مظفر الملک نے علی الاعلان پاکستان کی حمایت کا اظہار کیا اور ایک وفد اپنے سیکرٹری آغا سعدی خان کی قیادت میں قائد اعظم کی خدمت میں بھیجکر ان کو یقین دلایا کہ قیام پاکستان کے لئے وہ اور ان کے رعایا ہر طرح کی قربانی دینے کے لئے تیار ہیں۔ نیز انہوں نے ۲۰ ہزار روپے قائد اعظم کے پاکستان فنڈ میں عطیہ دیا اور پاکستان کے حامی والیان سے سبقت لے گئے۔ مئی ۱۹۴۷ء میں جب حکومت ہند کے سیکرٹری برائے

قبائل وریاستہا مسٹر ایس بی شاہ چترال آئے تو ہز ہائی نس محمد مظفر الملک نے ان کے ذریعے سرکاری طور پر وائسرائے ہند کو مطلع کیا کہ وہ پاکستان کی اسلامی مملکت کے شامل ہونا چاہتے ہیں۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ایک آزاد اسلامی مملکت وجود میں آیا تو ہز ہائی نس محمد مظفر الملک والئ چترال نے پاکستان کے ساتھ الحاق کا باقاعدہ اعلان کیا۔ اسی طرح چترال کی ریاست سب سے پہلی ریاست ہے جس نے سب سے پہلے پاکستان کے ساتھ شمولیت کا اعلان کیا اور نومبر ۱۹۴۷ء میں معاہدہ الحاق پر باضابطہ دستخط کر دیئے۔ چترال میں جشن منایا گیا چراغاں ہوئے۔

تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں جب مہاراجہ کشمیر ہری سنگھ نے کشمیری مسلمانوں کی خواہش اور جذبات کے خلاف ہندوستان میں شامل ہونا چاہا تو اہلیان چترال کو یہ بات ناگوار گذری کہ گلگت کا علاقہ ہندوستان میں شامل ہو جائے۔ چنانچہ والئ چترال محمد مظفر الملک نے مہاراجہ کشمیر کو بذریعہ تار خبردار کیا اگر وہ ہندوستان میں شامل ہو گیا تو اہل چترال گلگت ایجنسی کے اپنے بھائیوں کی حفاظت اور آزادی کے لئے مناسب قدم اٹھائیں گے اور

اہل چترال کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ مہاراجہ کشمیر نے والئی چترال کے اس پیغام کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں ہندوستان میں شمولیت کا اعلان کیا اور ساتھ ہی جموں اور پونچھ میں مسلمانوں کا قتل عام بڑے پیمانے پر شروع ہوا۔ مسلمانوں کی حمایت کے لئے چترال سے بھی ایک دستہ مجاہدین دروش کے غیور نوجوانوں حیدر الملک اور سیف اللہ جان لال کی قیادت میں کشمیر جاکر جہاد میں شامل ہوئے۔ جہاں حیدر الملک نے شہادت کا رتبہ پایا۔

جب کشمیر کی جنگ تیز ہوتے لگی تو چترال کے مسلمانوں میں کشمیری مسلمانوں کے بے دریغ قتل عام سے جوش انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔ چنانچہ ہز ہائی نس محمد مظفر الملک نے نہ صرف الحاق پاکستان کا اعلان کیا بلکہ ۱۹۴۸ء میں بھی اعلان کرتے ہوئے کشمیری مسلمانوں کی آزادی کے لئے رضا کاروں کا دستہ تیار کیا اور اس کی قیادت اپنے بھائی شہزادہ محمد مطاع الملک کے سپرد کرکے کرنیل کے خطاب سے نواز کر گلگت کی طرف روانہ کیا۔ کچھ عرصہ بعد مجاہدین کے اور دستے شہزادہ برہان الدین اور شہزادہ محی الدین خان کی قیادت میں جہاد میں شامل ہوگئے۔ جنھوں نے مسلسل چار ماہ تک جہاد جاری رکھا۔

چنانچہ شہزادہ مطاع الملک نے گلگت سے یلغار کرتے ہوئے اسکردو پہنچ گیا جہاں دشمن کو ایک مضبوط ترین قلعے میں محصور رکھا اور دشمن کے ہوائی جہازوں کی بمباری اور توپوں کی گولہ باری کی پروا نہ کرتے ہوئے چار مہینے تک جنگ جاری رکھا اور بڑی بہادری اور تجربہ کاری سے اسکردو کا قلعہ فتح کیا۔

دشمن کے ۱۷ فوجی افسر کرنل شیر جنگ کے ساتھ گرفتار ہوئے اور ۵۲ سپاہی بھی قید کر لیے گئے اور بے شمار جنگی اسلحہ اور گولہ بارود پر قبضہ کر لیا گیا۔

الحاق پاکستان کے بعد جن افسروں نے اپنے والی کے حکم پر جہاد میں شامل ہوئے اور مختلف گروپوں کی قیادت کی یہاں ان کا ذکر نہ کرنا انصاف نہیں ہوگا۔

ان میں باڈی گارڈ موڑکھو کی قیادت لفٹننٹ سردار امان شاہ، باڈی گارڈ یارخون کی قیادت لفٹننٹ عبدالجہان خان اور لاسپور باڈی گارڈ کی سربراہی لفٹننٹ ولایت خان کر رہے تھے۔ ان کے علاوہ جن حضرات نے رضاکارانہ طور پر جہاد میں شامل ہو کر خدمات انجام دیں وہ یہ ہیں۔

ابرایش، مہتر جو خادم دستگیر، مہتر جو علی دیار مہتر جو عطائے کریم، لفٹننٹ شاہ ابوالحسن، لفٹننٹ شیر عرب

مہراب حسین، لعل مردان، زیرولی، محبت خان، محمد گل، انور بیگ، لفٹیننٹ محمد ایوب خان، بہرام بیگ، سیف علی درانی عبدالجبار خان اور جنگی لال وغیرہ۔ جبکہ حاکم فرمان اکبر خان کو ہز ہائی نس نے وزیر جنگ کے عہدے پر فائز کیا اور جہاد میں شمولیت کا حکم دیا۔ کرنل مطاع الملک کے مشورے پر حاکم موصوف مع چند سپاہی گلگت ہیڈ کوارٹر میں رہے تاکہ سکردو اور چترال کے درمیان رابطہ رکھے اور ہز ہائی نس کے احکامات کو سکردو پہنچائے اور سکردو کے حالات سے ہز ہائی نس کو آگاہ رکھے۔

میر رحمت شاہ بطور سیکرٹری وزیر جنگ کے ساتھ خدمات انجام دے رہے تھے۔ ہندوستان کے ۹ جہازوں نے ان کے ٹھکانوں پر بیک وقت بمباری کی۔ خدا کے فضل سے کوئی نقصان نہیں ہوا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے ساتھیوں سمیت ضروری سامان اپنے ساتھ لے کر راجہ پونیال کے بنگلے موضع چھوار (شیر قلعہ) میں منتقل ہوا اور اپنی ڈیوٹی انجام دیتا رہا۔ بعد میں دشمن کے جہازوں نے وزیر جنگ کو گلگت کی سرکاری عمارت میں موجود تصور کر کے دوبارہ بم برسا کر تباہ و برباد کر دیا۔ خدا کے فضل سے اس وقت موصوف اور ان کے ساتھی اپنا ٹھکانہ تبدیل کر چکے تھے۔

اسلام اور مملکت پاکستان کی خاطر جن چترالی مجاہدوں نے جام شہادت نوش کیا ان کے ناموں سے قوم کو آگاہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ یہی لوگ ہوتے ہیں جو قوم کے دلوں میں زندہ ہوتے ہیں۔

ان میں صوبی خان یارخون، داؤد پناہ لاسپور، مرزا نادر تورکھو، بائی خان سہرت، سراج الدین وحیدی خان کشم، اکبر خان ترتچ، نواب خان تورکھو اور بُرانگ خان وینین کے نام آتے ہیں

اہل چترال اپنے شہداء اور غازیوں کی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھیں گے۔

ہزہائی نس چترال نے مہاراجہ کشمیر ہری سنگھ کو جو تار بھیجا تھا کہ (اہل چترال گلگت کے اپنے بھائیوں کی آزادی کے لیئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے) کے قول کو ثابت کرکے دکھایا۔

سکردو جیسے علاقے کو فتح کرکے پاکستان میں شامل کرنا نمایاں خدمت ہی نہیں بلکہ اگر الحاق دوم کہا جائے تو بجا ہے۔

پاکستان بننے کے بعد اپریل ۱۹۴۸ء میں بابائے قوم محمد علی جناح نے پاکستان کے گورنر جنرل کی حیثیت سے صوبہ سرحد کا دورہ کیا تو ہزہائی نس محمد مظفر الملک نے پشاور میں بابائے قوم کا استقبال۔ ہزہائی نس نے جناح پارک پشاور میں قائد اعظم کے

اعزاز میں ایک استقبالیہ دیا۔ بابائے قوم کے دورۂ تورخم کے موقع پر آپ کے ہم رکاب رہے۔

ہز ہائی نس کے سیکرٹری آغا سعدی خان چغتائی کا یہ بیان روز نامہ مشرق پشاور مئی ۱۹۸۰ میں شائع ہوا کہ دورۂ تورخم کے تاریخی موقع پر قائد اعظم کی گاڑی کے پیچھے مہتر چترال کی گاڑی تھی۔ قبائلی عمائدین نے قائد اعظم کی خدمت میں جتنے تحائف اور پھول پیش کئے وہ مہتر چترال کے سیکرٹری نے وصول کئے اور لنڈی کوتل میں بابائے قوم کی خدمت میں پیش کئے۔

قائد اعظم نے اپنی وفات تک والیٔ چترال کی خدمات کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ بعد کے حالات اور واقعات نے ثابت کیا کہ مشکل وقت میں ہز ہائی نس محمد مظفر الملک نے جو فیصلہ کیا تھا وہ بروقت اور درست تھا۔

بعض اخباری مضامین کے اندر قیام پاکستان کے وقت دیگر والیان ریاست کے خیالات آتے ہیں۔ روز نامہ مشرق' روز نامہ آج اور فرنٹیئر پوسٹ میں ذکر ہوا ہے کہ بعض والیان ریاست ہندوستان میں رہنا چاہتے تھے اور بعض مسلم لیگ اور کانگریس کے ساتھ سودے بازی کرنا چاہتے تھے۔ مگر مہتر چترال کے بروقت اعلان کی وجہ سے دوسرے والیانِ ریاست نے بھی پاکستان میں شمولیت کا اعلان کیا اور والیٔ چترال کی وجہ سے مسلم لیگ

کی ہائی کمان نے۔ ریاستوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس طرح قیام پاکستان اور الحاق پاکستان میں چترال کی سابق ریاست کے اس وقت کے خوش نصیب حکمران ہز ہائی نس محمد مظفر الملک کا تاریخی کردار پاکستان کی تاریخ میں یادگار رہیگا آخر میں اس کھوار شعر کے ساتھ آپ سے اجازت چاہتا ہوں۔

راسپہ جان و مال قربان اسے پاکستان تہ سورا
موکورسے بے وفائی اسپہ شیر احسان تہ سورا

خطاب مہمان خصوصی

صاحب نادر خان ایڈوکیٹ

محترم صدرِ محفل و صدر انجمن ترقی کھوار و معززین چترال،
میں پاکستان کی تاریخ کے متعلق انگلش میں پڑھا سبق کے زمانے میں میرا میڈیم انگلش تھا۔ اس وقت میں سندھ میں سبق پڑھ رہا تھا اس لئے میں سندھ میں رہ چکا ہوں۔ سندھ کے متعلق میں نے پڑھا تھا کہ دریائے سندھ گلگت کی پہاڑوں سے نکل کر سندھ سے ہوتے ہوئے سمندر میں بہتا ہے۔ اس لئے سندھ سے منسوب ہوکر اس کا نام دریائے سندھ پڑ گیا۔
جب محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کیا تو عرب سندھ آگئے وہ لوگ لہجے کی تغیر کی وجہ سے سندھ کے بجائے ہند کہنے لگے۔ اس لئے ہند عربوں کے لہجے کی وجہ سے مسلمانوں کا رکھا ہوا نام ہے۔ اس کے بعد جب مختلف علاقوں سے مسلمان ہندوستان آئے وہ ترکی سے افغانستان اور سنٹرل ایشیا سے آئے ان کی زبان

سے انڈیا کا نام پڑ گیا۔ اس طرح تقریباً ایک ہزار سال تک ہندوستان پر مسلمانوں کی حکومت رہی۔ اس طرح شاہ عالم ثانی کے بعد مسلمانوں کی حکومت کمزور پڑ گئی۔ پھر انگریز آگئے۔ انھوں نے پہلے پہل بنگال پر قبضہ کر لئے ۱۹۰۵ میں انھوں نے بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کر کے مشرقی بنگال اور مغربی بنگال بنا لئے اور یہ تقسیم ہندو مسلم دشمنی کے لئے بنیاد بن گئی۔ ۱۸۸۵ء میں ایک انگریز لارڈ ڈیورل نے کانگریس کی بنیاد رکھی۔ اس کا مقصد ہندو مسلم اتحاد کا تھا۔ اس وقت ہندوستان کے مسلمان بھی یہی چاہتے تھے۔ اور اقبال بھی یہی کہتے تھے۔

سارے جہاں سے پیارا ہندوستاں ہمارا
ہم اس کے بلبلیں ہیں یہ گلستاں ہمارا

مگر بعد میں جب حالات بدل گئیں اور مسلمانوں نے یہ جانچ لیا کہ ان کے ساتھ امتیازی سلوک ہونے لگا ہے۔ ان کے حقوق غصب کئے جا رہے ہیں ہندوؤں نے نئی دہلی سے مسلمانوں کو نکال کر ان کی جائیدادیں ضبط کر کے ان کو بھگا رہے تھے۔ اب کانگریس میں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی۔ مسلمان پوری طرح غلام ہو چکے تھے ایسے موقع پر سر سید احمد خان کی کوششوں سے مسلم ایجوکیشنل پارٹی کی بنیاد رکھی گئی۔ مسلم ایجوکیشنل پارٹی ۱۹۰۲ء میں ایک میٹنگ

منعقد کر کے مسلمانوں کی ایک الگ پارٹی کی بنیاد رکھی گئی۔ مسلم لیگ کی پارٹی وجود میں آ گئی۔ اس کی پہلی کانفرنس شملہ میں آغاخان کی سربراہی میں ہوئی۔

تحریک آزادی چترال کے حوالے سے اس وقت جو تحریک چترال میں اٹھی وہ بلبل شاہ تحریک تھی۔ مگر اس وقت اس تحریک کو مذہبی رنگ دیکر ان کی جائیدادیں ضبط کی گئیں۔ یہ تحریک مستوج سے اٹھی۔ بعد میں چترال خاص سے مولانا نور شاہدین قاضی صاحب نظام اور سالار رحمت الدین نے اس تحریک میں حصہ لیا۔ چارویلو صاحب نگین اور بلبل لال جو تاریخ کا ایک حصہ ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو زنداں میں ڈال کر ان پر کس کس قسم کے کیچڑ نہیں اچھالا گیا۔ آخر کار ان لوگوں نے اس وقت کے حکمرانوں کو پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے پر مجبور کیا۔ حقیقی طور پر یہ پاکستان کے ساتھ الحاق ہے یا نہیں یہ ایک علٰحدہ سبجکٹ ہے۔

بہرحال ہمارا الحاق ۷۰-۱۹۶۹ میں ہماری ریاست پاکستان میں ضم ہوگئی وہ تیروٹیکل نہیں۔ کیونکہ ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی۔ ۱۹۱۷ء میں یہاں مستوج میں تحریک اٹھی۔ چترال سے ایون تک لیڈروں نے حصہ لیا اور بھرپور حصہ لیا، قربانیاں دیں۔ مگر اب بھی ہم پاکستان کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہاں

زندگی سہولت بھی میسر نہیں، روڈ نہیں۔ دنیا کا کونسا حصہ ہے جہاں اس وقت سڑک نہیں۔ میں نے تین دفعہ یورپ کا دورہ کیا میں نے اٹلی میں ایسی جگہ دیکھا جو سولہ سرنگوں سے گذرنے کے بعد ایک بہت چھوٹا سا علاقہ ہے جس کو شہر کے ساتھ ملایا گیا ہے۔ ہم اب بھی پاکستان کے ساتھ الحاق کرنا چاہتے ہیں۔ ہم تحریک آزادی کو منزل مقصود تک نہیں پہنچا سکے پاکستان بنانے والے عظیم لیڈروں کو ہم نے معاف نہیں کیا ان پر ظلم کئے۔ اپنے محسنوں کے ظلم کرنے کی پاداش پر ہم آج تک ایک دوسرے کے جان کے درپے ہیں۔ کراچی سے لے کر چترال تک ہم جھگڑے فساد، قتل و غارت اور علاقہ پرستی میں پھنسے ہوئے ہیں۔ میں پختون خواہ کی بھرپور مخالفت کر رہا ہوں۔ این ڈبلیو ایف پی کو جو بھی نام رکھنا چاہتے ہو ہمیں بھی اعتماد میں لے کر نام تجویز کرو اور میرا مطالبہ ہے کہ چترال کے لئے ٹینل بنا کر یا اس کے متبادل سڑک بنا کر چترال کو پاکستان کے ساتھ ملایا جائے۔ پاکستان نے ہمیں بہت کچھ دیا ہے۔ ہم اب اس کا پچاسواں سالگرہ منا رہے ہیں۔ ہم میں سے کوئی سی ایس پی افیسر بنا ہوا ہے اور کوئی اہم شخصیت پاکستان نے ہمیں دیا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم پاکستان کا احترام کریں، اس کو سنواریں، اسکو بوسہ دیں

بجائے اس کے ہم پاکستان کو کھا رہے ہیں۔ اس کو تباہ کر رہے ہیں۔

میرے بھائیو! یاد رکھو وہ لوگ پاکستان کو تباہ کرکے امریکہ یا برطانیہ میں گھر بنا رہے ہیں۔ خدا نہ کرے اگر ایسا وقت آ گیا تو ہم چترال والے کہاں جائیں گے۔ ہم نے پاکستان کے ساتھ الحاق کیا ہے۔ چترال سنٹرل ایشیا کے لئے گیٹ وے ہے۔ ہم نے سب کچھ قربان کرکے پاکستان کے ساتھ مل گئے۔ اب بھی ہمارا مطالبہ ہے ہمیں قبول کریں۔ فوجی نکتہ نگاہ سے ڈیفنس کے لحاظ سے بھی چترال کو اہمیت حاصل ہے۔ ہم مسلمان ہیں ہم متحدہ ہندوستان سے اس لحاظ سے علیحدہ ہو گئے کہ ان کے رسوم مشرکانہ تھے۔ ہمارے پاس ایک آسمانی کتاب قرآن کریم کی صورت میں مکمل ضابطہ حیات کے طور پر موجود ہے۔ اس لئے ہم علیحدہ ہو کر اس نظام کو اپنانے کے لئے پاکستان بنائے۔ اب پچاسویں سالگرہ کے موقع پر ہم دیکھیں کہ ہم نے کس کس بات پر عمل کیا۔

ہم پاکستان بناتے وقت کہتے تھے پاکستان کا مطلب کیا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اب پچاس سال گزرنے کے بعد

ہمارا نعرہ ہے قرض اتارو ملک سنوارو۔ افسوس کی بات ہے کہ ہم نے ان باتوں پر صحیح طور پر عمل نہیں کیا۔ یہاں تمام پارٹیز کے لوگ موجود ہیں ان کو چاہیے تھا کہ پاکستان کے گولڈن جوبلی تقریب کے لئے بندوبست کرتے۔ مگر میں اس علاقائی ادبی تنظیم کو مبارکباد پیش کرتا ہوں انھوں نے اپنے محدود وسائل کے باوجود پاکستان گولڈن جوبلی کی تقریب کو کامیاب طور پر منائے۔

میں انجمن ترقی کھوار کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

خطبہ صدارت

بریگیڈیئر ظہیر اللہ

میں انجمن ترقی کھوار کے صدر اور عہدیداروں کا شکر گذار ہوں کہ آج انھوں نے اس محفل میں مجھے یہاں بلایا اور میں آپ سب حضرات کا مشکور ہوں کہ آپ لوگ آئے اور اس محفل میں شرکت کی۔ میں یہاں نہ کوئی خاص تقریر کروں گا اور نہ میں یہاں صاحب نادر کی طرح جوش کے ساتھ بولونگا کیونکہ میں فوجی ہوں۔ صاحب نادر صاحب نے مجھے کہا کہ صرف پانچ منٹ بولوں گا۔ انھوں نے اتنا ٹائم لیا لیکن جو کچھ کہا درست کہا کہ پچاس سال ہو گئے ہمارے اس ملک کے۔ اور ان پچاس سالوں میں اگر ہم اپنے گریبان میں دیکھیں کہ ہم نے اس ملک کے لئے کیا کیا تو ہمیں سوائے شرمندگی کے کچھ بھی نہیں ملیگا۔ میری دلچسپی اس بات سے ہے کہ اگر آپ چترال کی ہسٹری پڑھیں تو آپ دیکھیں گے کہ جنگ

آزادی ۴۸-۱۹۴۷ء میں چترال کے لوگوں نے آزادی کے لئے بڑی قربانیاں دیں اور سکردو کا واقعہ پاکستان میں اس کو آزاد کرنے میں چترال کے لوگوں نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ لیکن ہم میں سے کتنے ہیں جو یہ جانتے ہیں کہ اس لڑائی کے دوران شہید کتنے ہوئے گلگت کے چنار باغ میں یادگار شہداء بنا ہوا ہے۔ ان کے شہدا جو تھے ان کے لئے ایک یادگار ہیں۔ اسی طرح یہاں پر کسی پبلک مقام میں ہمیں چاہیے کہ ایک یادگار ان شہداء کے لئے بنائیں اور سب جاکر ان کی یاد میں کچھ نہ کچھ کریں۔ دعا کریں اور ان کے نام وہاں پر ہم سب دیکھیں، ہم سب ان کے نقش قدم پر چلنا سیکھیں، اور پتہ کریں، ہمیں معلوم ہو وہ کون تھے جنھوں نے قربانیاں دیں۔

تو میں یہاں کے جو پولیٹکل لیڈرز ہیں ان سے درخواست کروں گا اور یہاں کے ڈسٹرکٹ ایڈمنسٹریشن جو ہے اس سے درخواست کروں گا کہ جگہ مقرر کرے پبلک پلیس میں۔ جس میں ہر کوئی جا سکے اور وہاں پر جاکر دعا کر سکے تاکہ ہمیں اپنی تاریخ کا پتہ ہو کہ ان لوگوں نے یہاں پر کیا کردار ادا کیا۔ کسی کو پتہ نہیں ہوگا کہ کتنے لوگ ہیں چترال میں کہ جنھوں نے جنگ آزادی میں قربانی دی ہے۔

تو اگر ڈسٹرکٹ ایڈمنسٹریشن نے اس مقصد کے لئے پبلک

پیلس پر ایک یادگار بنائے تو اس یادگار میں ہم ہر سال
جاکے دعا کریں گے۔ اگر یہ یادگار وہ نہ بنا سکے تو میں خود چترال
سکاؤٹس کی طرف سے یہ یادگار بناؤں گا۔ لیکن میں سمجھتا
ہوں کہ یادگار بڑا لازمی ہے۔ یہ یادگار میں چترال سکاؤٹس
کے ایریے میں بنا سکتا ہوں لیکن وہ سب کے لئے آزاد
نہیں ہوگا۔ اس میں ہر کوئی نہیں جا سکتا۔ اگر یہ یادگار پولو
گراؤنڈ میں کھلی جگہ پر بنایا جائے جہاں ہر روز ہم جاتے
ہیں۔ جیسے فیصل مسجد بنی ہوئی ہے وہاں پر ضیاء الحق کی قبر
ہے تو جو بھی فرد فیصل مسجد میں جاتا ہے وہاں جاکر ضیاءالحق
کی قبر پر دعا کرتا ہے۔ اسی طرح پولو گراؤنڈ ہے جس کے کنارے
میوزیم بنایا گیا ہے ایک اچھا یادگار (مینار) ہم بنائیں اور جو
شہید تھے ان کے نام لکھیں تاکہ ہمارے بچوں کو پتہ لگے کہ
بھائی یہ لوگ تھے جنھوں نے قربانی دی ہے وہاں پر جاکر ہم
دعا کر سکیں اور جو بھی ویزیٹرز آتے ہیں یا ٹورسٹس آتے
ہیں وہاں پر جاکر یہ محسوس کر سکیں کہ ہاں چترال کے لوگوں
نے بھی اس ملک کو بنانے میں قربانیاں دی ہیں۔ دوسری
بات اچھی ہے۔ انجمن ترقی کھوار بڑا اچھا کام کرتا ہے۔ صاحب
نادر صاحب نے کہا کہ یہ پولیٹکل فورم نہیں ہے یہ فورم تو
پورا چترال ہے اس میں جو بھی مسائل چترال کے ہیں اور جب

چاہیں اس کے ذریعے ہم جو لوگ با اختیار ہیں حکومت میں ہیں اپنے مسائل کو پیش کرتے ہیں۔ ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہم سردیوں میں پانچ چھ مہینے ملک کے دوسرے حصوں سے کٹ آف رہتے ہیں۔ پاکستان سے کٹ آف رہتے ہیں۔ دنیا میں چترال ہی شاید وہ واحد جگہ ہو جو اپنے ملک سے کٹ آف رہتا ہو۔ دنیا میں جو بھی ملک ہے کبھی نہیں چاہتا کہ اپنے ہی ملک سے پرے رہے۔ جو میرا اپنا بڑا حصہ، اسی چترال کا رقبہ ہی کو میں۔ فرنٹیئر کا ⅓ حصہ، فرنٹیئر سے چار پانچ چھ مہینے کٹ آف رہتا ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ لواری ٹنل کو بنائے۔ یا افغانستان سے معاہدہ کرے کہ کنڑ کے راستے کو آمدورفت کے لئے استعمال کیا جائے تاکہ یہاں کے لوگوں کا راستہ باقی پاکستان میں شامل ہو۔

آخر میں میں آپ سب کا شکر گزار ہوں خصوصاً انجمن ترقی کھوار کا کہ انھوں نے مجھے یہاں آنے کا موقع دیا۔ میری دعا ہے کہ چترال دن بہ دن ترقی کرے اور اللہ تعالیٰ یہاں کے لوگوں کے تمام مسائل کو حل فرمائے۔ آمین

آزادی کے بعد چترال کی ترقی کا جائزہ

شیر ولی خان اسیر

چترال اپنے محل وقوع کے لحاظ سے ایک مقید علاقہ ہے۔ اس کی اس حیثیت نے قدیم سے اس کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ کا کردار ادا کیا ہے۔ آج ہم خداداد پاکستان کی آزادی گولڈن جوبلی منا رہے ہیں۔ لیکن چترال کی قدرتی اسیری بدستور قائم ہے اور جب تک اور جس وقت تک ہم محصور رہیں گے ہماری آزادی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ اگرچہ نصف صدی پہلے کے حالات اور آج کا ظاہری موازنہ کرنے سے واضح فرق نظر آتا ہے لیکن ۵۰ سال کا عرصہ بھی کسی علاقے کے عروج کے لئے کوئی معمولی وقت نہیں ہوتا۔

میں نے اس پیپر میں مختلف شعبہ ہائے زندگی کی ترقی کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے۔ گو کہ یہ کوشش بھی نا تمام ہے کیونکہ گذشتہ ۱۶ سالوں کے دوران مردم شماری نہ ہو سکی ہے

اس لیئے درست شماریات کے حاصل کرنے میں بہت ساری مشکلات حائل رہیں۔ آیئے ! دیکھیں کہ چترال نے آزادی کے بعد سے اب تک کیا پایا اور کیا کھویا۔ ہم مختلف شعبوں کا ایک ایک کر کے جائزہ لیں گے۔

تعلیم:-

تعلیم ہی افراد اور اقوام کی ترقی کا پہلا زینہ ہے۔ کسی ملک کی شرح خواندگی اس ملک کے ترقی یافتہ ہونے یا پسماندگی کی دلیل ہوتی ہے۔ ہمارے ملک کی شرح خواندگی انتہائی پست رہی ہے۔ اس لئے چترال جیسے دور افتادہ اور پسماندہ ضلع کے اندر تعلیم کی شرح کا اونچا ہونا غیر ممکن بات ہے تاہم آج سے پانچ دھائی پہلے جہاں رسمی تعلیم کا محض آغاز ہوا تھا، جہاں صرف ایک مڈل سکول اور لوئر مڈل سکول بن چکے تھے اور جہاں خواندہ افراد کی تعداد چار سو سے زیادہ نہ تھی وہاں ۱۰۶ پرائمری، ترپن مڈل، تنتالیس ہائی، تین ہائیر سکنڈری سکول ایک انٹر کالج، ایک کامرس کالج، ایک ڈگری کالج اور ایک کالج برائے ایلیمنٹری اساتذہ عوام کے بچوں کی تعلیمی ضروریات پوری کر رہے ہیں۔ ان اداروں میں زیر تعلیم طلبہ کی تعداد تقریباً ۵۵ ہزار ہے۔ جن میں ۱۵ ہزار بچیاں ہیں۔

چترال میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے علاقائی دفتر کا

قیام بھی ۱۹۸۰ء کے دھائی کا اہم تعلیمی اضافہ ہے جس نے اب تک ہزاروں طالبان علم کو مختلف درجے کے کورسز میں فاصلاتی تعلیم کے مواقع مہیا کئے۔

تعلیمی اداروں کی اس عددی کثرت پر ہمیں خوش نہیں ہونا چاہیے کیونکہ معیارِ تعلیم تباہ ہوکر رہ گیا ہے۔ اس کی بہت ساری وجوہات ہیں لیکن خاص وجہ سیاسی مداخلت اور نااہل افراد کی مختلف عہدوں پر تعیناتی ہے۔

ان کے علاوہ غیر سرکاری اداروں نے بھی چترال کی تعلیمی ترقی میں بھرپور حصہ لیا ہے۔ جن میں آغا خان ایجوکیشن سروسز کا کردار سب سے نمایاں ہے۔ اس ادارے نے اب تک بچیوں کے لئے تین ہائی سکول، چودہ مڈل سکول اور چونتیس پرائمری سکول اپنی جگہوں میں قائم کیا ہے جہاں حکومت کے لئے سکول کھولنے کی راہ میں مشکلات حائل تھیں۔ ان سکولوں کے اندر تقریباً پانچ ہزار بچیاں تعلیم پارہی ہیں۔ اسی طرح دوسرے پرائیویٹ اداروں اور افراد کے زیرِ اہتمام ایک ہائیر سیکنڈری سکول انگلش میڈیم، چار ہائی سکول تقریباً ۱۰ مڈل اور پرائمری پبلک سکول کام کررہے ہیں۔ ان سکولوں میں تعلیم پانے والوں کی تعداد سات ہزار کے لگ بھگ ہے۔ اب تک قائم ہونے والے تعلیمی اداروں کی مجموعی تعداد ۸۱۲ ہے اور زیرِ تعلیم

بچوں کی تعداد کم و بیش ۶۷ ہزار ہے ۔ یہاں پر اس امر کا تذکرہ ضروری ہے کہ جس وقت تک چترال کی ریاستی حیثیت قائم رہی یہاں کی تعلیمی ترقی کا گراف پست ہی رہا ۔ ۱۹۶۹ء میں جب ریاست کا انضمام ہوا تو تعلیمی اداروں کی کل تعداد ایک سات تھی اور بچوں کی تعداد صرف ۷ ہزار تھی ۔ ۹۷ ۔ ۱۹۶۹ء کے ۲۸ سالوں کے دوران کل ۵۰۷ نئے سکول وجود میں آئے اور طلبہ کی تعداد میں ۶۰ ہزار کا اضافہ ہوا ۔ اس وقت محکمۂ تعلیم میں گریڈ ۱۷ سے ۲۰ تک کے چترالی افسروں کی تعداد ۵۰ ہے اور اسکیل ۷ سے ۱۶ تک کے اساتذہ کی تعداد ۲۰۰۰ سے متجاوز ہے ۔

معیشت :-

چترال کی معیشت کا انحصار اس کی زرعی پیداوار پر رہا ہے ۔ لیکن زرعی زمینوں کی کمی اور ان کی پیداواری صلاحیت کی کمزوری کی وجہ سے اسے کبھی زرعی خود کفالت نصیب نہ ہو سکی ۔ البتہ لوک روایات کہتی ہیں کہ قدیم چترال زرعی پیداوار کے لحاظ سے خود کفیل تھا ۔ خاص کر کے بالائی چترال اپنی ضروریات سے زائد غلہ زیرین چترال کو سپلائی کیا کرتا تھا ۔ پاکستان بننے کے بعد جب پاکستان کے دوسرے اضلاع کے ساتھ روابط پیدا ہو گئے اور لوگوں میں مزدوری کے ذریعے روپے حاصل کرنے کا رجحان بڑھنے لگا تو کاشتکار اپنی زمینوں پر محنت کرنے کی بجائے کراچی اسلام آباد اور پشاور جاکر مزدوری کرنے کو ترجیح دینے لگے ۔ جس کے نتیجے میں زرعی پیداوار

گھٹنے لگی۔ آزادی کے وقت چترال کے زیر کاشت رقبے کی مقدار ۱۳۲۰۰ ایکڑ تھی۔ موجودہ شماریات کے مطابق ۶۲۳۰۰ ایکڑ زمین پر سالانہ کاشت ہوتی ہے۔ اس وقت کل پیداوار ۱۵۶۹۰۰۰ من ہے جب کہ سالانہ ۴۴۰۰۰۰ من گندم پنجاب سے درآمد کی جاتی ہے۔

چترال کے زرعی پیداوار بڑھانے کے لئے محکمۂ زراعت اپنا ہاتھ پیر مارتا رہا ہے لیکن اسے کوئی خاص کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ اس کی وجہ شاید اس محکمے کے حصے میں آنے والا قلیل بجٹ ہے۔ ۱۹۸۹ء سے جب چترال ایریا ڈویلپمنٹ پراجیکٹ نے بعض شعبوں محکمۂ زراعت چترال کو فنڈ مہیا کرنا شروع کیا تو اسکی کارکردگی میں نمایاں بہتری نظر آنے لگی ہے۔ محکمۂ آبپاشی نے اب تک ۱۵ نئی نہریں تعمیر کرکے کل ساڑھے سات ہزار ایکڑ زمین کو قابل کاشت بنا ڈالا ہے۔ البتہ چترال میں زرعی انقلاب لانے میں آغا خان رورل سپورٹ پروگرام اور چترال ایریا ڈویلپمنٹ پراجیکٹ کا کردار قابل ذکر ہے۔ ان کا تفصیلی تذکرہ کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ ان اداروں نے تمام شعبہ ہائے زندگی کو ترقی دینے میں دیہی تنظیمات کو منظم کرنے اور ان ہی سے عوامی مسائل حل کرنے میں تکنیکی رہنمائی اور رقم مہیا کی ہے۔ اے کے آر ایس پی اب تک ۸۸۲ تنظیموں کے ذریعے سے ۶۱۰ سکیموں پر کام کر چکا ہے جس سے تقریباً ۲۲ ہزار افراد نے فائدہ اٹھایا ہے۔ ان سکیموں میں ۲۲۳ تعمیر و توسیع و مرمت انہار، ۸۰ سائفن ایریگیشن پائپ

ایریگیشن اور ڈو لفٹ ایریگیشن سکیم تکمیل پا چکے ہیں۔ ان ترقیاتی کاموں کی بدولت ۱۱۶۰۲ ہیکٹر موجود زرعی اراضی کو فائدہ پہنچنے کے علاوہ ۸۴۷۸ ہیکٹر نئی زمین زیر کاشت آ چکی ہے۔ مزید برآں ترقی دادہ بیجوں کی فراہمی اور فصلوں کی بیماریوں اور کیڑے مکوڑوں کے تدارک کے سلسلے میں بھی قابل قدر کام ہو چکا ہے۔ چترال کی زمین مختلف پھلدار پودوں کے لئے انتہائی موزوں ہے۔ خاص کر کے چترال کے سیب اور خوبانی ساری دنیا میں شہرت رکھتے ہیں۔ اسلئے اے کے آر ایس پی نے پھلدار پودوں کو ترقی دینے اور باغات لگانے میں زمینداروں کی زبردست حوصلہ افزائی کی ہے۔ اس وقت چترال میں ۱۸۴ فروٹ نرسریاں قائم ہو چکی ہیں جن میں ۱۰۵ نرسری صرف خواتین تنظیمات کی پرائیویٹ ملکیت ہیں۔ اس ادارے نے گلہ بانی کو ترقی دینے میں بھی اپنا کردار ادا کیا ہے۔ نئی نسل کے بیل گائے بھیڑ بکریاں اور مرغیاں مختلف تنظیموں کو سپلائی کی گئی ہیں تاکہ نسل کشی کے ذریعے ان جانوروں کو ترقی دی جاسکے۔ یہاں پر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ چترال بنیادی طور پر گلہ بانی کے لئے مشہور رہا ہے یہاں کے عوام کی زندگی کا زیادہ تر انحصار زرعی فصلوں کے ساتھ پالتو جانوروں پر رہا ہے۔ گائے اور بھیڑ بکریوں کی فروخت اور ان کے اون سے بننے والے مصنوعات کی تجارت ان لوگوں کی آمدنی کا بڑا ذریعہ ہوا کرتی تھی۔ پاکستان بننے کے بعد

لوگوں میں مزدوری کا رجحان بڑھتا گیا اور علاقے کی نصف آبادی روزگار کی تلاش میں چترال سے باہر جانے کو ترجیح دینے لگی۔ جس کے نتیجے میں گلہ بانی کو شدید نقصان پہنچا۔ اس وقت چترال کے چند گوجر گھرانے اور بروغل کی وخی قوم کے سوا اس پیشے کے ساتھ وابستگی رکھنے والا کوئی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بھیڑ بکریوں کے اون سے بننے والے مصنوعات بھی زوال پذیر ہو چکے ہیں اونی کپڑے کی تیاری صرف وادی لٹکوہ تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔

چترال کی ترقی میں سی اے ڈی پی کا کردار بھی قابل ستائش ہے۔ اس ادارے نے اب تک ۹۱۰ تنظیموں کی رہنمائی کی ہے جن کے ذریعے ۵۱۲ سکیموں پر کام کا آغاز کر چکا ہے جن میں ۵۴ نئی نہروں کی تعمیر، ۸ سائفن اریگیشن، ۵ واٹر ریزر وائر اور ۹۴ نہروں کی توسیع و مرمت شامل ہیں۔ ان سکیموں کی تکمیل سے ۲۱۵۰۰ ایکڑ زمین زرعی فائدے کی حامل بن چکی ہے

زرعی ترقی کے سلسلے میں ریسرچ اسٹیشن کا قیام بھی سی اے ڈی پی کا اہم کارنامہ ہے اور سینکڑوں اقسام کے بیجوں پر تحقیق ہو رہی ہے جن میں مکئی گندم، سورج مکھی، آئل سیڈز سبزی اور چاول کے درجنوں اقسام زیر تحقیق ہیں۔ پھلدار اور جنگلی پودوں کی ترقی پر بھی بہت زیادہ کام ہو چکا ہے۔

سی اے ڈی پی کے زیر انتظام ۵ عدد پھلدار پودوں کی نرسریاں اور ۶ ایکڑ کے رقبے پر پھیلی ہوئی جنگلی پودوں کی نرسریاں قائم کی گئی ہیں ۲۲، ۲۴۰ ایکڑ زمین پر ماڈل باغات جبکہ ۲۴۸۵۵ ایکڑ رقبے پر فروٹ ویلجز تیار ہو چکے ہیں۔ اب تک کم و بیش ۳،۷۰۰،۰۰۰ پودے تنظیمات میں تقسیم کئے گئے ہیں۔ اسی طرح تقسیم شدہ غیر پھلدار پودوں کی تعداد ساڑھے تین لاکھ ہے۔ ان اداروں نے زراعت کی ترقی کے لئے درجنوں دوسرے ذیلی شعبوں پر کام کئے ہیں جن پر سی اے ڈی پی نے اب تک ۲۱ کروڑ روپے اور اے کے آر ایس پی نے ۱۶ کروڑ روپے کی خطیر رقوم صرف کی ہیں۔ ان کی جملہ کارکردگی کا احاطہ کرنا وقت اور دفتر کا متقاضی ہے۔ ایک بات یقینی ہے کہ آئندہ ایک دھائی کے اندر گذشتہ ایک دھائی کی کارکردگی کا نتیجہ برآمد ہونا شروع ہو جائیگا جو چترال کی معاشی ترقی کے ہدف کے حصول کا منظہر ہوگا۔

زرعی ترقی کے ضمن میں زرعی ترقیاتی بنک آف پاکستان کا رول بھی قابل تعریف ہے۔ چھوٹے زمینداروں اور کاشتکاروں کو زرعی قرضے جاری کرکے ان کے بہت سارے مسائل حل کردئے ہیں اور بہت سے افراد نے اس سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا۔ البتہ مانیٹرنگ کی خامیوں کے باعث بعض لوگوں نے

ان قرضوں کا درست استعمال نہیں کیا اور اقساط کی بروقت ادائیگی بھی نہیں ہو رہی ہے۔ اس بنک نے اب تک کروڑوں روپے کے قرضے جاری کئے ہیں جس کی بدولت سینکڑوں ٹریکٹر اور دوسری قسم کی گاڑیاں خریدی گئیں جنھوں نے زمینداروں کی پیداواری صلاحیت بڑھادی ہے۔

چترال کی معیشت کی بہتری میں علاقے کے جنگلات کا بھی بڑا حصہ رہا ہے۔ قدیم چترال جنگلات کی دولت سے مالا مال تھا۔ زرعی زمینوں کے سوا سارا علاقہ جنگل ہی جنگل تھا۔ ان جنگلات کی بدولت مال مویشیوں کے لئے چارے سے بھرپور چراگاہیں میسر تھیں۔ جنگلی جانوروں کے لئے تسلسل حیات کی بہترین پناہ گاہیں اور زرعی زمینوں کو سیلاب اور کٹاؤ سے بچانے قدرتی ذرائع تھے۔ آبادی کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ جنگلات کے کاٹنے کا عمل بھی بڑھتا گیا اور رفتہ رفتہ سارا علاقہ اس قدرتی دولت سے محروم ہوگیا زیرین چترال کے جنگلات ٹمبر مافیا کے ہاتھوں تباہ ہوا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چترال میں گلہ بانی کا پیشہ زوال پذیر ہوا۔ جنگلی حیات ناپید ہوتی گئی اور زیرین علاقہ سیلاب کی تباہ کاریوں کے زد میں آگیا۔ گو کہ محکمۂ جنگلات ہر سال لاکھوں روپے جنگلات کی حفاظت، نئی شجر کاری اور وسائل

کمزور لیشن پر صرف کر رہا ہے لیکن کوئی خاص نتیجہ برآمد ہوتا نظر نہیں آتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جنگلی پودوں کی نرسریوں' ان کی تقسیم اور پھر ان کی پلانٹیشن پر اچھی خاصی رقم صرف ہوتی ہے لیکن ازاں معقول حفاظت نہ ہونے کی وجہ سے زندہ نہیں رہ پاتے۔
اس کی ایک مثال موضع یونی کے سامنے ایک وسیع و عریض زمین پر ایفورسٹیشن کا منصوبہ ہے جہاں جنگل لگ چکا تھا پھر نہ معلوم کس کی نظر بد لگ گئی کہ راتوں رات ان نوجوان پودوں پر کلہاڑی چلاکر ان کا صفایا کر دیا گیا اور اب پھر وہی بنجر اور بے گناہ علاقہ آنکھوں میں کانٹا چبھوتا رہتا ہے۔ محکمۂ جنگلات کا بورڈ اب بھی سڑک کے کنارے اس قتل عام پر ماتم کناں ہے لیکن استغاثہ کرنے والا کوئی نہیں۔
جس طرح اوپر تذکرہ کیا گیا کہ چترال کے اندر ترقیاتی شعبوں پر کام کرنے والے غیر سرکاری اور نیم سرکاری ان دو بڑے اداروں نے فارسٹری کے شعبے میں بھی اچھا خاصا کام کیا ہے۔ سی اے ڈی پی اور اے کے آر ایس پی نے جہاں جہاں دیہی تنظیموں کے ذریعے سے شجر کاری کی ہے ان کی نگہداشت اور نشو نما تسلی بخش ہے اس کی وجہ واضح ہے کہ تنظیم کی ملکیت ہونے کے سبب انفرادی اور اجتماعی توجہ حاصل کر پاتے ہیں اگر یہ دو ادارے چترال کے ننگے پہاڑوں کو پھر سے جنگلات

کا پوشاک پہنانے کا منصوبہ تیار کریں تو یہ بات ناممکن نہیں ہے کہ ایک بار پھر چترال درختوں اور وائلڈ لائف کی دولت سے مالا مال ہو جائے۔

صنعت و حرفت:۔

چترال کے لوگ چھوٹے چھوٹے گھریلو صنعتوں میں مہارت رکھتے ہیں جن میں چمڑے کا کام مٹی کے برتن سازی' لوہار کا کام' لکڑی کے برتن سازی اور کندہ کاری' قالین بافی' اونی کپڑے کی بنائی اور سوزن کاری وغیرہ ہنر شامل تھے۔ ہاتھوں کے بنے ان مصنوعات کے ذریعے اپنی ضرورت پوری کرنے کے علاوہ ان کی خرید و فروخت سے اپنی آمدنی میں اضافہ کیا کرتے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد جب ضرورت کا مختلف سامان تجارت چترال سے آنا شروع ہوا تو گھریلو صنعتوں کو زوال آیا خاص کر کے ہماری خواتین کی کارکردگی بری طرح متاثر ہوئی۔ جو پہلے اپنے گھر کے افراد کے لئے کپڑے' جرابیں' ٹوپیاں' مفلر اور چوغہ تک سب چیزیں اپنے ہاتھوں سے تیار کیا کرتی تھیں۔ جب یہ ساری چیزیں بازار سے ملنے لگیں تو عورتوں کو سہل انگاری کا چسکا پڑ گیا۔ یوں ہماری آبادی کا نصف حصہ غیر پیداواری ہو کر مردوں پر بوجھ بن گیا جس کا نتیجہ انتہائی قسم کی معاشی بدحالی کی

صورت میں برآمد ہوا۔ ریاست کے انضمام کے بعد چند مقامات پر دستکاری کے مراکز قائم کیئے گئے تاکہ آبادی کے اس ناکارہ حصے کو دستکاری کی تربیت دیکر کارآمد بنایا جاسکے۔ لیکن اس سے بہت کم لڑکیوں کو فائدہ ہوا وہ بھی اس حد تک کہ ان کو چند ایک سکلز "SKILLS" کی تربیت حاصل ہوگئی مگر وسائل کی عدم موجودگی میں وہ اپنے حاصل شدہ مہارتوں کو استعمال میں لاکر اپنی آمدنی میں اضافہ نہ کرسکیں۔ گذشتہ چند برسوں کے دوران سی اے ڈی پی اور اے کے آر ایس پی نے خواتین تنظیموں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ان کے زیرانتظام مختلف النوع سکیموں کو عملی جامہ پہنایا۔ جیسا کہ سلائی، زردوزی، کمبل سازی، بنائی وغیرہ کے مراکز قائم کرنا اور شہد کی مکھیاں پالنا، سبزی اگانا، باغبانی گلہ بانی اور پولٹری فارمنگ کے سکیموں کے ذریعے خواتین کو پیداواری بنانے اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی ترغیبات دی جارہی ہیں۔ یہ بات خوش آئند ہے کہ خواتین میں محنت ومشقت کا رجحان حوصلہ افزا ہے اور ان میں بچت کا مادہ مردوں کی نسبت زیادہ ہے۔ اس وقت اے کے آر ایس پی اور سی اے ڈی پی سے منسلک تنظیموں کی تعداد بالترتیب ۲۵۵ اور ۲۲۹ ہے اور ان کی بچت ۹۔۴۴۲۳ ملین روپے اور ۱۔۹۲۸ ملین روپے ہے

چترال میں اونی کپڑے کی تیاری کو جدید مشینوں کے ذریعے وسعت دینے کی کوشش بھی جاری ہے۔ چترال خاص میں ایک وولن سینٹر قائم ہے جہاں معیاری قسم کا کپڑا، کمبل اور چادریں تیار کیے جا رہے ہیں۔ ان کے علاوہ فرنیچر سازی کے چھوٹے چھوٹے ورکشاپ اور سنٹرز بھی قائم ہو چکے ہیں جہاں اعلیٰ قسم کا فرنیچر تیار ہوتا ہے۔ اسی طرح درجنوں چرائی کی مشینیں لگائی گئی ہیں جن کے ساتھ عمارتی لکڑی کی صفائی، دروازوں، کھڑکیوں اور روشندانوں بمع چوکھٹوں کی تیاری کی مشینیں بھی کام کرتی ہیں۔ ان ورکشاپوں میں سینکڑوں افراد کو روزگار کے مواقع میسر ہیں۔ سمال بزنس کارپوریشن نے ان چھوٹی صنعتوں کے لیے قرضے فراہم کر کے ان کو ترقی دینے میں خاص کردار ادا کیا ہے۔ چترال میں موٹر وہیکل ورکشاپ بھی گاڑیوں کی مرمت، رنگائی وغیرہ کا کام تسلی بخش طور پر کرتے ہیں۔ اس طرح مختلف SKILLS کو پھر سے فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ مٹی کے برتن بنانے، چمڑے کے مصنوعات اور لکڑی کے برتن سازی کے فن کو مکمل طور پر بھلا دیا گیا اور ان صنعتوں کے ماہرین بھی دنیا سے اٹھ چکے ہیں۔

تجارت:-

چترال کا پاکستان کے دوسرے حصوں کے ساتھ ہمہ وقت زمینی رابطہ نہ ہونے کے باعث چترال کے اندر تجارت کو کوئی خاص ترقی نصیب نہ ہو سکی۔ بہر حال نصف صدی پہلے کے مقابلے میں آج چترال سے کافی اشیاء دوسرے اضلاع کو برآمد کی جاتی ہیں، جن میں سیب، خشک میوے، اونی کپڑا چمڑا اور فرنیچر قابل ذکر ہیں۔ باہر سے آنے والے سامان اور اشیاء خورد ونوش کے مارکیٹ اور بازاروں کو وسعت مل چکی ہے۔ گاؤں کی سطح پر بھی دکانیں قائم ہو چکی ہیں جہاں پر ضرورت کی ہر شے مل سکتی ہے البتہ ان کے دام آسمان سے باتیں کرتے ہیں۔ اس گرانی کے باعث عوام کی قوت خرید ہمیشہ کمزور رہی ہے اور تاجر افراد ہر وقت فائدے میں ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج سے چالیس پچاس سال پہلے جس آدمی کا گذر اوقات بار برداری اور نسوار فروشی جیسے معمولی ذرائع روزگار پر تھا۔ آج وہ کروڑوں کا مالک ہے۔ لین دین میں اس عدم توازن کے سبب چند افراد نے بہت بڑی دولت کمائی جبکہ خریدار غریب سے غریب تر ہوتا گیا۔

معیارِ زندگی :-

عوام کے معیارِ زندگی میں واضح فرق نظر آتا ہے۔ ۵۰ سال پہلے جہاں ایک آدمی کو پہننے کو صرف ایک جوڑہ کپڑا تھا آج چار پانچ جوڑوں کا مالک ہے۔ جن افراد کی خوراک جَو کی روٹی ہوا کرتی تھی آج ان کو گندم کی روٹی اور چاول میسر ہے۔ اسی طرح جہاں رہنے سہنے کو صرف ایک عدد کمرہ ہوا کرتا تھا آج چار پانچ عدد کمروں کا مکان ہر گھرانے کے پاس موجود ہے۔ اس وقت اکثر افراد ننگے پیر رہا کرتے تھے اس وقت ہر فرد کے پاس جوتیاں موجود ہیں۔ اس زمانے میں غسل خانہ اور ٹائیلٹ کا تصور ہی نہیں تھا جبکہ آج اسی فیصد افراد کو یہ سہولت میسر ہے۔ ہر گھرانے کے پاس علیحدہ مہمان خانہ موجود ہے اور اوڑھنے بچھونے کے لئے صاف ستھرے بستر کی کمی نہیں جبکہ پاکستان بننے کے وقت یہ سب چیزیں موجود نہیں تھیں ایک تخمینے کے مطابق فی کس آمدنی ساڑھے چھ ہزار ہے اور اے کے آر ایس اور سی اے ڈی پی کے تحت کام کرنے والی دیہی تنظیموں کی اب تک کی بچت بالترتیب ۲۰،۷۴۳ ملین اور ۱۸۰۹ ملین روپے ہے

ذرائع آمدورفت:-

جب پاکستان معرض وجود میں آیا تو اس وقت چترال کا بیرونی دنیا سے رابطہ پہاڑی دروں میں سے پیدل سفر کے ذریعے سے تھا وہ صرف گرمیوں کے موسم میں ممکن ہوا کرتا تھا جبکہ سردیوں کا سارا موسم چترال کو ہمسایہ ریاستوں سے منقطع رکھتا تھا۔ ۱۹۶۲ء سے پشاور اور چترال کے درمیان ہوائی جہاز کی پروازوں کی ابتدا ہوئی جو شروع میں ہفتہ وار ایک پرواز ہوتی تھی رفتہ رفتہ روزانہ کی پروازیں شروع ہوئیں اور آج روزانہ دو تین پروازیں ہوتی ہیں۔ البتہ ان کی باقاعدگی موسمی حالات کے ساتھ مشروط ہے۔ خراب موسم کی صورت میں ہفتوں تک پروازیں معطل رہتی ہیں اور مسافروں کو جو مشکلات درپیش ہوتی ہیں وہ ناقابل بیان ہیں۔ چترال کا پاکستان کے دوسرے اضلاع کے ساتھ ہمہ وقت زمینی رابطہ نہ ہونا اس کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ گذشتہ چار دھائیوں سے لواری ٹنل کا خواب دیکھتے رہے ہیں۔ انتخابات کے دنوں یہ خواب زیادہ سہانا اور تعبیر کے قریب تر نظر آتا ہے۔ اس کے بعد اگلے انتخابات تک اس کا نام کوئی نہیں لیتا۔ اس وقت عام چترالی یہ سمجھنے لگا ہے کہ لواری ٹنل کا منصوبہ محض تسلی آمیز خواب ہے جو کبھی بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکے گا۔ اس لئے حکومت

کوئی متبادل راستہ تلاش کرے یا لواری کے اوپر سے گذرنے والی سڑک کو جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے محفوظ اور سال بھر استعمال کے قابل بنانے کا سوچ رہے۔

۱۹۴۷ء تک چترال کے اندر جیپ ایبل سڑکوں کا کوئی تصور تک موجود نہ تھا البتہ چترال خاص سے قریبی دیہات تک چھوٹی موٹی تنگ سڑکیں بنی تھیں تاکہ مہتر چترال کی جیپ جو ۱۹۲۷ء کو کسی نہ کسی طرح چترال پہنچائی گئی تھی ان پر چل سکے۔ چترال کے تحصیل ہیڈ کوارٹروں تک خطرناک پونی ٹریک موجود تھے۔ بار برداری کے لئے زیادہ تر لوگ اپنی پیٹھ ہی استعمال کرتے تھے البتہ کوئی پانچ فیصد معززین کے پاس گھوڑے اور گدھے ہوتے تھے جن کو وہ سواری اور بار برداری کے لئے استعمال کیا کرتے تھے۔

۱۹۵۱ء میں لواری روڈ کی تھوڑی سی کشادگی ہوئی اور مشکل موٹروں کے لئے سفر کے قابل ہوا۔ ریاست کو جب ضلع کی حیثیت مل گئی تو پھر سڑکوں کی تعمیر شروع ہوئی اور [illegible] کی دہائی میں تحصیل ہیڈ کوارٹروں تک جیپ ایبل بھی سڑک پہنچ چکی تھی لیکن اتنی دشوار گذار تھی کہ ہر سال درجنوں گاڑیوں کا ایکسیڈنٹ ہوا کرتا تھا اور سینکڑوں افراد ان حادثات کا شکار ہوا کرتے تھے۔

۱۹۸۰ کی دھائی میں سڑکوں کی کشادگی کا کام تیز ہوا اور اس وقت تک تمام تحصیل ہیڈ کوارٹروں تک پکی کشادہ سڑکوں کی رسائی ہو چکی ہے۔ موضع عشریت سے لے کر بونی تک اور چترال سے گرم چشمہ تک پکی سڑک بن چکی ہے۔ چترال بونی روڈ کی توسیع اور بلیک ٹاپنگ سی اے ڈی پی کا اہم ترین سکیم ہے جس کا ۹۹٪ کام مکمل ہو چکا ہے اور جس پر اب تک ۵۶۵، ۳۴۰ ملین روپے خرچ ہو چکے ہیں۔ جبکہ اس کی تخمینہ لاگت ۴۷۲، ۴۵۷ ملین روپے ہے۔ اس منصوبے پر خرچ ہونے والی رقم میں سے ۳۰۵، ۴۱۶ ملین روپے ایشیائی ترقیاتی بنک برداشت کئے ہیں۔ جبکہ ۱۶۹، ۴۱ ملین روپے حکومت پاکستان نے خرچ کئے ہیں۔ اس سڑک کی تکمیل سے علاقے کو بہت بڑا فائدہ پہنچنے کی امید ہے۔ فی الوقت گاڑیوں کے کرائے میں معمولی فرق رونما ہوا ہے۔ اس وقت ۵۰ پیسے کی فی کلومیٹر کے حساب سے کرایہ وصول کیا جا رہا ہے جو سراسر ناانصافی ہے۔ ضلعی انتظامیہ کو اسکی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اس اہم سکیم کے علاوہ مذکورہ ادارے نے ۲۲۲ رابطہ سڑکوں اور پلوں پر کام شروع کیا ہے جن میں سے ۱۴۰ سکیمیں مکمل ہو چکی ہیں باقی تکمیل کے قریب ہیں۔ ان کی تخمینہ لاگت ۹۶۶، ۷۵ ملین روپے ہے۔ اسی طرح اے کے آر ایس پی نے ۱۶۶ رابطہ سڑکوں اور ۲۱ پلوں کی تعمیر پر ۴۲، ۴ ملین روپے خرچ کئے ہیں محکمہ سی اینڈ ڈبلیو کے اعداد و شمار

کے مطابق ۲۵۰ کلومیٹر ٹرک ایبل سڑکیں ۲۶۲ کلومیٹر جیپ ایبل اور ۳۲۷ کلومیٹر پونی ٹریک تعمیر ہو چکے ہیں۔ محکمۂ تعمیرات چترال کے ناقص سروے کے سبب چترال بونی روڈ کی تعمیر پر بہت بڑی رقم کا ضیاع ہو چکا ہے۔ یہ رقم موری لشٹ سے پرپش پل تک تقریباً ۲۰ کلومیٹر دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ تعمیر ہونے والی سڑک پر خرچ کی گئی تھی جو پھر سے دریا برد ہو گئی اور محکمے کو پرانی سڑک کی کشادگی پر مجبور ہونا پڑا۔

خبر رسانی:۔

اس شعبے میں کہیں زیادہ اور کہیں کم ترقی نظر آتی ہے۔ ڈاک آفس جگہ جگہ قائم ہو چکے ہیں۔ ۱۹۴۷ء تک چترال میں صرف تین سب آفس اور چار عدد برانچ آفس تھے۔ اس وقت ۲۰ سب آفس اور ۸۹ برانچ آفس چترال کے مختلف مقامات پر عوام کی خدمت کر رہے ہیں۔ البتہ سردیوں کے موسم میں زمینی رابطہ کے انقطاع کے باعث ایک خط پشاور سے چترال پہنچتے پہنچتے تین چار مہینے بھی لگ جاتے ہیں۔ چترال محکمۂ ڈاک کے نظام کے تحت دو سب ڈویژنز پر مشتمل ہے۔ ہر سب ڈویژن کی نگرانی کے لئے ایک اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ متعین ہے۔ جبکہ پوسٹ ماسٹروں کی تعداد ۳۰ ہے اور دوسرے ملازمین کی تعداد ۲۷۴ ہے۔

ٹیلی کمیونیکیشن کے شعبے میں تھوڑی سی پیش رفت ہوئی

ہے۔ چترال خاص اور دروش میں ڈیجیٹل ایکسچینج قائم ہو چکے ہیں جبکہ بونی اور مستوج میں عمارات زیر تعمیر ہیں۔ ان کے علاوہ ہر تحصیل ہیڈ کوارٹر میں مقامی ایکسچینج قائم ہے۔ ان سے چترال کی صرف ۱۰ فیصد آبادی مستفید ہوتی ہے۔ پاکستان بننے سے پہلے ہر تحصیل ہیڈ کوارٹر میں ایک پبلک بوتھ قائم تھا۔ یہاں تک کہ وادی یارخون کے مقام بریپ میں بھی ٹیلیفون بوتھ تھا۔ اگرچہ فون پر بات کرنے کے لیئے پھیپھڑوں پر بہت زور لگانا پڑتا تھا اور خفیہ بات بھی میلوں دور سنائی دیتی تھی۔ تاہم عوامی ضرورت کسی حد تک پوری ہوتی تھی۔ اس وقت دور دراز کی وادیاں مثلاً لاسپور یارخون، ریچ تریچ، اویر، گوبرنخ اور مدکلشٹ وغیرہ اس جدید سہولت سے محروم ہیں۔ ایمرجنسی کی صورت میں پیغام رسانی کا کوئی ذریعہ نہیں البتہ بعض مقامات پر چترال سکاؤٹس کے وائرلیس سٹیشن بعض انتہائی ضروری موقعوں پر پیغام رسانی میں عوام کی مدد کرتے ہیں اس خدمت کے لیئے عوام چترال سکاؤٹس کے ممنون احسان ہیں۔

ریاست کے دور میں چترال خاص، مستوج اور دروش میں تار گھر قائم تھے۔ ابھی یہ سہولت صرف چترال خاص تک محدود کر دی گئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس شعبے میں پیچھے کی طرف سرک گئے ہیں۔

صحت :-

آزادی کے وقت چترال میں دو چھوٹے ہسپتال خاص چترال اور دروش میں قائم تھے۔ ان ہسپتالوں میں جدید طریقہ علاج معدوم تھا اور ان سے مقامی افراد کو تھوڑا فائدہ پہنچ پاتا تھا مقامی کوالیفائیڈ ڈاکٹر ایک بھی نہیں تھا۔ وبائی امراض کا حملہ عام تھا۔ بیسویں صدی کے ابتدائی دو دھائیوں کے دوران دو مرتبہ ۱۹۰۸ اور ۱۹۱۹ء میں مہلک وبائی امراض نے پورے چترال میں میں تباہی مچائی تھی اور ہزاروں افراد لقمۂ اجل بنے تھے۔ کئی ایک گھرانوں میں ایک فرد زندہ نہیں بچا تھا۔ اس کے علاوہ چیچک خسرہ اور ٹائیفائیڈ کی بیماریاں عام تھیں اور شرح اموات اونچی تھی اس وقت عوام کو کسی حد تک طبی سہولیات میسر آگئی ہیں اور بعض مہلک بیماریوں پر قابو پا لیا گیا ہے۔ ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر ہسپتال چترال، تحصیل ہیڈ کوارٹر ہسپتال دروش، بونی اور گرم چشمہ کے علاوہ تین ایم سی ایچ سنٹرز تین آر ایچ سنٹرز اور ۲۱ بی ایچ یو مختلف مرکزی مقامات پر قائم ہو چکے ہیں۔ ڈسپنسریوں کی تعداد ۵۶ ہے۔ دیہات میں قائم بی ایچ یو کوالفائیڈ ڈاکٹروں سے محروم ہیں۔ کیونکہ چترال کے مقامی ڈاکٹرز دور دراز وادیوں میں سروس کرنے کو تیار نہیں۔ اسلئے مجبوراً دیہاتی اب تک کمپاؤنڈروں اور ڈسپنسروں کے رحم و کرم پر ہیں۔

چترال کے ایم بی بی ایس ڈاکٹروں کی تعداد ۶۵ تک پہنچ گئی ہے جن میں چار لیڈی ڈاکٹر ہیں۔ ان کی تعیناتی ڈی ایچ کیو ہسپتال چترال میں ہے۔

زچہ و بچہ کی صحت کی نگہداشت کے لئے ۲۳ ایل ایچ وی اور ۵۲ دائی محکمہ صحت کے ماتحت کام کر رہی ہیں جبکہ ۴۲ ایل ایچ وی ہیڈ نرس اور ۴۷۴ ٹرینڈ برتھ اٹینڈنٹس آغا خان ہیلتھ سروسز کے زیر انتظام خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس غیر سرکاری ادارے کے تحت چلنے والے ہیلتھ سنٹروں کی تعداد ۲۲ ہے بونی میں آغا خان میٹرنٹی ہوم کا قیام اس ادارے کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اس کے قیام سے سب ڈویژن مستوج کی خواتین کو پیچیدہ ڈیلیوری کیسوں اور زنانہ امراض سے نجات ملی ہے جہاں ایک خاتون ڈاکٹر اور دو نرسیں ہمہ وقت ڈیوٹی پر موجود رہتی ہیں۔ ان کے علاوہ پانچ مرد ڈاکٹر اور نو سینئر ایل ایچ وی انتظامی فرائض انجام دینے میں مصروف ہیں۔

اچھی صحت کیلئے ڈاکٹروں اور ہسپتالوں کی موجودگی ہی کافی نہیں ہوتی بلکہ ماحول کی صفائی اور جراثیم سے پاک آب نوش اور خوراک زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ آغا خان ہاؤسنگ بورڈ نے چترال کے اندر لوٹا ٹائیلٹ سسٹم کو متعارف کرایا اور پانی کی صفائی کے لیے مٹی کے مشکوں اور صافی کے تھیلوں

کے استعمال کو عام کیا جس کی بدولت پیٹ کی بیماریوں میں کمی واقع ہوئی ہے۔

پبلک ہیلتھ انجینئرنگ ڈویژن چترال کے اعداد و شمار کے مطابق جون ۱۹۹۶ تک پینے کے پانی کے ۱۲۰ منصوبے پایۂ تکمیل کو پہنچ چکے ہیں جن پر ۱۲۶.۸۸۹ ملین روپے کی رقم صرف ہو چکی ہے۔ اور جس سے دو لاکھ تیس ہزار کی آبادی کو صاف پانی مل چکا ہے ۱۹۹۶-۹۷ء کے لئے ڈی پی پروگرام میں ۸ ملین روپے کی لاگت سے ۷ سکیمیں زیر تعمیر ہیں۔ ان کے علاوہ چترال ایریا ڈویلپمنٹ پراجیکٹ کی مالی امداد سے ۲۷ سکیموں پر کام ہو رہا ہے جن پر ۳۳.۷۶۲ ملین روپے خرچ ہوں گے۔ ان شماریات کے مطابق چترال کے ۶۷٪ افراد کو پینے کے لئے صاف پانی یا تو مل چکا ہے یا ملنے والا ہے۔ لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ پبلک ہیلتھ انجینئرنگ ڈویژن کے بہت سارے منصوبے ناکام ہو چکے ہیں۔ مثال کے طور پر واٹر سپلائی سکیم لنک، یارخون، میراگرام ۲، استچ، بونیچ، چپاڑی اور برواک وغیرہ ان کے علاوہ بھی درجنوں سکیم ایسے ہیں جن پر پیسہ خرچ ہو چکا ہے لیکن نلکوں میں پانی نہیں ہے زمین کے نیچے بچھانے سے عوام کا پیاس دور نہیں ہو سکتا ہمیں ڈر ہے کہ کہیں ایس ڈی پی کی طرف سے ملنے والی رقم بھی خرد برد کا شکار نہ ہو جائے اس لئے سی ایس ڈی پی مینجمنٹ کو آنکھیں کھلی رکھنی ہے۔

توانائی :-

چترال کو خداوند تعالیٰ نے ان ذرائع سے مالا مال کر دیا ہے جن سے توانائی حاصل کی جا سکتی ہے ان میں سے اہم ترین ذریعہ پانی ہے۔ چترال کے لوگ ازمنہ قدیم سے پانی سے چکی بنانے کے فن سے واقف رہے ہیں۔ آج آٹا مشینیں جگہ جگہ لگائے جانے کے باوجود غلہ پیسنے کا مقبول ترین کارخانہ یہی پن چکی ہے اور یہی قدیم ٹیکنالوجی آج کئی ایک گھرانوں کا ذریعہ معاش بھی ہے۔

پانی سے بجلی بنانے کا چھوٹا سا تجربہ مہتران چترال کے دور میں ہوا تھا۔ شاہی مسجد چترال کے شمال کی جانب ایک مائیکرو پاور ہاؤس بنا کر اس سے شاہی قلعہ اور مسجد کو بجلی مہیا کی گئی تھی لیکن اس کی روشنی لالٹین کی روشنی جتنی تھی۔ ۱۹۷۶ کے عشرے میں واپڈا نے دریائے [illegible] سے نہر نکال کر گاؤں سینگور کے انتہائی شمال میں ایک پاور سٹیشن تعمیر کی جس نے چترال قصبے اور ملحقہ گاؤں کو بجلی مہیا کیا۔ رفتہ رفتہ اس کی کارکردگی بھی کمزور ہوتی گئی اور عوام روز روز کے لوڈ شیڈنگ سے بیزار ہو گئے۔ عوام احتجاجی جلسے جلوسوں پر اتر آئے۔ حکومت چار پانچ سالوں تک ریشن ہائیڈل پاور سٹیشن کی تکمیل کا مژدہ سنا کر عوامی جوش و جذبے کو ٹھنڈا کرنے کی

کوشش کرتی رہی حالانکہ اس پاور سٹیشن کی کل پیداواری صلاحیت ساڑھے میگا واٹ سے زیادہ نہیں ہوسکتی اس کی تکمیل کی صورت میں بھی چترال کی بجلی کی ضرورت پوری نہیں ہوسکتی۔ پچھلی حکومت نے ملاکنڈ پاور ہاؤس سے کروڑوں روپے خرچ کرکے بجلی کی لائن چترال پہنچادی جو خاص ٹاؤن ایریا کیلئے بجلی کی ضرورت شاید پوری کرتی ہوگی۔ اگر یہ رقم چترال پاور ہاؤس کی وسعت و مرمت پر خرچ کی جاتی تو ممکن ہے کہ اس سے دوگنی بجلی پیدا کی جا سکتی۔ دو ڈھائی سو کلومیٹر دور سے لواری جیسے درّے کے اوپر سے بجلی کی لائن بچھانے کے حکومتی فیصلے کے مقاصد سمجھنے سے ایک عام چترالی آج بھی قاصر نظر آتا ہے اور عام طور پر یہ پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے کہ اس لائن کے بچھانے کا مقصد ریشن میں پیدا ہونے والی متوقع بجلی کو ضلع سے باہر لے جانا ہے۔ اس قسم کی افواہوں سے عوام میں بے چینی کی لہر دوڑ رہی ہے۔ خیر یہ بعد کی بات ہے پہلے تو ریشن پاور ہاؤس کی تکمیل ضروری ہے تاکہ چترالی عوام کا دیرینہ خواب تعبیر سے ہمکنار ہوسکے۔ یہاں پر شیشی پاور ہاؤس دروش کا تذکرہ نہ کروں تو شاید دروش کے عوام کی ناراضگی مول لینی پڑے۔ یہ چھوٹا مگر بوسیدہ جنریٹروں سے چلنے والا بجلی گھر سرحد ٹائیڈل ڈویلپمنٹ آرگنائزیشن کی ملکیت ہے جس کی کارکردگی کچھ اسطرح ہے۔ ہر پندرہ سولہ

گھنٹے بعد ۴۸ گھنٹے ناغہ ہوتا ہے۔ ان پندرہ گھنٹوں کے دوران بھی آنکھ مچولی کھیلتی رہتی ہے بعض اوقات ہفتوں دو ہفتوں غائب رہنے کے بعد پھر نمودار ہوتی ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ صارفین کے بلوں پر درج رقم ہوش ربا ہوتی ہے عوام احتجاج کرتے کرتے اب تھک ہار کر بیٹھ گئے ہیں۔ ان کی خاموشی کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ بھی ہو سکتا ہے۔

اس اہم ترین عوامی ضرورت کی چیز کو نسبتاً آسان طریقے سے پیدا کرنے کے سلسلے میں چترال ایریا ڈویلپمنٹ پروجیکٹ اور آغا خان رورل سپورٹ پروگرام سے مائیکرو ہائیڈل پاور مشینوں کی سکیمیں قابل ذکر ہیں۔ سی اے ڈی پی نے اب تک ایک ہزار تین سو چونتیس کلوواٹ طاقت کے ۳۷ ایم ایچ پی سٹیشنوں پر کام کر چکا ہے جن میں سے ۲۶ مکمل اور ۱۱ تکمیل کے قریب ہیں ان کی تخمینہ لاگت ۲۲۳۲۱۲ ملین روپے ہے اور ان بجلی گھروں سے ۳۶۳۲ گھرانے فائدہ اٹھائیں گے۔ اسی طرح اے کے آر ایس پی ۶۰ ایم ایچ پی سٹیشنوں کے لئے گرانٹ اور ٹیکنیکل اسسٹنٹ مہیا کر چکا ہے جن میں ۴۶ مکمل ہو چکے ہیں باقی تکمیل کے قریب ہیں۔ ان سکیموں پر خرچ ہونے والی رقم کا تخمینہ ۱۶.۲۵ ملین ہے اور ان سے تقریباً ۴۰۰۰ گھرانوں کو بجلی مہیا ہو چکی ہے۔ توقع ہے کہ یہ دو ادارے

ویلیج الیکٹریفیکیشن کے منصوں کو مزید وسعت دیکر اس پسماندہ ضلع کو روشنی کے تمقموں سے سجائیں گے۔ چترال اپنے پانی کی فراوانی اور ڈھلوان سطح کے لحاظ سے پن بجلی پیدا کرنے کے لئے موزوں ترین علاقہ ہے۔ یہاں پر ایک بڑے ہائیڈل پاور سٹیشن کی تعمیر کے سلسلے میں واپڈا کی سنجیدہ کوشش سے پورے صوبے کو فائدہ پہنچ سکتا ہے

بینکاری اور انشورنس

چترال میں بینکاری کا آغاز پاکستان بننے کے کافی عرصہ بعد ہوا۔ پہلے پہل نیشنل بینک آف پاکستان کی ایک شاخ خاص چترال میں کھولی گئی۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ حبیب بینک، یونائیٹڈ بینک، مسلم کمرشل بینک، الائیڈ بینک، زرعی ترقیاتی بینک، پروونشل بینک، کواپریٹیو بینک اور خیبر بینک کی شاخیں کھلتی گئیں۔ اس وقت ضلع کے اندر ان بینکوں کی درجنوں شاخیں کام کر رہی ہیں۔ اے کے آر ایس پی چترال میں دیہی تنظیمات کے اندر ویلیج کریڈیٹ اینڈ بینکنگ سسٹم کو متعارف کرایا ہے۔ اس نظام کے تحت ۱۳۲,۰۰۰۶ ملین روپے کے قرضے جاری کئے گئے ہیں۔ البتہ عوام نفع بخش کاروبار سے ناواقف ہیں جس کے سبب سے عوام میں عدم ادائیگی کا رجحان عام ہے۔ یہ مسئلہ دوسرے

بینکوں سے حاصل ہونے والے قرضوں کا بھی ہے۔ گذشتہ ڈھائی کے دوران سٹیٹ لائف انشورنس آف پاکستان اور پوسٹل لائف انشورنس نے بھی اپنا دائرہ کار چترال تک بڑھا دیا ہے۔ اسٹیٹ لائف انشورنس کا ریجنل آفس چترال خاص میں قائم ہے جب کہ پوسٹل لائف انشورنس کا ادارہ پوسٹ آفس عملہ کے ذریعے انشورنس سروسز مہیا کر رہا ہے۔

زبان وثقافت :۔

اس نصف صدی کے دوران کھوار اور کھوؤ ثقافت میں بھی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ کھوار ایک علاقائی بولی کے درجے سے ترقی کرکے ادبی زبان کی حیثیت اختیار کرلی۔ گذشتہ تیس برسوں کے دوران کھوار شعروشاعری اور نثر نگاری کو کافی عروج حاصل ہوا۔ کھوار اس وقت جس مقام تک رسائی پائی ہے اس کا سہرا انجمن ترقی کھوار کے سر ہے۔ مرحوم شہزادہ محمد حسام الملک کا کھوؤ قوم پر بہت بڑا احسان ہے کہ جنھوں نے اس انجمن کی بنیاد رکھ کر کھوؤ اہل زبان وقلم حضرات کو یہ احساس دلایا تھا کہ تمہاری بولی بھی یہ صلاحیت رکھتی ہے کہ ترقی کی منزلیں طے کرکے ادبی زبان بن جائے۔ کھوؤ اہل قلم بھی لائق تحسین ہیں کہ انھوں نے شہزادہ مرحوم کے اس پودے کی آبیاری اپنے

خون سے کی اور آج یہ تناور درخت بن کر انہیں اپنے چھاؤں میں جگہ دے رکھا ہے ۔ اگر مالی مشکلات آڑے نہ آتیں تو اب تک کھوار کے سینکڑوں شہ پارے زیور طباعت سے آراستہ ہوئے ہوتے انجمن ترقی کھوار اپنی کم مائیگی کے باوجود دو مرتبہ انٹرنیشنل سطح پر کلچرل کانفرنس منعقد کرا چکا ہے ۔

جہاں تک کھوؤ ثقافت کی ترقی کا سوال ہے ۔ میری رائے میں ہماری ثقافت گذشتہ پانچ دہائیوں میں معکوس ترقی کرتی رہی ہے ۔ ہماری تہذیب، ہمارے رسم ورواج، ہماری موسیقی اور طرز معاشرت کی انفرادیت باقی نہیں رہی ۔ بیرونی ثقافتوں کے اثرات سے ہم اپنے آپ کو نہ بچا سکے ۔ بلکہ ہم نے ان تبدیلیوں کو خوش آمدید کہا جس کے سبب سے ہماری شادی بیاہ، پیدائش، داموات اور دوسرے رسوم یکسر بدل کر رہ گئے ہیں ۔ ہماری موسیقی اور گیت کاری کھو سنگیت کی چاشنی سے محروم ہو چکی ہیں، ہمارا رہن سہن اور نشست و برخواست، غرض ہماری ثقافت کا تانا بانا سب کے سب بدل چکے ۔ نہ معلوم آئندہ نصف صدی تک کھوؤ ثقافت نام کی کوئی شے بچے گی بھی کہ نہیں اور اپنے آباؤ اجداد کے ورثے کو گنوانے کی ذمہ داری ہم کس کے سر تھوپ دیں گے ۔

شاید اس سوال کا جواب ہمارے پاس نہ ہو کیونکہ ہم اتنی آسانی سے یہ جرم اپنے سر لینے کو تیار نہیں ہوں گے کہ اس بگاڑ کے ذمہ دار ہم ہی تو ہیں جن کو درآمد شدہ ہر شئے، ہر عادت، ہر رسم، ہر نقش و نگار اچھا لگا اور آنکھیں بند کر کے ان کو اپناتے رہے۔ یہاں تک اپنی تہذیب و ثقافت کھو دیئے۔ اب بھی وقت ہے کہ ہم اپنی ثقافت کو پھر سے زندہ کریں کیونکہ کسی علاقے کی ثقافت اس علاقے کے لوگوں کی پہچان ہوتی ہے۔

محترم سامعین! اب تک کی گفتگو سے آپ نے بخوبی اندازہ لگایا ہوگا کہ آزادی کے بعد سے آج تک ہم نے کس کس شعبے میں ترقی کی ہے اور کس شعبے میں تنزل کا شکار ہوئے اور کیوں؟

آخر میں ان تمام محکمہ جات کے عملے کا شکریہ ادا کروں گا جن کا تذکرہ اس مقالے میں کیا گیا ہے اور جن کے تعاون کے بغیر اس پیپر کی تیاری ممکن نہ تھی۔

پاکستان پائندہ باد

تحریک آزادی کیلئے باہمی اتحاد و اتفاق کی ضرورت

محمد نقیب اللہ رازی

آزادی انسان کا فطری حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو فطرت اسلام پر وجود دی ہے جو سراسر آزادی اور حریت کا منبع ہے۔ جس کے تحت ایک انسان صرف ایک ہی ذات قدوس کی غلامی میں جبین نیاز خم کرنے پر فخر محسوس کرتا ہے۔ اور یہ ارشاد خداوندی اس کے اندر آزادی کی امنگوں میں انقلاب برپا کرتا ہے کہ "ہم نے بنی نوع انسان کو شرف عطا کی ہے" آزادی کی ان نعمتوں کی قدر پہچاننے والوں کا قافلہ معرکۂ بدر سے خون کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے بالاکوٹ تک آ پہنچا ہے۔ اور آخر کار سرزمین ہند کو بھی اپنے لہو سے سینچ کر دم لیتا ہے۔ جسے آج ہم "تحریک آزادی" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ جو قیام پاکستان کا پیش خیمہ ہے۔

آزادی کیا ہے؟ اور تحریک آزادی کی تاریخی اہمیت کیا ہے؟ یہ سوالات آجکل ہمارے لیئے دقیانوسی کہانیوں کی طرح لگ رہے ہیں

اس لئے کہ ہم پاکستانی مسلمان اپنی تاریخ کو صرف تحریک پاکستان تک محدود رکھتے ہیں۔ ہمارے قومی تاریخ نگار صرف بیسویں صدی کے بعد کی تاریخ کے اوراق ہمیں دکھاتے ہیں۔ اور ان عوامل پر قلم کشائی گوارا نہیں کرتے جن کی بدولت قیام پاکستان ممکن بنا۔ ان کا مطمع نظر صرف یہی ہوتا آیا ہے کہ "ہم نے پاکستان بنتے دیکھا ہے"۔ ان سے پہلے جن صاحب کردار لوگوں کا یہ نعرہ تھا کہ "ہم نے کارزار حریت میں شدایان احرار کے رقص بسمل کا تماشا دیکھا ہے"۔ ان کی زندگی کے کار ہائے نمایاں پر غیر متعصبانہ تبصرہ کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی۔ نئی نسل کے کانوں میں قیام پاکستان کے ساتھ اس سرزمین کی وراثت کی ہوا پھونکی جاتی ہے تو وہ اس سے ایک قدم آگے بڑھنے کو ضروری نہیں سمجھتی۔ جس کی بناء پر ہماری قوم طبقاتی نظام کی صورت میں ٹولیوں میں بٹ کر بکھرتی جا رہی ہے۔ آج ہماری قوم پاکستانی تو بن سکی لیکن تحریک آزادی کے جذبوں سے سرشار ایک راسخ العقیدہ مسلمان نہیں بن سکی۔ یہ سب آزادی کی بے قدری کا نتیجہ ہے۔ اس لئے ان میں پھوٹ ڈالنے والے عوامل پر انگشت نمائی سے قبل تحریک آزادی کا مختصر خاکہ پیش کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔

سرزمین ہندوستان میں مغل دور حکومت کے زوال کے بعد جو حالات رونما ہوئے وہ تمام اہل ہند کے لئے عموماً اور مسلمانوں کیلئے خصوصاً شکست وریخت کا سبب بنے۔ ۱۸۵۷ء کی ناکامی نے

اہل ہند کو بے دست و پا کر کے چھوڑ دی۔ پھر انگریز تسلط نے وہ سب کچھ کر دکھایا جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مغل سلطنت کے دوران مسلمانوں کو اپنے مستقبل کیلئے سوچنے کی فرصت نہیں ملی۔ اور جب برطانوی سامراجیت نے اپنے پنجے اچانک گاڑ دئے۔ تب مسلمانوں کے قلم خشک ہو گئے اور زبان پر مہر سکوت تھی۔ اور ان کے دست و پا کو ظلم و بربریت کی زنجیروں سے کس دیا گیا۔

الغرض وہ حالات دیکھنے میں آئے جن سے نمٹنے کے لئے مسلمان کبھی تیار نہیں تھے۔ ایسے حالات میں صرف مذہبی رشتے کے ناطے ہی انگریز تسلّط کا خاتمہ ممکن تھا۔ جس کے لئے مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کی مذہبی پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنے کی ضرورت تھی۔ لیکن برطانوی سامراجیت نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر وقت سے پہلے ہی اہل ہند کی مذہبی بیخ کنی کی کاروائی شروع کی۔ چنانچہ انگریز ماہرِ تعلیم لارڈ میکالے نے ایک پُر خطر تعلیمی منصوبہ ہندوستان کے لئے پیش کرتے ہوئے کہا۔ "ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان پیدا کرنا ہے جو رنگ و نسل کے لحاظ سے تو ہندوستانی ہوں گے مگر دل و دماغ کے لحاظ سے انگلستانی ہوں"۔

یہ منصوبہ ہندو مسلم دونوں قوموں کے لئے تباہ کن تھا اور ان کی مذہبی روایات پر ایک خطرناک یلغار تھا۔ خاص کر مسلمانوں کو انگریز نے اس کے ذریعے بے بس کرنے کی کوشش شروع کی۔ مزید براں ان کو

بڑی بربریت کا تختۂ مشق بنائے رکھا اور پورے ہندوستان کو عیسائی بنا بنا اور تہذیب وثقافت میں انگریز بنانا شروع کیا۔

ادھر مسلمان زعماء ان حالات میں کسی تحریک کے لئے سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ جو حضرات اس کام کے لائق تھے اور مسلمانوں کو ایک نقطہ پر جمع کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ انگریز سرکار نے انھیں برسرعام تختۂ دار پر لٹکاتا تھا۔ اور جو اس کے وفادار تھے وہ انگریز کی طرف سے "صاحب بہادر، خان بہادر، سر، مہاتما وغیرہ کے خطابات حاصل کر کے اس کی نمک حلالی کیا کرتے تھے۔ جب سرکار نے مسلم زعماء کو اپنے قبضے میں لیا تو اب اس کے مقابل کوئی دوسری قوت ایسی نہ تھی جو اسے اقتدار سے ہٹانے اور ملک چھوڑنے پر مجبور کرتی۔ البتہ ہندو مسلم اتحاد کا خدشہ تب بھی باقی تھا۔ لہذا انگریز نے پہلے ہندو مسلم اقلیت واکثریت کا مسئلہ سامنے لاکر قبل از وقت ہی گریباں گیری کا عمل شروع کیا۔ پھر مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے ان کے زعماء کو نقد انعامات اور خطابات سے نواز کر ابلیس کی تلبیسات شروع کی جو مسلمان زعماء اور علماء اس سفاکانہ اقتدار کے خلاف تھے انھیں صفحۂ ہستی سے مٹانے میں دیر نہیں کی۔ چنانچہ لاکھوں مسلمان برسر بازار قتل کر دیئے گئے ہزاروں علماء کا نام ونشان معدوم ہوا۔ ان حالات کے پیش نظر مسلمان علماء نے ایک ایسے مرکز کی ضرورت محسوس کی جہاں مسلمانوں کی مذہبی اور سیاسی

تربیت کی جائے اور وہ اپنے مذہب کی حفاظت کرنے کے ساتھ "معتصم بحبل اللہ" ہوکر "بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ" کے اقتدار کا مظاہرہ کر سکیں چنانچہ ۱۸۵۷ء کے صرف نو سال بعد ۳۰ مئی ۱۸۶۷ء کو مولانا محمد قاسم نانوتوی نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ڈالی اور اس کے ساتھ ہی لارڈ میکالے کے جواب میں یہ اعلان کیا

"ہماری تعلیم کا اصل مقصد ایسے نوجوان تیار کرنا ہے جو رنگ ونسل کے لحاظ سے ہندوستانی ہوں اور دل و دماغ کے لحاظ سے اسلامی ہوں"۔

ان جاں گزیں حالات میں اس ادارے کا قیام اور انگریز کے خلاف یہ نعرہ اس کے ایوانِ اقتدار پر ایک کاری ضرب کا مترادف تھا۔ یہ مسلمانوں کی پہلی تحریک تھی جو ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد رونما ہوئی۔ یہیں سے انگریز تسلط کے خلاف مسلمانوں کی تحریکیں جنم لیں اور مسلمانوں کو مذہبی بنیاد پر متحد و متفق کرنے کا سہرا بھی اسی ادارے کے سر رہا۔ چنانچہ تحریک ریشمی رومال، سرحد قبائل کی تحریکیں، تحریک خلافت، تحریکِ ترکِ موالات اور ان جیسی دوسری تحریکوں کا مرکز یہی ادارہ رہا۔ مسلمانوں کے تاریخ ساز قائدین بھی اسی چشمۂ حیات کے آب خوردہ تھے۔ تحریک آزادی کے حوالے سے مولانا جعفر تھانیسری، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد قاسم نانوتوی مولانا محمود الحسن دیوبندی، مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ دہلوی

امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا عبید اللہ سندھیؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ اور مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ جیسے بیشمار قائدین کے کارنامے آج دنیا کے سامنے موجود ہیں۔ ان تمام حضرات کی تربیت کا مرکز یہی ادارہ رہا۔ خصوصًا مولانا تھانویؒ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ تحریک پاکستان میں قائد اعظم محمد علی جناح کے دست راست تھے جس کا اعتراف خود قائد اعظم نے کئی مرتبہ کیا۔

انگریز سرکار نے جب دیکھا کہ مسلمانوں میں رفتہ رفتہ اتحادی قوت پیدا ہوتی جا رہی ہے اور ان کے سینوں میں حریت کی دبی ہوئی چنگاری کسی وقت بھی آتش کی صورت اختیار کر سکتی ہے۔ اس لیۓ انھوں نے لاوا پھٹنے سے قبل ہی اپنے ہمنوا ہندو مسلم زعماء کے سامنے اتحاد کا ڈھانچہ پیش کیا۔ اسے معلوم تھا کہ اس کے ذریعے مسلمانوں کی اتحاد کا شیرازہ بکھر سکتا ہے۔ چنانچہ لارڈ ڈفرن وائسرائے ہند نے ایک جماعت بنانے کی ضرورت پر زور دیا۔ اس جماعت کے مقاصد میں سے ایک یہ تھا کہ "ہندوستان کی آبادی جن مختلف اور متضاد عناصر سے مرکب ہے ان سب کو متحد و متفق کر کے ایک قوم بنانا" تاہم انڈین نیشنل کانگریس کا قیام عمل میں آیا لیکن اس جماعت کے ذریعے انگریز سرکار جو مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے ان میں وہ ناکام رہا۔ اور آخرکار سرکار نے "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی پالیسی کے ذریعے اپنے اقتدار کے

وفاداروں کو جینے کا موقع دیا۔ ہندؤں میں ایک حد تک اگرچہ اتحاد قائم رہا لیکن ہندو مسلم فسادات میں کمی نہیں آئی۔ ادھر مسلمانوں نظریاتی اختلافات کا بازار گرم رہا جس نے ان کی اتحادی قوت کو پارہ پارہ کرکے رکھدیا۔ اس افتراق کی صورت یہ بنی کہ کیا مسلمانوں کے لئے کانگریس میں شمولیت جائز ہے جس میں اکثریت ہندؤں کی ہے اور زمام حکومت بھی انہیں کی ہاتھ میں ہو؟ کیا ہندو مسلم ایک ہی قومیت کے پلیٹ پر جمع ہو سکتے ہیں۔

اس بوقلمونی کے دوران انگریز سرکار نے فارسی کی بجائے انگریزی اور اردو کی جگہ ہندی کو سرکاری زبان قرار دے چکا تھا جو دونوں مسلمانوں کی زبانیں تھیں۔ اس قسم کی ذہنی خلفشار پیدا کرکے مسلمانوں میں اختلافات پیدا کرنے میں انگریز کو کامیابی ہوئی۔ دوسری طرف ہندو مسلم فسادات سے دونوں قومیں تنگ آچکی تھیں۔ انھوں نے یقین کیا کہ انگریز سرکار ہندوستان پر غاصبانہ قابض ہوکر اہل ہند کو آپس میں لڑا رہا ہے۔ اس لئے سب سے پہلے انگریز کو ہندوستان سے بیدخل کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ ہندوستان ہندؤں اور مسلمانوں کا مشترکہ ملک ہے۔ ہندو اب ہوش میں آئے تھے جبکہ مسلمان ۱۸۵۸ء سے اسی نظریہ کے تحت تحریک آزادی کے لئے بیش بہا قربانیاں پیش کر چکے تھے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ ہندوستان پر کئی صدیوں سے مسلمانوں کی حکومت رہی ہے۔ جس کے دوران ہندؤں کو

کسی قسم کی شکایت کا موقع ہی نہ نکلا۔ علماء چاہتے تھے کہ اب بھی انگریز کی غلامی سے ملک آزاد ہوا تو دونوں قوموں کے مذہبی حقوق کو تحفظ ملیگا۔

اسی عرصے میں مسلم لیگ اور ہندو مہا سبھا دونوں جماعتیں ۱۹۰۶ء میں ایک ہی مہینے میں قائم ہوئیں۔ دونوں جماعتیں آپس میں اتحاد کے خواہاں تھے۔ ابتداءً اس مقصد کے لیے ہندوؤں سے اتحاد اور دوستی بڑھانا مسلم لیگ کے دستور اساسی میں بھی شامل تھا جیساکہ آل انڈیا مسلم لیگ کے دستور اساسی کے صفحہ ۳ دفعہ ۲ ضمن ۲ میں یہ الفاظ درج ہیں۔ کہ"

"دیگر اقوام ہند کے ساتھ مسلمانوں کے دوستانہ تعلقات اور اتحاد کو بڑھانا"

چنانچہ لیگ کے صدر بنی اللہ نے بھی ۱۹۱۱ء میں اپنے صدارتی خطاب میں انگریز پر یہ الزام لگایا کہ وہ ہند کی دو قوموں کو ایکدوسرے سے متحارب کرا رہا ہے۔ اور ۱۹۱۲ء کا اجلاس ہندو مسلم اتحاد کے لئے ہی بلایا گیا تھا۔ بانئ پاکستان کی بھی یہی خواہش تھی کہ ہندو مسلم اتحاد کو کامیاب بنایا جائے۔ اسی کے ذریعے وطن آزاد ہو سکتا ہے چنانچہ انھوں نے لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ لاہور میں سنہ ۱۹۲۴ء کو کہا تھا۔

"ہندوستان میں غیر ملکی حکومت کا آغاز اور اس کا جاری رہنا

محض اس سبب سے ہے کہ ہندوستان کی قومیں اور بالخصوص ہندو مسلم متحد نہیں اور ایک دوسرے پر باہم اعتماد نہیں کرتے۔ میں قریب قریب بالکل یہی کہنے کی طرف مائل ہوں کہ جس دن ہندو اور مسلمان متحد ہو جائیں گے، ہندوستان کو نوآبادی کے درجے کی ذمہ دار حکومت مل جائے گی"۔

بقول سید ریاض حسن" قائداعظم کے بیسیوں تقریر ایسی ہیں جس میں کوئی ایسا نقطہ نہیں ہے کہ ہندو مسلم دو الگ قومیں ہیں" لیکن انگریز سرکار نہ مسلمانوں کو متحد دیکھنا چاہتا ہے اور نہ ہندو مسلم اتحاد کا خواہاں تھا۔ جداگانہ انتخابات کے ضمن میں جب قومیت کا مسئلہ سامنے آیا تو مسلم کئی پارٹیوں میں تقسیم ہو چکے تھے مسلمان مسلم لیگ اور جمعیہ علماء ہند کی صورت میں اور ہندو انڈین نیشنل کانگریس اور ہندو مہا سبھا کی صورت میں مختلف نظریئے کے تحت جمع تھے۔ جبکہ کانگریس میں مسلمان اور ہندو دونوں قومیں شامل تھیں۔ ۱۹۱۶ء میں لیگ کے کئی ارکان کانگریس میں شمولیت اختیار کی اور دونوں میں ایک حد تک اتحاد برقرار رہی۔

ادھر سرسید احمد خان سب سے الگ ہوکر اس نظریہ کے نظر رواں تھے کہ مسلمانوں کی خیر انگریز سرکار کی وفاداری میں ہی مضمر ہے۔ اس بناء پر مسلمان ان سے بھی خوش نہیں تھے۔ یہ

اسباب مسلمانوں کو ایک دوسرے سے بہت دور لے جا رہے تھے مگر آزادی کے سپوت علماء نے تب بھی مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنے کی انتھک کوششیں کیں۔ اسی غرض سے "ثمرۃ الترتیب" کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جنگ عظیم ۱۹۱۴ء کے دوران مسلم اتحاد کے لیے مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو بھیجا گیا تو دوسری طرف شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ نے مسلمانوں کی شیرازہ بندی کی کوشش کی۔ جس میں ایک حد تک کامیابی بھی ہوئی۔ اس کا اندازہ واقعہ ذیل سے ہوتا ہے کہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طلباء نے یونیورسٹی کا نام "مسلم نیشنل یونیورسٹی" رکھنے کے لئے جب یونیورسٹی کا بائیکاٹ کیا تو شیخ الہندؒ ہی کو صدارت کے لئے منتخب کیا گیا۔ آپ کو بوجہ ضعف و علالت پالکی میں بٹھا کر جلسہ گاہ تک لایا گیا۔ انھوں نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا

"اے نونہالان وطن، جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کے غمخوار (جس میں میری ہڈیاں پگھلی جا رہی ہیں) مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اور سکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے اور میرے چند مخلص احباب نے ایک قدم علی گڑھ کی طرف بڑھایا اور اس طرح ہم نے ہندوستان کے دو تاریخی مقاموں " دیوبند اور علی گڑھ کا رشتہ جوڑا۔"

مسلمانوں کے مابین اتحاد قائم کرنے میں علامہ محمد اقبالؒ کا کردار بھی سب سے نمایاں ہے۔ وہ اگرچہ سیاسی لیڈر نہ تھے مگر اپنے ولولہ انگیز اشعار کے ذریعے مسلمانوں میں اتحاد کا بڑا کارنامہ سر کیا اسی اتحاد کے نتیجے میں مسلمانوں کی قربانیاں دیکھ کر انگریز سرکار ملک چھوڑنے کے لئے پر تول رہا تھا لیکن وہ متحدہ ہندوستان کو مسلمانوں کے قبضے میں دینے سے خائف تھے۔ اس عین موقع پر ہندو مسلم فسادات کے ذریعے فریب کاری کا جال بچھا دیا۔ اور ہندوں کے مظالم دیکھتے ہوئے لیگ نے اپنا رول بدل دینے پر مجبور ہوا اس کے پیش نظر دو قومی نظریہ کو تقویت ملی۔ ۱۹۳۰ء میں علامہ محمد اقبالؒ نے اپنے خطبہ الہ آباد میں جدا مملکت کا تصور اسی نظریہ کی بنیاد پر پیش کیا کہ ہندو مسلم دو الگ الگ قومیں ہیں۔ ان میں اتحاد کی کوئی معقول صورت مشترک نہیں۔

لیکن مسلمانوں کے اکثریتی حصہ کا ردعمل یہ تھا کہ متحدہ ہندوستان بشمول کابل مسلمانوں کی سرزمین ہے۔ جس میں ان کا طویل ترین دورِ اقتدار رہا ہے۔ جبکہ انگریز غاصب ہے اور ہندوں اور مسلمانوں کے گلے میں طوقِ غلامی ڈالا ہوا ہے۔ لہذا پہلے انگریز کے آہنی پنجے سے ملک کا استخلاص ضروری ہے اور انگریز ملک چھوڑنے پر آپ مجبور ہوا ہے۔ ورنہ تقسیم ملک سے انگریز کا مقصد تقسیم مسلم ہے۔ انگریز کے نکل جانے کے

مسلمان اکثریتی صوبوں میں خود مختار علیحدہ گورنمنٹ قائم ہو جائے گی۔ جیساکہ ۲۵ فیصد ہندو ۴۵ فیصد مسلمان اور دس فیصد اقلیتوں کی نشستوں پر مسٹر گاندھی سے سمجھوتہ بھی ہو چکا تھا۔ اس کے ذریعے مسلمان ایک نقطے پر جمع ہو سکتے تھے۔ اس موقع پر مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے یہ الفاظ تاریخ میں محفوظ ہیں۔

" اگر پاکستان کے نام سے کوئی ریاست بنانا مقصود ہے تو اس میں کوئی اختلاف نہیں کیا جا سکتا لیکن انگریز کی چاپلوسیوں سے میرا دل یہ ماننے سے قاصر ہے کہ انگریز کے تقسیم کئے ہوئے ملک میں اسلام کا قانون بھی رائج ہو سکتا ہے"۔

یہ بات اس وقت کے حالات کے مطابق درست تھی اور مسلمانوں کی امنگوں کے عین مطابق تھی۔ کیونکہ دس کروڑ مسلمانوں میں سے صرف پنتالیس لاکھ ایک ہزار ایک سو چھپن (۴۵۰۱۱۵۶) ووٹ تقسیم کے حق میں تھے۔ باقی مخالف کے تھے۔ اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ انگریز جب ملک چھوڑنے کے لئے تیار ہے تو اس کا ہندوستان پر اب کوئی حق تصرف نہیں رہا۔ تو ہندو مسلم کے زعماء کو اختیار ہونا چاہیے کہ وہ تقسیم ملک کے حق میں یا خود مختار متحدہ حکومت کے بارے میں خود ہی سوچ کر فیصلہ کریں۔ لیکن انگریز جاتے جاتے بھی مسلمانوں کی اتحادی قوت کو کمزور کرنا چاہتے تھے۔

۲۹، ۳۰ مارچ ۱۹۳۶ء میں جمعیۃ علماء ہند کا ایک اہم اجلاس دہلی میں منعقد ہو رہا تھا۔ جس میں قائد اعظم محمد علی جناح نے بھی اپنی تشریف آوری کی اطلاع دی تو اس کا پرجوش استقبال کیا گیا۔ اجلاس میں جناح کی طرف سے لیگ کے رہنما عبدالمتین نے ان کا یہ عندیہ ظاہر کیا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لیگ کے ذریعے تمام مسلمان الیکشن لڑیں جمعیت چند شرائط کے ساتھ اس تجویز کی منظوری دی۔ چنانچہ اس اتحاد کے ذریعے مخالفین کو منہ کی کھانی پڑی۔ لیگ کے تیس سے زائد اراکین الیکشن میں کامیاب ہوئے۔ جس پر چودھری خلیق الزمان نے مولانا حسین احمد مدنیؒ کو خط لکھا کہ ۳۰ برس کی مردہ لیگ کو تو نے زندہ کیا۔ مگر کامیابی کے بعد لیگ نے وعدہ وفا نہ کیا جن کے متعلق جب جناح سے پوچھا گیا تو کہا "کہ وہ پالیٹکل وعدے تھے"

ان وجوہات کی بناء پر جمعیۃ کا راستہ لیگ سے پھر الگ ہوا اسی عرصے میں ۱۹۳۷ء کو جب تحریک پاکستان کا آغاز ہو رہا تھا تب تقسیم کے مخالف علماء وزعماء اور لیگ کے رہنماؤں کو ایکدوسرے کے خلاف برافروختہ کرنے والوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ بات کو بتنگڑ بنانے والے بکثرت موجود تھے۔ ابلیس کے پرستار ان مسلم راہنماؤں کو ایک دوسرے کے خلاف ورغلا کر نام پیدا کرنے کی ٹھان لی تھی۔ چنانچہ ۱۹۳۷ء میں جب دو قومی نظریہ کے تحت

تقسیم ملک کی تحریک شروع ہوئی تھی ۔ مولانا حسین احمد مدنی رح جو تقسیم کے مخالف تھے، نے ایک تقریر میں رات کو یہ کہا: "آج کل قومیں وطن کی بنیاد بنتی ہیں۔ مذہب الگ الگ ہیں تو اس سے قومیں الگ الگ نہیں مانی جاتیں ۔

لیکن صبح سویرے اخباری نمائندے معاملے کو سنگین تر بنا کر ایک سنسنی خیز خبر یوں شائع کی کہ رات کو مولانا حسین احمد مدنی رح نے کہا کہ قومیت وطن سے ہے، مذہب سے نہیں ۔

جس پر اقبال مرحوم کا سخت تنقیدی قطعہ اخبار میں چھپا۔ مولانا مدنی نے کہا یہ تو مجھ پر سراسر بہتان ہے۔ طالوت کے نام ایک خط میں انھوں نے کہا کہ "میں نے مسلمانوں کو مشورہ نہیں دیا بلکہ موجودہ دور کا ایک نظریہ تمہیداً عرض کیا تھا۔ میرا جملہ خبریہ ہے انشائیہ نہیں" وغیرہ طالوت نے یہ اقتباسات علامہ محمد اقبال کو بھیجا جس کے جواب میں علامہ موصوف نے تردیدی بیان ایک خط کے ذریعے "روزنامہ احسان" کے ایڈیٹر کے نام روانہ کیا۔ جو ۲۸ مارچ ۱۹۳۸ء کے "احسان" میں شائع ہوا۔ اس میں علامہ موصوف نے لکھا،

خط کے مندرجہ بالا اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا اس بات سے صاف انکار کرتے ہیں کہ انھوں نے مسلمانان ہند کو جدید نظریۂ قومیت اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ لہذا میں اس بات

کا اعلان کرتا ہوں کہ مجھ کو مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم
کا کوئی حق اس پر اعتراض کرنے کا نہیں رہتا۔"

یہ معاملہ یہیں ختم ہوا مگر مخالفین مسلمانوں کے اتحاد کے خواہاں
نہیں تھے اس لئے قیام پاکستان کے بعد بھی اس جملے کو دھرا کر اس
کے حق میں دلائل پیش کرتے ہوئے اقبال اور مدنی کو لڑانے کی
کوشش کی جانے لگی۔ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید اپنی کتاب "سرگزشت
اقبال" میں لکھتے ہیں "اگر وہ (اقبال) "ارمغان حجاز" کی ترتیب اپنی
زندگی میں دیتے تو شاید وہ تین اشعار درج نہ کرتے جن میں مولانا
حسین احمد مدنی پر چوٹ کی گئی تھی"۔ اسی طرح خواجہ عبدالوحید
"اقبال ریویو" میں رقمطراز ہیں کہ "ارمغان حجاز اگر حضرت علامہ
علیہ الرحمۃ کی زندگی میں چھپتی تو یہ نظم اس میں شامل نہ ہوتی"۔

مگر داد دیجیے ان منصف قلمکاروں کو کہ "ارمغان حجاز میں
ان اشعار کی موجودگی کو بنیاد بنا کر آج بھی ان دونوں مرحومین
کی روحوں کو زبردستی لڑانے پہ تلے ہوئے ہیں۔ ادھر ان شہسواران
آزادی کی داستان جرأت کو دیکھئے کہ اس قسم کے اختلافات کے
باوجود باہم کس مروت اور احترام سے پیش آتے تھے۔

اس وضاحت سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ کسی بھی پارٹی
کے جملہ اراکین کو کسی مذہبی یا قومی معاملے میں مخلص قرار نہیں
دیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت لیگ کے اندر بھی کئی افراد

ایسے تھے جو بات سے بتنگڑ بنانے میں مہارت رکھتے تھے۔
چنانچہ ۱۹۳۶ء میں خود قائد اعظم محمد علی جناح نے بھی لیگ کے ارکان سے بیزاری ظاہر کی تھی۔ اس وقت وہ لیگ اور جمعیۃ کے درمیان اتحاد کے سلسلے میں کہا۔ میں ان رجعت پسندوں سے عاجز آ گیا ہوں اور ان کو رفتہ رفتہ لیگ سے خارج کرکے صرف آزاد خیال ترقی پسند لوگوں کی جماعت بنانا چاہتا ہوں۔ اور کہا۔ کہ اگر میں ایسا نہ کر سکا تو میں تم لوگوں (جمعیۃ علماء) میں آ جاؤں گا اور لیگ کو چھوڑ دوں گا۔

تاہم ہندوستانی قومیت کے ناطے اتحاد کوئی غیر شرعی امر نہیں تھا حدود شرعیہ کے اندر رہتے ہوئے غیر مسلموں سے اشتراک عمل نہ شرعاً ممنوع ہے اور نہ سیاستاً جس کی وضاحت گذشتہ صفحات میں آپ کے سامنے پیش ہوئی۔ مگر انگریز کے پروردہ مخالف نظریہ والوں پر الزام تراشی کے لئے گھات میں بیٹھے ہوئے ہوتے تھے۔ وہ مسلمانوں کے اتحاد کو اپنے لئے باعث توہین سمجھتے تھے جبکہ تحریک آزادی کے سپوت رہنماؤں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے بے پناہ محبت اور جذبۂ احترام موجود تھا۔ تحریک پاکستان کی مخالفت بھی نظریاتی اور وقتی طور پر تھی۔ جب پاکستان قائم ہوا تو مولانا حسین احمد مدنی ہندوستان میں رہتے ہوئے بھی پاکستان سے بے پناہ محبت رکھتے تھے اور اپنے معتقدین کو بھی اس سے محبت کرنے اور اس کی حفاظت

کرنے کی بھرپور تاکید کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے متعلق ایک سوال کے جواب میں آپؒ نے فرمایا۔

"مسجد جب تک بنی نہ ہو اس کے نقشے میں اختلاف کیا جا سکتا ہے مگر جب وہ بن جائے تو وہ مسجد ہے جس کی حفاظت سب کا فرض ہے"

غرض کہ تحریک آزادی کی بنیاد اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ پر تھی اور پاکستان کا مقصد بھی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تھا۔ یہ دونوں کلمات ہمیں آزادی اور اتحاد و اتفاق کا درس دیتے ہیں۔ قیام پاکستان تحریک آزادی کا تکملہ ہے۔ اس لئے کہ اسلام میں حصول آزادی کے دو ہی طریقے ہیں جہاد اور ہجرت۔ ظاہر ہے کہ دونوں کے لئے جانی و مالی قربانی درکار ہے جس طرح ہمارے اسلاف نے تحریک آزادی کے لئے دونوں قسم کی قربانیاں پیش کی، اب قیام پاکستان کے بعد چاہیے تو یہ تھا کہ ان تمام دلی کدورتوں کو دور کر کے تعمیر وطن کے لئے کوشاں رہتے مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ وہ پاکستان جس کا حصول کئی قیمتی جانوں کے بدلے ہی ممکن ہوا تھا طبقاتی اور گروہی امتیازات میں بٹ کر رہ گیا۔ وہی لسانی، مذہبی، سیاسی اختلافات روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں۔ قتل و فسادگری کا بازار گرم ہے۔ مگر کوئی مداوا نظر نہیں آتا۔ مسلمانوں کو اپنی تاریخ رفتہ نہیں بھولنا چاہیے۔ اسی آپس کے اختلافات کی بناء پر اندلس میں زوال آیا جہاں آٹھ سو سال تک مسلمانوں کی پُر شکوہ حکومت

رہی تھی۔ بغداد کو دیکھئے جہاں مسلمان بڑے کرّوفر سے حکومت کر رہے تھے۔ تمام اقسام علوم و فنون کا مرکز تھا مگر جب مسلمان ٹکڑیوں میں بٹے تو ہلاکو خان کے ہاتھوں انہیں نا قابل بیان ذلّت اٹھانی پڑی۔ سمرقند و بخارا کا بھی یہی حال ہے۔ حال میں افغانستان کی حالت پاکستان کے مسلمانوں کے لئے درس عبرت ہے۔ شرع میں اختلاف رائے مذموم نہیں مگر اس کے بہانے کسی کو جانی اذیت پہنچانا کہاں کی مسلمانی ہے اور نہ کسی ملک کی جمہوری روایات اور سیاسی اقدار اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ معمولی نظریاتی اختلافات کے بہانے ایک دوسرے پر بے جا بہتان طرازی کی جائے۔ آج کل کے حالات بالکل یہی ہیں کہ

ع فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں ؛ کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

جس کی وجہ سے مسلمان پاکستان کے مابین اتحاد کی فضا سازگار نہیں ہو پاتی۔ قیام پاکستان کے بعد ملک میں صرف ایک ہی بڑی سیاسی پارٹی مسلم لیگ تھی۔ ابتدائی دس سالوں تک اس کی حکومت بلا شرکت غیرے قائم رہی۔ لیکن ان دس سالوں کے دوران ملک کے مقاصد کے خلاف کئی تحریکیں اٹھیں اور پارٹیاں بنیں۔ ان دیگر پارٹیوں کو تو چھوڑیئے جن کی بنیادیں ہی غیر اسلامی طریقے پر استوار ہیں۔ خود مسلم لیگ ہی نے ان مقاصد کی پاسداری میں ناکام رہی۔ بلکہ ابتدائے قیام پاکستان سے وقت سے پاکستان کی موروثی پارٹی نے تحریک

آزادی کے تحفظ میں ناکام رہی۔ سرحد میں پختونستان کا نعرہ بلند ہوا تو سندھ میں سندھو دیش بنانے کا مطالبہ شروع ہوا۔ قیام پاکستان کے صرف دو ماہ بعد اکتوبر ۱۹۴۷ء میں مسلم لیگ کی سندھ کونسل نے ایک سفارشی قرار داد منظور کی جس میں مسلم لیگ کی حکومت سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ پاکستان میں سوشلسٹ آئین بنایا جائے اور اس آئین میں ہر صوبے کو اندرونی معاملات میں مکمل آزادی دی جائے۔

بانیان پاکستان کے ہاتھوں جب علاقائی تعصبات کی تحریکیں شروع ہوئیں تو سنجیدہ طبقے کے لوگوں نے اس کی مخالفت ضرور کی مگر کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ اس قسم کی لسانی، مذہبی، نظریاتی اور سیاسی اختلافات آج ہمیں ایک دوسرے سے بہت دور لے گئے ہیں۔ ان اختلافات کا مداوا فقط یہی ہے کہ ہم تحریک آزادی اور تحریک پاکستان کے اصولی مقاصد کو اپنائیں۔ اور غیر مسلموں کی پیروی کے بجائے اپنے اسلاف، قائدین اور پیشواؤں کی پیروی کرتے ہوئے سچے مسلمان ہونے کا ثبوت دیں اس لئے کہ ہم پہلے مسلمان ہیں پھر پاکستانی ہیں۔ جب تک ہم ذاتی مفادات اور طبقاتی نظام کو چھوڑ کر اسلامی رشتے کے بندھن میں نہ باندھے جائیں پاکستان کے لئے کچھ بھی نہ کر پائیں گے جس کا تجربہ اس پچاس

سالہ عرصے کے دوران ہو چکا ہے کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں خلافت راشدہ کے طرز پر اسلامی نظام، حکومت رائج ہو جس کے ساتھ تمام سیاسی و مذہبی جماعتیں اتفاق کریں، اور سیاسی جاگیرداری سے ملک کو چھٹکارا مل جائے۔

حرم پاک بھی' اللہ بھی' قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلماں بھی ایک

مقالے کی ترتیب کے وقت درجہ ذیل کتابیں پیش نظر تھیں

۱۔ اسیرانِ مالٹا۔ مولانا سید محمد میاں

۲۔ تاریخ کالا پانی مولانا جعفر تھانیسری رحمہ

۳۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند مولانا قاری محمد طیب صاحب

۴۔ تاریخ پاک و ہند قاری احمد پیلی بھیتی

۵۔ تحریک آزادی کے نامور سپوت علامہ ضیاء الرحمٰن فاروقی

۶۔ پاکستان ناگزیر تھا سید ریاض حسن

۷۔ حیات شیخ الہند رحمہ مولانا سید اصغر حسین رحمہ

۸۔ عالم اسلام کی اسلامی تحریکیں اور ہمارا مستقبل۔ ڈاکٹر محمد دین

۹۔ سندھ کے حالات کی سچی تصویر محمد موسیٰ بھٹو

خطابِ مہمانِ خصوصی

ریٹائرڈ ونگ کمانڈر فرداد علی شاہ

محترم صدرِ مجلس، صدر انجمن ترقی کھوار چترال و معزز حاضرین!

اس سیمینار کی افتتاحی تقریب میں مجھے شرکت کرنے کا موقع ملا مقالہ نگاروں کے زرین خیالات سے مستفید ہو گیا۔ اس دفعہ غالباً پہلی مرتبہ انجمن ترقی کھوار چترال بغیر کسی حکومتی، سرکاری یا انتظامی اعانت کے اپنے ہی وسائل اور اپنی کاوشوں سے اس تقریب کو منعقد کرنے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے جس کا مظاہرہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ پچھلے دو روز سے مسلسل گرمی کے باوجود متفرقہ نورم کے باوجود حاضرین نے جوش و خروش کے ساتھ رات گئے تک اس میں شرکت کی۔ یہ ایک خوش آئند بات ہے۔ انشاء اللہ آئندہ بھی انجمن ترقی کھوار کے پروگرام اسطرح دلپذیر اور دلچسپ ہوں گے۔ میرے خیال میں اس تقریب میں بحیثیت مہمان خصوصی مجھے جو اعزاز بخشا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہوگی کہ یہ تقریب تحریک

آزادی کے سلسلے میں ہو رہی ہے اور میرے اجداد کا اس میں کوئی کردار تھا جس کا مجھے احساس ہے اور جس کا میں شکریہ ادا کر رہا ہوں۔ اس تقریب میں کل سے اچھی معلومات انگیز اور فکر انگیز باتیں سنیں ان میں سے ایک دو نکات پر اظہار خیال کرنا نامناسب نہ ہوگا۔

ایک اہم شخصیت نے یہاں پر کہا اس کی یہ بات بالکل درست تھی کہ آزادی کا علمبردار اس وقت کے والیٔ چترال ہز ہائی نس محمد ناصر الملک تھے۔ انھوں نے آزادی کا ایک نظریہ متعارف کیا۔ چترال میں سکول کی بنیاد تک ڈالی۔ ان کو خراج تحسین پیش کرنا حق اور جائز ہے۔ ہم اس کو کام نہیں بلکہ کارنامہ کہیں گے۔ اس کے بعد جو بات کہی گئی کہ والیان چترال کے زمانے میں لوگوں کے ساتھ جو کچھ ہوتا تھا اس وقت کے مہتر نہیں بلکہ ان کے اہل کار اتالیق، حاکم، چارویلو کرتے تھے۔ یہ بات قابل صد افسوس ہے۔ ایسی تلخ حقیقتیں جن کو ہم بھلانا چاہتے ہیں جان بوجھ کر کریدنا، ذکر کرنا اپنے زور بیان سے کام لے کر بلا وجہ کسی پر الزام دھرنا، اس قسم کے تلخ نوائیوں سے کچھ نہیں بنتا۔ میرے خیال میں اس سلسلے میں، میں یہی کہوں گا۔

؎ جنون کا نام خرد کہہ یا خرد کا جنون ؎ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

جان بوجھ ڈھونگ رچانے سے تاریخ کی حقیقت کبھی بھی نہیں بدل سکتی۔

حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے ؎ کہ خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے

بہرحال ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں۔

یہاں ایک بات اچھی کہدی گئی کہ چترالیوں میں اتحاد ہونا چاہیے مگر اس اتحاد کے لئے پرانی تلخیوں کو بھول کر برابری کے اصول پر عمل کرکے اتحاد کیا سکتا ہے۔ ایک طرف اتحاد کا درس دیتے ہوئے دوسری طرف قوم پرستی کے نام یونین بنانے سے اتحاد نہیں ہوسکتا۔

اس کے علاوہ چترال میں ترقیاتی کاموں کے سلسلے میں شیر ولی خان اسیر صاحب نے ایک بہت متاثر کن اور بہترین کوششوں کا نچوڑ پیش کیا۔ اس بارے میں ان کی کوششوں کو سراہتا ہوں۔ اس نے اپنے مقالے میں کہا کہ آزادی کے بعد اب تک زیارت سے بونی تک پختہ سڑک بنی ہے۔ اس سلسلے میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ جس سڑک کا آپ نے ذکر کیا ہے یہ کل ۱۵۰ میل پر محیط ہے۔ جبکہ ہمارے نہایت قریب ہمسایہ "دیر" میں ابتک کی پکی سڑک پانچ ہزار کلومیٹر ہے۔ ہم اس کو بھی ترقی کا نام دیتے ہیں اور ہمارے دیہات سینکڑوں سال قبل کا نقشہ پیش کر رہے ہیں۔

۱۹۸۹ء میں شندور میلے میں اس وقت کی وزیراعظم اپنی تقریر میں کہا" آپ کو پتہ ہے آج سے ۴۰ سال پہلے آپ لوگ اس علاقے میں نو مہینے مقید رہتے تھے۔ اب صرف تین یا چار مہینے آپ لوگوں کو چترال میں بند رہنا پڑتا ہے۔ یہ بات مجھے بری لگی"۔ میں شام کو جب راولپنڈی پہنچا تو اسی وقت اخبارات کو لکھا۔ وزیراعظم نے ہمیں ۴۰ سال پہلے پہاڑوں

میں مقید رہنے کا طعنہ دیا۔ جبکہ ۴۰ سال پہلے محترمہ ایک چھوٹی بچی تھی۔
۴۰ سال بعد اب ملک کا وزیراعظم ہے۔ ۴۰ سالوں میں بہت کچھ تبدیلیاں
اور ترقی ہوتی ہیں۔ اب جبکہ چھ گھنٹے میں لوگ سوئٹزرلینڈ پہنچ جاتے
ہیں۔ ایک ہم ہیں کہ آج بھی آل ویدر روڈ کے لئے ترس رہے ہیں۔ "راؤ لئی"
کی صعوبتوں سے جان نہیں چھوٹتی۔ میرے کہنے کا مقصد یہ ہے چترال
ترقی کے میدان میں بہت پیچھے ہے۔ ان حالات میں ہم تسلی کا اظہار نہیں
کرسکتے ہیں۔ ہم حزب اقتدار کو درخواست کرتے ہیں۔ جن کے پاس
اختیارات ہیں۔ چترال کے حل طلب بنیادی مسائل کی طرف توجہ
دی جائے۔ دوسری ترقیاتی ادارے این جی اوز تومقدور بھر امداد
دیتے ہیں۔ اور چھوٹے چھوٹے علاقائی مسائل حل کرنے میں کوشاں ہیں
ان کی کارگذاریاں حکومت کو اپنے کھاتے میں نہیں ڈالنا چاہیے۔
آخر میں، میں انجمن ترقی کھوار چترال کے عہدہ داروں، منتظمین اور
اراکین کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

خطبۂ صدارت

میجر ریٹائرڈ۔ شہزادہ خوش احمد الملک

جناب صدر محفل و برادران عزیز۔ میں برادران عزیز اس وجہ سے کہا کہ انجمن ترقی کھوار کے ممبران نے گذشتہ نصف صدی کے حالات سے دوچار ہونے والے میرے اپنے زمانے کے ساتھیوں کو آج یہاں مدعو کیا ہے۔ ہم انجمن والوں کا شکریہ ادا کرکے پورا نہیں کرسکتے۔ ہم چترالیوں کے بارے میں ایک انگریز نے لکھا ہے کہ چترالی چھوٹے بچے جیسے لوگ ہیں اگر بچوں کے سامنے کھلونا رکھدیا جائے پہلے بہت خوش ہوکر اس کو اٹھائیں گے پھر اس کے ساتھ کھیلیں گے آخر میں اس کو زمین پر دے مار کر ٹکڑے ٹکڑے کریں گے۔ انگریز رائٹر نے ہم پر طنز نہیں کیا ہے بلکہ ہماری نفسیات کے بارے میں سچ لکھا ہے۔ اس لئے انجمن جو ہمیں کسی بات پر ایک پلیٹ فارم پر لاتا ہے اس لحاظ سے ہم اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

پاکستان کی تاریخ کے بارے میں ہم جو کچھ کہیں گے یہ فارسی کے اس مقولے کے مصداق "شنیدہ کی بود مانند دیدہ" یہ تمام واقعات ہماری آنکھوں کے سامنے ہوئے ہیں جس کی ہم گولڈن جوبلی منا رہے ہیں۔ تاریخ اور کہانی میں فرق ہوتا ہے۔ کہانی کی بنیاد افسانوی خیالات اور جھوٹ پر ہوتی ہے جبکہ تاریخ حقیقت پر مبنی واقعات کا نام ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ پاکستان کس طرح وجود میں آیا۔ ہندوستان پر سات سو سال مسلمانوں کی حکومت رہی۔ مسلمانوں کے آخری مغل تاجدار سے ہندوستان کو چھین کر اسے رنگون لے جاکر قید کر دیئے۔ انھوں نے قید خانے میں وفات پائی۔ لگ بھگ ۱۵۰ سال انگریزوں نے ہندوستان پر حکومت کی۔ تو یورپ کے یہ انگریز لوگ جرمنی، اٹلی اس طرح افریقہ وغیرہ میں ان کی نوآبادیات تھیں ان کو آزاد کرنے لگے تو یہ لوگ بغیر کسی دنگا فساد کے آزادی حاصل کئے تو اسی وقت ہندوستان میں بھی آزادی کی لہر دوڑنے لگی انگریز جو یہاں سے جانے والے تھے اس لئے کانگریس نے تحریک شروع کی۔ اس کے بعد مسلم لیگ کی تحریک شروع ہوئی۔ میں یہ حقیقت آپ کو بتا رہا ہوں کہ انگریزوں نے ہندوستان کی حکومت ہم مسلمانوں سے چھین لیا تھا مگر جاتے ہوئے انھوں نے صرف کانگریس اور مسلم لیگ سے بات چیت کئے۔ ان کے علاوہ بھی ہندوستان میں بہت سے لوگ تھے۔ یہاں اس وقت پانچ سو ریاستیں تھیں۔ ان کو چاہیے تھا کہ ان پانچ سو ریاستوں کے لوگوں سے بھی پوچھ لیتے کہ تمہاری

رائے کیا ہے۔ انھوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ انھوں نے یہ کیا کہ ریاست کے لوگوں سے پوچھ لینے کی بجائے ریاستوں کے حکمرانوں کو عام اجازت دی کہ تم اپنی مرضی سے ہندوستان سے ملنا چاہتے ہو یا پاکستان سے مل سکتے ہو۔ اس وقت میں یہاں اپنے بھائی والیٔ چترال کا چیف سیکرٹری تھا۔ پاکستان بننے سے پہلے یہاں کچھ گڑبڑ ہوئے۔ لوگ والیٔ ریاست کے سامنے ان کی باتوں کی حمایت کئے اور باہر جاکر چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ یہاں اس وقت والی جو کچھ کہتا لوگ ان کے ہاں میں ہاں ملاتے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا ایک آدمی آکر خبر دی کہ موضع کاری سیلاب کے زد میں آکر تباہ ہوگیا۔ تو سب خاموش رہے۔ دروش کے سیٹھ نوروز خان کا بھائی قاسم خان نے اٹھ کر والیٔ چترال ناصرالملک سے کہا کہ حضور والا یہ سب کچھ آپ کی برکت سے ہوا۔ والیٔ چترال حیرت سے پوچھا کہ میری برکت سے کیسا تو انھوں نے کہا یہ لوگ جو آپ کے درباری ہیں ریاست میں جو بھی خوشی کی خبر ہوتی ہے یہ خوشامد کر کے کہتے ہیں کہ "حضور یہ آپ کی برکت سے ہوا۔ اگر تمام کام آپ کی برکت سے ہوتے ہیں تو یہ واقعہ بھی شاید آپ کی برکت سے ہوئی ہوگی۔

میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے پاکستان میں یا پخسو ریاستوں کے باسیوں کی یہی نفسیات تھیں۔ اس لئے آجکل بھی پاکستان میں جس کی حکومت میں بھی مہنگائی ہوتی ہے، فحاشی ہوتی ہے، لوٹ مار ہوتی ہے مگر آج کل بھی وہی درباری کہتے ہیں کہاں ہے مہنگائی۔ ملک میں بالکل

امن و امان ہے۔ یہ درباری لوگ حکمرانوں کو اصل حقیقت سے آگاہ نہیں کرتے۔ اگر حکمران دن کو رات کہیں تو کہتے ہیں جی ہاں یہ رات ہے

ناصرالملک والئ چترال نے چترال میں سکول کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے کہا تھا کہ میں نے اپنے قلعے کے لئے بم رکھدیا۔ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اس سکول سے بچے سبق پڑھ کر تخریب کار بنیں گے بلکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ سبق پڑھ کر بچے تعلیم حاصل کریں گے۔ اپنے حقوق حاصل کرنے کی ان میں اہلیت پیدا ہوگی۔ سکول کی افتتاحی تقریر میں انھوں نے لڑکوں سے پوچھا کہ یہ چترال کا علاقہ کس کا ہے۔ ایک لڑکے نے جھٹ سے جواب دیا کہ یہ چترال والئ چترال کا ہے۔ اس بات پر والئ چترال نے ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا یہ ریاست میری نہیں یہ تمہاری ہے مگر ہم اب تک اس بات کا مطلب نہ سمجھ سکے۔ اس کا مطلب یہ تھا یہ پہاڑ یہ دریا یہ جنگل اور یہ شاملات سب چترالیوں کے ہیں اگر حقیقت یہی ہے تو کس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ہمارے یہ حقوق ہم سے چھین لے جس کی اب بھی ہم حفاظت کرتے آرہے ہیں باقی رہا پسماندگی اور آجکل کے ترقیاتی کام' یہ صرف چترال میں نہیں ہو رہے ہیں بلکہ ہمارے تعلیم حاصل کرنے کے زمانے میں پشاور بھی ایک پسماندہ علاقہ تھا۔ آجکل ترقی یافتہ علاقوں کے لوگ دو سو سال جو کچھ ہونا ہے اس کے متعلق سوچتے ہیں اور اس کے لئے پروگرام بناتے ہیں۔ ہم یا اپنے دوستوں کے ہاتھوں کھلونے

بن کر اپنے اجداد کو برا بھلا کہتے ہیں یا پدرم سلطان بود کے نعرے لگا کر شیخی بگھارتے ہیں۔ یہی باتیں ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ ہم میں اتفاق کا فقدان ہے۔ ایک دفعہ شندور کے میلے میں حکومت کا ایک اہم ذمہ دار شخصیت نے مجھ سے کہا کہ یہاں چترال میں ان پہاڑوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ تم نے ان پہاڑوں میں سے گذرتی ہوئی ندی نالوں، آبشاروں اور سبزہ زاروں کو نہیں دیکھا ہے۔ اگر ان میں سے ایک ندی میں بند باندھ کر بجلی گھر بنایا جائے تو سارے ملک کے لیئے کافی ہوگا۔ مگر ان کو بنانے والا کوئی نہیں ہے۔ پہلے دور میں ہمارے لوگ اپنی بساط کے مطابق ان سے فائدہ اٹھا کر پن چکی، پانی سے پنکھے اور خراد کی مشینیں تو لگاتے تھے۔ آج کل ہم بجلی کے پنکھوں سے روشناس ہو کر اپنا سب کچھ بھول بیٹھے ہیں۔ ان پنکھوں سے ہم مطمئن نہیں ہیں۔

چترال میں ترقیاتی کام آجکل بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ کرپشن، چوری، رشوت خوری کی وجہ سے پاکستان کی حالت ابتر ہوتی جا رہی ہے۔ اگرچہ پہلے کے بہ نسبت سکول زیادہ بنتے جا رہے ہیں مگر تعلیم کا معیار گرتا جا رہا ہے۔ یہی حالت رہی تو مستقبل تاریک نظر آ رہا ہے۔ ہم حیران ہیں کہ پہلے زمانے میں ہمارے چترال کے گرد اگرد بڑے بڑے مضبوط حکومتیں تھیں اس کے باوجود چترال کے اس زمانے کے لوگ چترال کی باؤنڈریوں کی حفاظت کر کے ہمارے ہم کر دیئے۔

اب بھی ہم چترال کے لوگ سب سے بڑھ کر پاکستان کے خیر خواہ اور وفادار ہیں۔ ہم پاکستان کی سلامتی اور دفاع کے لیئے ہمہ تن معروف اور جان تک دینے کو تیار ہیں۔ ہمارے آباؤ اجداد کے جو اصول، اقتدار اور ثقافت تھیں ہمیں ان کو ہر وقت مشعل راہ بنانا چاہیے۔ میں نے بیس سالوں تک ایران اور افغانستان کے سرحدی علاقوں یعنی بلوچستان، وزیرستان اور باجوڑ میں وقت گذارا ہے۔ یہ ایسے علاقے ہیں کہ ان میں سایہ دار درخت، آبشار، سرسبز گھاس نہیں ہیں۔ ان کے مقابلے میں چترال میں ناشپاتی، سیب، انار، شفتالو، خوبانی، انگور وغیرہ وغیرہ میوہ جات، باغبانی کے طریقے ہزاروں سال پرانے ہیں۔ ان کا ابتدائی اصول جو اے کے آر ایس پی، ایفاد یا زراعت کے محکمے آج ہمیں سکھا رہے ہیں یہاں ہزاروں سال پہلے ان کی بہتات تھی۔ میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم ایک مہذب قوم ہیں۔ ہمیں احساس کمتری کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔

شکریہ

دو روزہ سمینار لبلسلہ گولڈن جوبلی تقریبات

تحریک آزادی اور الحاق پاکستان

۶-۷ جون ۱۹۹۷ء

(قراردادیں)

۱۔ پاکستان کی گولڈن جوبلی تقریبات کے حوالے سے یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ معاہدہ الحاق، قرارداد مقاصد اور مسلمانوں کی خواہشات کے مطابق چترال میں مکمل شرعی نظام نافذ کیا جائے۔

۲۔ یہ اجلاس پاکستان کی گولڈن جوبلی تقریبات کے حوالے سے مطالبہ کرتا ہے کہ چترال کے محب وطن اور پُرامن عوام کے احساس محرومی کو دور کرنے کیلئے چترال کو سال بھر کھلی رہنے کے قابل سڑک کے ذریعے صوبائی دارالحکومت سے ملایا جائے۔

۳۔ یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ ملکی معاملات میں چترال کے عوام کی شرکت اور علاقے کی ترقیاتی منصوبہ بندی کو بہتر بنانے کے لئے

چترال کو قومی اسمبلی میں دو اور صوبائی اسمبلی میں چار نشستیں دی جائیں

۴۔ یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے۔ چترال کی زبان و ادب اور تہذیب و ثقافت کے تحفظ و فروغ کے لیئے ہندوکش ریسرچ سینٹر و آرٹس کونسل کے منصوبے کو عملی جامہ پہنا کر ادیبوں شاعروں اور فنکاروں کو بنیادی سہولت فراہم کی جائیں۔

۵۔ یہ اجلاس پاکستان کی گولڈن جوبلی تقریبات کے حوالے سے انجمن ترقی کھوار کے زیر اہتمام منعقد سمینار کے سلسلے میں تعاون کے لئے مندرجہ ذیل حکام اور شخصیات کا شکریہ ادا کرتا ہے۔

انتظامی تعاون

۱۔ رحمت کبیر خان چیف آفیسر ڈسٹرکٹ کونسل چترال

۲۔ رحمت نبی خان پرنسپل کامرس کالج چترال

۳۔ شہزادہ مسعود الملک ریجنل پروگرام منیجر اے کے آر ایس پی چترال

۴۔ پرنسپل گورنمنٹ ہائی سکول چترال

۵۔ سٹیشن ڈائریکٹر ریڈیو پاکستان چترال

۶۔ خالد محمود صدیقی انجینئر ری براڈ کاسٹ سٹیشن پی ٹی وی چترال

۷۔ ڈاکٹر سردار عالم ڈی ایچ او چترال

۸۔ میاں محبوب علی شاہ کاکاخیل نیوز ایجنسی چترال

۹۔ حاجی ہنیس شاہ ایکسٹرا اسسٹنٹ ڈائریکٹر محکمۂ زراعت چترال

مالی تعاون

۱۔ صاحب نادر خان ایڈوکیٹ	۱۰۰۰۰
۲۔ ولی الرحمٰن ایڈوکیٹ	۵۰۰۰
۳۔ سٹاف آغاخان ہیلتھ سروسز چترال	۴۳۰۰
۴۔ سٹاف آغاخان ایجوکیشن چترال	۲۰۰۰
۵۔ حاجی محمد خان ایون	۲۰۰۰
۶۔ وزیر خان	۲۰۰۰
۷۔ عبدالغفار خان	۲۰۰۰
۸۔ سردار محمد لشکوہ	۱۵۰۰
۹۔ محمد سرفراز علی خان منیجر ایس پی ایف سی چترال	۱۰۰۰
۱۰۔ محمد حریر شاہ منیجر سی این ایس انٹرپرائزز چترال	۱۰۰۰
۱۱۔ میاں محبوب علی شاہ کاکاخیل نیوز ایجنسی چترال	۱۰۰۰
۱۲۔ ڈاکٹر سردار عالم ڈی ایچ او چترال	۱۰۰۰
۱۳۔ خالد جمیل انجنیئر ایگریکلچر	۱۰۰۰
۱۴۔ معراج اے کے آر ایس پی چترال	۱۰۰۰
۱۵۔ اقبال شاہین ایڈوکیٹ	۱۰۰۰
۱۶۔ غلام محمد یونی	۱۰۰۰

۱۷۔ ڈاکٹر تفضل قیوم ایم ایس ڈی ایچ کیو ہسپتال چترال ۵۰۰

۱۸۔ شہزادہ ڈاکٹر بختیار احمد دروش ۵۰۰

۱۹۔ صلاح الدین نیشنل بینک چترال ۵۰۰

۲۰۔ ڈاکٹر شجاع الدین گولدور چترال ۵۰۰

۲۱۔ غلام محمد پروڈیوسر ریڈیو پاکستان چترال ۵۰۰

۲۲۔ محمد فراز ڈی ایف او وائلڈ لائف چترال ۵۰۰

۲۳۔ حاجی عبدالرحمٰن صدر آل نان گزیٹڈ ایمپلائز اینڈ آل پاکستان کلرکس ایسوسی ایشن چترال ۵۰۰

امیر خان میر
صدر انجمن ترقی کھوار چترال

کاپی برائے اطلاع

۱۔ بخدمت جناب وزیر اعلیٰ صاحب صوبہ سرحد

۲۔ جناب چیف سیکرٹری صاحب صوبہ سرحد

۳۔ جناب ڈپٹی کمشنر صاحب چترال

خطاب مہمان خصوصی محفل مشاعرہ

ولی الرحمٰن ایڈوکیٹ

مملکت خداداد پاکستان کی پچاس سالہ تقریبات کے موقع پر جن شعراء کرام نے حب الوطنی سے سرشار جس طرح کی نکتہ آفرینی کا ثبوت دیا اس کے پس منظر میں چھ گھنٹے کا دورانیہ مجھے چھ منٹ کیطرح مختصر لگا اور جو لذت مجھے محسوس ہوئی اس کا اندازہ لگاتے ہوئے بے اختیار میرا جی چاہا کہ کاش وقت کی رفتار تھم کر رات پر حاوی ہو جائے۔ حالانکہ یہ اس انسان کے الفاظ ہیں جس کا آج تک شاعری کے محض سننے سے ہی واسطہ پڑا اور طبع آزمائی نصیب نہ ہو سکی۔ نیز دوسرے علاقائی کھیلوں کی طرح پولو میرا پسندیدہ کھیل ہونے کے باوجود بھی آخر میں پولو میچ کے ساتھ میری دلچسپی کے پس منظر میں جن اشعار میں پولو سے متعلق مفید معلومات کو بنیاد بناکر پیش کیا گیا جو ہمارے علم میں خاطر خواہ اضافے کا باعث ہوا۔ میں ان شعراء کا جس طرح سے بھی شکریہ ادا کروں کم ہے کیونکہ میرے پاس ایسے الفاظ نہیں جن کے سہارے میں خوب سے خوب تر الفاظ میں داد دے سکوں۔ آخر میں انجمن کی سرگرمیوں میں تیزی لانے کیلئے ۵۰۰۰ روپے کی امداد کیساتھ ساتھ مکمل تعاون کے وعدے پر رخصت ہونے کی اجازت چاہتا ہوں۔ "شکریہ"

خطبۂ صدارت محفل مشاعرہ

عبدالولی خان ایڈوکیٹ

پاکستان کے گولڈن جوبلی کی مناسبت سے حب الوطنی کے موضوع پر جن شعرائے کرام نے اپنے اپنے کلام جس طرح کے فکر انگیز پیرائے میں ترنم کے ساتھ ہمارے گوش گذار کی، قومی سطح پر اگر ان کو پرکھا جائے تو مجھے یہ کہنے پر کوئی باک نہیں کہ یہ اگر ملک کے دوسرے شعراء کے مقابلے میں معیاری نہیں تو برابری کی سطح پر انھیں نہ پرکھنا ناانصافی ہوگی۔ مجھے واقعی حیرت ہے کہ ان فلک بوس پہاڑوں کے درمیان گھری ہوئی اس دور دراز اور محدود ثقافت و تہذیب کے باسیوں کو خدا نے کس طرح فکری صلاحیتوں سے نوازا ہوا ہے۔ نکتہ آفرینی، خیالات کی باریکی، الفاظ کی دروبست، اوزان کی بندش اور آواز کی زیروبام میں معمولی سی بھی عدم فرق نے اس معاشرے کو جس طرح سے ممتاز مقام بخشا ہے اس کی داد دینے کے لئے کم ازکم میرے پاس الفاظ نہیں۔ البتہ اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو ان شعرا کرام کی اعلیٰ سطح پر سرپرستی وقت کا اہم تقاضا ہے۔

آخر میں میں گولڈن جوبلی تقریبات کے سلسلے میں انجمن ترقی کھوار کیطرف سے اس دو روزہ سیمنار کے انعقاد پر منتظمین کو مبارکباد دیتا ہوں۔ اور اپنی طرف سے ہر طرح کی تعاون کی یقین دہانی کرتا ہوں۔ اقبال کا اس شعر کے ساتھ آپ سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

تحریک آزادی کا سپاہی

عبیدولی شاہ دالمعروف ہندوستانی میکی ۔ لوٹ کرہ

گولڈن جوبلی تقریبات کی مناسبت سے تحریک پاکستان کے دنوں کے مسلم لیگی زعماء اور ان کی قربانیوں اور خدمات کے حوالے سے یادوں کے دریچے کھولتے ہوئے محمد علی جناح، سر آغا خان سلطان محمد شاہ، نواب محسن الملک، نواب بہادر یار جنگ، مولانا محمد علی شوکت، سردار عبدالرب نشتر اور خیری برادران کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ موجودہ دور میں ان کی معمولی سی بھی خصوصیتیں اگر موجودہ حکمرانوں میں پیدا ہوتیں، تو پاکستان کی سرحدیں وسیع سے وسیع تر ہوگئی ہوتیں۔ انھوں نے مجموعی مفادات پر اپنی خواہشات قربان کردیں۔ اس قربانی کے نتیجے میں پاکستان کی سرحدیں بنگال تک پھیل گئی تھیں اور جب زمام کار ان کے بعد آنے والوں کے ہاتھ آیا تو وہ ملک و قوم کی گاڑی احسن طریقے سے نہ چلا سکے۔ اپنی ذمہ داریوں کی انجام وہی میں بری طرح ناکام رہے جس کی وجہ سے نظریہ پاکستان پر کاری ضرب لگنا فطری بات تھی۔ جس کا منطقی انجام اس ملک کے حصے بخرے ہونے پر منتج ہوا۔ ان (پچھلے والوں) کی سوچ میں اسلام کا وہ شاندار ماضی انگڑائیاں لے

رہا تھا اور ہمارے وہ بے باک اور بے لوث محسن پھر سے اس شاندار ماضی کو مستقبل کے کینوس پر پھیلا دینا چاہتے تھے یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ذاتی مفادات پر وسیع تر قومی فلاح و بہبود کو ترجیح دی۔ پاکستان ان کی آخری منزل نہیں تھی بلکہ وہ اس کے لئے کچھ اور ہی خواب دیکھ رہے تھے۔ وہ قائدین پھر سے برصغیر میں اسلام کے اس شاندار ماضی کو زندہ کرنے کے لئے کوشاں تھے لیکن یہ اس ملک اور قوم کی انتہائی بدقسمتی ہے کہ بعد کے آنے والوں نے ان کے یادگار کو قدر کی نگاہ سے کبھی نہیں دیکھا۔ اور وہ عظیم مقصد ان مفت بھرے' تیار خوروں کے ہاتھوں آکر فوت ہوا۔ اور اس نظریئے کو جس کی روح کی اساس پر اس ملک کی بنیادیں رکھی گئی تھیں مجروح ہوئی۔ اگر حالات اسی طرح ہی رہے تو پھر الامان والحفیظ۔

انھوں نے کہا کہ اگرچہ پیرانہ سالی نے قدموں سے وہ تیزی چھین لی اور قویٰ کو مضمحل بنا دیا ہے لیکن جذبے کی اس قوت کو کم نہیں سکی۔ جو کبھی قویٰ کے ساتھ تحریک کے دنوں ہر لحاظ پر ہیش پیش تھی۔ وہ جذبہ وہ شوق و ذوق اب بھی دھندلا نہیں پائی۔ اب بھی اس بوڑھے سینے کے اندر وہی جوان خون موجزن ہے اور وہی جوان جذبہ پھل پھول رہا ہے کیوں نہ

ہو کیونکہ ان آنکھوں نے ان صاف گو، نیک دل، مخلص، محب اور مشفق لوگوں کے سپاہی کی حیثیت سے ان کا مشاہدہ کیا تھا جن کے آگے دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ جی چاہتا ہے کہ وطن عزیز کی سرحد پر ملک کے ہر ہر دشمن سے لڑ لڑ کے جان دیدوں۔ پر بڑھاپے کی بے رحم زنجیریں ہر دم مجھے آگے جانے سے روکے رکھتی ہیں۔ جس کی بناء پر سینکڑوں ارمان دل ہی دل میں لئے رہ جاتا ہوں۔

تحریک آزادی سے متعلق بسری یادوں کا اظہار کے لیئے موقع دینے پر انجمن ترقی کھوار کے عہدیداروں اور سیمینار کے منتظمین کا بے حد مشکور و ممنون ہوں۔ اور میں آپ سب حضرات کا بھی دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ نہایت صبر و تحمل سے آپ نے مجھے سنا۔

تحریکِ آزادی سے متعلق قدیم شعرائے چترال کے کلام کی چند جھلکیاں

ترتیب :- گل نواز خاکی

۱۸۹۵ء میں جنگ آزادی کے دوران لوٹ اودیر تحصیل موڑکھوؤ کے شوت نامی ایک شاعر حالت رزم میں نغمہ سرا تھے اور جو لوگ فرنگی کے ساتھ مل گئے تھے انہیں اُخروی انجام سے خبردار کرتے ہوئے یوں کہہ رہے کہ

ع فرنگی پِسہ ہیرپِسہ ہوردو مُریدِ نوا ٭ جنتوتے بِک پِسَتے بُرید نوا

قلعہ بندی میں محصورین سے مخاطب ہوکر انھیں اِن الفاظ میں للکارتے ہیں۔

کافریئے بیری نِسے بیرِی تہ دیکنْ بیتی شیریہ مُردارانْ الھوژا سورا ژوؤ رینیانْ ای بریکْ بیتی شہ

رشین پولوگراؤنڈ میں محمد عیسٰی کے کردار کو اِن الفاظ میں پیش کرتا ہے

تان تتو ژاد محمد عیسٰی تان دشمنو پھوشکی دیرو
ریشنو جنالیہ دوسی فرنگیان کوشکی دیرو

یندیان انگیکو نیچے اِسپہ اَفتی اَ سوسی
محمد عیسو تے عمر شکی لوٹ نیمیوت خوسی اُسوسی

ہتسے وا جوان بیرایہ شوژ یو گنی دو پو پرائے
نرینہ شیر افضل توریکو تہ اِستاری ڈوکو پرائے

انگریزوں کی آمد کے بعد سب سے پہلے جس نے غیر ملکی تسلط کے خلاف اپنے جذبات کا بھرپور اظہار کیا وہ گل اعظم خان گل تھے۔ گل کی شاعری غمِ یار اور غمِ روزگار کا حسین امتزاج ہے غمِ روزگار اور غمِ دوراں کے حوالے سے برطانوی سامراجی دور خصوصی طور پر گل کے لیئے صدمے کا باعث تھا۔ اس لیئے انھوں نے برجستگی کے ساتھ اس دور کو شاعری میں سمونے کی کوشش کی۔ جس کی وجہ سے انھیں ملتان جیسے گرم ترین علاقے میں قید کی سزا دی گئی۔ ان کی آواز اس لیئے اپنے دور کا شاکی ہے۔

ملک انگریزو بیرو مہ جم روسٔے تو کیانی بوس
جوانو کمدستیو پوشی شیر بویان تہ ہوش
وطن ئیتے ناتھان ملکھو روسٔے بیرو یامی
صفتان کھیو کوروم تہ مَکَنگ بیران مہ ڈاق

گل اعظم خان کے بعد ریاستی جبر و مظالم کے خلاف سب سے توانا آواز خدارحمت کی تھی۔ اس آواز کی وجہ سے خدارحمت کو گولدور چترال جیسی حسین جگہ سے نکال کر پہلے بلچ میں سزا دی جاتی ہے اور ان کے لئے بکریاں چرانے کی مشقت مقرر کی جاتی ہے۔ اسی دوران انھوں نے ان الفاظ میں اپنے حالات بیان کرنے کی کوشش کی۔

دریغئے ہائے دنیا آخر پشرالے ہو تم
ژالو یار ہوش کورے کہ ہو غار غلص کہ ہوتام ڈق ته اجالا ہوتم

پھر بلچ کی تصویر کشی کرتے ہوئے اور ریاستی مظالم کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہتا ہے۔

تنار ئیتے تھرین مہ جنت چترار ارنیئے دَرڈے اسور
غیری گوم ندر بام نگہبان بلچہ مہ ہائیئے اسور

اس کے بعد افغانستان جلاوطن ہوکر واپس چترال آنے پر انھیں مستوج میں قید کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کی آواز قیدخانے کی دیواروں سے باہر کی دنیا میں اس آہنگ کے ساتھ پہنچتی ہے۔

میتار ریران کہ تو رفت کجائی باز آمد پرسان موسار کو ردر
دورو کہ نو پراؤ گدائی بیتی بیم مہ کھوڑ غوژہ چھرور

پھر ایک اور آواز چترال کے حسین و جمیل وادی سونوغور سے ابھر آتی ہے۔ یہ آواز چترال کے فلسفی شاعر زیارت خان زیرک المعروف سونوغرو ملنگ کی ہے۔ یہ آواز بھی نا قابل برداشت تھی جس کی وجہ سے زیارت خان زیرک کو موڑکھوؤ کے سب سے زیادہ پسماندہ اور گمنام قصبہ گازد میں نظر بند کیا جاتا ہے اور حالت نظر بندی میں ان کا شہرہ آفاق گیت اِس وطن میں شہرت پاتا ہے۔

ملکو موژی شکس ژبہو سیان فلکو ٹھاران
کوتیر وسے اسپہ نو لینیان ملکو آپسران

زیرک کے ہمعصر اور اس کے ہمراز شیری ملک بھی اس دور میں تجربے کی بنیاد پر انگریزوں کی عیاری اور مکاری کو بطور مثال پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

پڑدو مو فہلو گنی شیرو پھوستو سور ابنچے
تو رشتو ذہنہ بیتی انگریزانان قسمہ کو سے

اس کے بعد کے دور اپریل ۱۹۴۶ء میں ورود س۔ لوی کے موقع پر ایک شاعرہ مسلم بی بی نے بھی تحریک کی مناسبت سے ایک گیت پیش کیا ہے۔

دول بَکشئے ژانگوت بیران لوٹ کوہ کھمنی
تھویکان گاردا دیتی ژانگ کوریکو نولا کویان دیوس فرنگی
گوانیر کو ئیتو اِسپرو مو پوشٹین نو بوئے
انگریزی تکلمو سورا نیویشین نو بوئے

۱۹۴۶ء ہی میں ژاسپور کے شاعر غزل خان سرینگر میں مقیم تھے۔ ان کے اَشْور جان میں تقسیم ہند کے حوالے سے چند بول آئے ہیں جو تحریک آزادی میں چترال کے شعراء کی شرکت کا ثبوت ہے۔

ک الف زیرِ سورہ ۔ کاف زبرو سورہ ۔ ھ بوژن کی بوئے
مہ فقیرو سوال ۔ لوٹ نیمیو درگاہا بیتی تبول ۔ فرشتو قلمہ نیویشین کی بوئے

۱۹۴۷ء میں برصغیر کی تقسیم کے بعد کشمیر کے عوام کی مرضی کے خلاف وہاں جو صورت بنی اور کشمیر کو ہندوستان کی جھولی میں ڈال دیا گیا۔ تو وہاں مہاراجہ کے یکطرفہ فیصلے کے خلاف جہاد کا آغاز ہوا اور یہاں چترال سے بھی مجاہد دستے کشمیر روانہ کیئے جا رہے تھے۔ ایک اور آواز ستار کے تاروں کے ساتھ قلعے کے صدر دروازے کے سامنے گونج رہی تھی۔ نور محمد المعروف یساوُل دروش نغمہ سرا تھا۔ اس جنگی ترانے کے ساتھ ا رزمیہ گیت کے چند بول نمونے کے طور پر پیش ہیں۔

ژانگوت بیسیان اِسپہ بو کم روسے
پرواہ موکورور اللہ مدد ، گوسے
کشمیر چھترارو ہوستہ فتح بوسے

چھترارو جوان کل جہانہ شور ∴ پرواہ موکورور لوٹ نیمی اسور
شیت کہ ہو تام جنتہ اسپہ دور ∴ مہ خُم خدائے تو کورے منظور

مارچ ۱۹۴۹ء کے بربان دو ہو میں تحریک آزادی کے کارکنوں کی آواز دبانے کی کوشش کے خلاف مستوج سے بھی ایک آواز رقص کرتی ہوئی کانوں میں گونجتی تھی۔ یہ آواز ریاستی عقوبت خانوں سے ٹکرا کر باہر کی دنیا تک پہنچ رہی تھی۔ یہ آواز چار ویلو صاحب نگین کی آواز تھی

زیدانی دونیان اِسپہ بیردان سم دوسی
سوت پھشتہ نوکوری اُ سم کئورو قامہ چھیر موژی
بے رحم بیر لئے برار گینیان کانگریسی ہردی

قرآنہ لوڑے مفتیئے انصافو نیچھین ∴ اللہ کیہ ریران یتیمو چہ قید یان لچین
اللہ مہ خدائے تہ پیدائش اسم آدا ∴ مشکھی نولیتام کورا امیدو چہ وفا
سوم ہوستہ جنجیر سورا سنگیتی پیرادار ∴ مہ سورو دینیان ہمیت کانگریسو وفادار

مغلاندہ چترال سے چترال مسلم لیگ کے نیشنل گارڈ کے کیپٹن گل نواز نے چترال میں ایک تاریخی جلوس اور عظیم الشان جلسہ عام کے موقع پر اپنی مشہور نظم پیش کی۔ ایک ہی بند پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ملکھو پاکستان اریتم موغار فرانگی بغائے ∴ موژو پردم ہسے تن سور تو خسرانگی بغائے

مہمان خصوصی ثقافتی پروگرام

صوبیدار محبوب عالم خان

کھوار ثقافت اور روایات میں حلاوت اور شیرینی ہے۔ کھوار شعراء مختلف اوقات میں نظم وغزل کے ساتھ ساتھ رزمیہ اشعار کو بھی کھوار ثقافت میں جگہ دی ہیں۔ کھوار زبان کا دامن بہت وسیع ہے یہ ہر ایک تہذیب وتمدن کو آسانی سے قبول اور رد کرسکتی ہے۔ اس ناطے سے ہمارے بہت سے رسومات کھوار تمدن میں شامل ہوکر ہماری تہذیب کو متأثر کئے ہوئے ہیں۔ ان میں ایک شادی بیاہ کی تقریب بھی ہے۔ کھوار تہذیب میں لڑکے والے گاؤں کے یک چند معززین کو لڑکی والوں کے گھر بھیجتے ہیں۔ رشتہ قبول ہونے کی صورت میں اس کو "اللہ اکبر" ہونا کہتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرے مرحلے پر لڑکے والے لڑکی کے گھر بقدر اپنی گنجائش کچھ نہ کچھ بھیجدیتا ہے جس کو مقامی زبان میں "شاوائی بوتیک" یعنی مالا پہنانا کہتے ہیں۔ تیسرے مرحلے پر نکاح کرکے بارات لے جاتے ہیں۔ اس میں لڑکی والے لڑکے والوں سے "مال" یعنی گھوڑا بندوق وغیرہ طلب کرتے ہیں۔ وہ ان کو

دیدیتا ہے۔ اس طرح شادی بیاہ کی رسوم اختتام کو پہنچتے ہیں۔
مگر اب یہ تمام رسومات تبدیل ہو چکی ہیں۔ ابھی "مہندی" کا رسم آگیا ہے
پھر کپڑوں کا جوڑا بھیجتے ہیں۔ اب "انگوٹھی پہنانا یا گھڑی باندھنا"
کہتے ہیں اور بہت بڑی تعداد میں خواتین آتی ہیں۔ پہلے ہمارے
رسومات لڑکی والے اپنی بیٹی کے لیئے " شاپوک سور" "رمیینہ" کے
نام سے جہیز بناتے تھے۔ اب یہ سب کچھ لڑکے والوں سے بنوا کر
پھر اس کے گھر بھیجتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہمارے دستور کے خلاف رسوم
ہماری تہذیب میں شامل ہوکر ہماری ثقافت کو ختم کر رہے ہیں
اور ساتھ ساتھ ہمارے نئے دور کے نوجوان لڑکیوں جیسے فیشن کرتے
ہیں۔ بال چھوڑتے ہیں۔ ہمارا مقامی شاعر محمد شکور غریب کہتے ہیں۔

اے دل تو یکی سیر بعالم نوکوروس کو ❊ یک چند تماشائی وِش وچم نوکوروس کو
بے دِل کہ اوشوئے موش نزبار یر عزتہ ہرگز ❊ عزت کہ تہ خوش تن سورو رستم نوکوروس کو

یعنی مردانگی کا درس دیتے ہیں نہ کہ زنانہ پن کا۔

آخر میں میں انجمن ترقی کھوار چترال کی کارکردگی کو سراہتا ہوں۔
کہ انھوں نے کھوار ادب و ثقافت اور تہذیب کو برقرار رکھنے اور محفوظ کرنے
کے لیئے جو جو سعی کر رہی ہے قابل ستائش ہے۔ اور میں اپیل کرتا ہوں
ان کے ساتھ ساتھ قدم آگے بڑھائیں۔

محفلِ مشاعرہ

آزادی کی پچاس سالہ تقریبات کے سلسلے ۶ اور ۷ جون ۱۹۹۷ء کی درمیانی رات انجمن ترقی کھوار چترال کے زیرِ اہتمام منعقدہ محفلِ مشاعرے میں قاری مولانا اسرار الدین الہلال کی تلاوتِ کلام پاک کے بعد صلاح الدین ملوخان کلکٹک درویشؔ، محمد نقیب اللہ رازیؔ شیشی کوہ بیرگہ اور محبوب حسین محبوبؔ کوغذی کے لکھے ہوئے حمد باری تعالیٰ اور نعت شریف سرکار دو عالم، سرورِ کائنات فخرِ موجودات، رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور درویشؔ کے مشہور نعت خوان محترم سجاد احمد ساجد اور محمد ایوب کلکٹک نے باری باری سے اور ملکر پیش کئے۔ علاوہ بچوں کو نصیحت کے عنوان سے رازیؔ ہی کی لکھی ہوئی نظم جسے چھوٹے محمد ایوب نے ترنم سے پیش کرکے حاضرین سے خوب دادِ تحسین پایا۔ واضح رہے کہ ان دو روزہ تقریبات کے پروگرام مولانا اسرار الدین الہلال کی تلاوت اور ظہور الٰہی کے نعت سے افتتاح ہوئے ہیں۔ محفل مشاعرہ کے اس پروگرام میں مشاعرے کے دو دور چلے۔ پہلے مرحلے میں قومی نظم پیش ہوئے۔ دوسرے مرحلے میں ۲ نوجوان شعراء

نے اپنی غزلیں سنائیں ۔ مشاعرہ رات گئے تک جاری ۔ پونے چار بجے
خطبۂ صدارت اور صدر انجمن کی طرف سے شکریئے کے الفاظ کے ساتھ
ضلعی سطح کا یہ شاندار مشاعرہ اختتام کو پہنچا ۔ آزادی کے حوالے سے شعراء
نے جو کلام سنائے ان میں سے نمونے کے طور پر ایک ایک بند قارئین
کی دلچسپی کے لئے پیش ہیں ۔